

اسلامک اکیڈمی ٹمپٹرک لاہور ناظر علی پیش کش

اثار التنزیل

جلد اول

پچیس مضامین

ضرورت القرآن	خصوصیات القرآن	مصادیق القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	احرف القرآن	حفاظ القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	زجرات القرآن	تجوید القرآن	قرأت القرآن
اسلوب القرآن	سورہ مستدآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حائق القرآن	تفاوت القرآن	اہل القرآن	نسخ فی القرآن	تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ عبدالحمید محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ٹمپٹرک لاہور

دارالمعارف

افضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی پمپٹرکی لاجواب نادعلی پمپٹرکش

اثار التنزیل

جلد اول

بچیسر مضامین

مردود القرآن خصوصیات القرآن صداقت القرآن فضائل القرآن نزول القرآن
جمع القرآن کتابت القرآن ترتیب القرآن امرن القرآن حفاظ القرآن
حفظ القرآن لسان القرآن ترجمہ القرآن تجوید القرآن قرات القرآن
اسلوب القرآن سورهتہ ان ایمان القرآن مقام القرآن علوم القرآن
حائق القرآن عادت القرآن اعجاز القرآن نسخ فی القرآن تاثیر القرآن

تالیف

ڈاکٹر علامہ عبدالحمود
ڈاکٹر اسلمک اکیڈمی پمپٹر

دارالمعارف

افضل آرکیٹ، اردو بازار، لاہور

نام کتاب _____ ۲ شمارہ القزلی جلد اول
 مصنف _____ ڈاکٹر علامہ خالد محسود
 کتابت _____ محمد حفیظ الحق صدیقی خانیوال
 ناشر _____ دارالمعارف لاہور
 صفحات _____
 تعداد _____
 قیمت _____
 ممالک یورپ _____

ملنے کے پتے

دفتر دارالمعارف مڈل دی سہاج روڈ سنت نگر لاہور
 جامعہ ملیہ اسلامیہ توحید پارک نزد امامیہ کالونی لاہور
 پتہ انگلینڈ : اسلامک اکیڈمی آف مینچسٹر

حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند
کی چھتیس سال پہلے کی ایک تحریر

نمبر ۷۵۸



آثار التنزیل مولفہ مولانا خالد محمود صاحب کیسی کتاب ہے؟
اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ وہ مولانا خالد محمود صاحب کی
تالیف ہے جو تصنیف و تالیف کی لائن کے معروف اور علمی ذیل کے جانے
پہچانے مصنف ہیں قدر الشہادۃ قدر الشہود کے اصول پر تصنیف
کی علمی قدر و منزلت تصنیف کی قدر و منزلت کا کھلا نشان ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب کے عنوانات کو پڑھ لیا جائے عنوان
مضمون مضمون کا ترجمہ ہوتا ہے اور ترجمہ اور عنوان ہی سے صاحب مضمون
کی فقہیت و ذکاوت واضح ہو جاتی ہے علماء کا مسلمہ مقولہ ہے فقہ البخاری
فی ترجمہ بخاری کا تفقہ اور علمی عمق ان کے ابواب و تراجم اور عنوانات میں
مخفی ہے جو انہوں نے احادیث پر قائم کئے ہیں اور حدیث کا عطر نکال کر

ترجمہ میں پیش کرتا ہے۔

جس کتاب کے تراجم و عنوانات ضرورۃ القرآن نزول القرآن تدوین القرآن ارض القرآن سُور القرآن لسان القرآن اسلوب القرآن ترتیب القرآن اور حفاظت القرآن وغیرہوں اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ قرآنی علوم کے مختلف پہلوؤں پر مصنف کی کتنی گہری نظر ہے۔ بہر حال یہ البواب اور مصنف دونوں اس زیر نظر کتاب کی قدر و منزلت کے گواہ ہیں اس لئے مُستفیدین کے حق میں آثار التنزیل سے استفادہ اور اس کے شوق و رغبت کے دروازے کھل جانے چاہئیں اور انہیں علوم قرآن کے ان جامع اور گہرے پہلوؤں کو سامنے لانے کے لئے اس موثر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ کتاب کی وہ قدر و قیمت جو اس کے مصنف اور تصنیفی عنوانات سے اجمالاً سامنے آئی تھی۔ مطالعہ کے بعد تفصیل اور بصیرت کے ساتھ سامنے آجائے۔

علماء کرام اور مدارس کے منتہی طلبہ کے لئے اور یونیورسٹیوں کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مُفید ہوگا۔ دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور مقبول فرمائے۔

محمد طیب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۴ — ۴ — ۱۳۸۴ھ

فہرست مضامین

۲۸	چوہہ الاسلام امام غزالیؒ کی شہادت	۳۳	ضرورت القرآن
۲۸	شرعی علوم بمنزلہ دوا ہیں		
۳۸	علوم عقیدہ اور شریعہ میں تعارض نہیں	۳۳	{ ہدایت فطرت ہدایت حواس اور
۳۹	تجرباتی معلومات کو وحی کی پیاس		ہدایت عقل کے بعد ہدایت الہی کی ضرورت
۳۹	قرآن کریم روح کائنات ہے	۳۳	ہر چیز پر زندگی کی راہیں کھول دیں
۴۰	حواس اور انکسین کبھی غلطی بھی کر جاتے ہیں	۳۴	حیران ہدایت حواس تک ساتھ چلا
۴۰	کائنات کا ارتقاء اپنے اعلیٰ کی تلاش میں	۳۴	ہدایت عقل کی راہ میں انسان اکیلا رہ گیا
۴۱	چوہہ الاسلام مولانا محمد قاسمؒ کی شہادت	۳۴	شفق انسانی کی آخری منزل تخمینات
۴۱	قرآنی ہدایت کا دائرہ عمل کہاں تک؟	۳۴	آسمانی ہدایت پر تمام ملتوں کا اتفاق
۴۱	۱۔ صرف قرآن سپردست برد سے محفوظ ہے	۳۵	انسان جو ہر عقل کی وجہ سے ہی شکست ٹھہرا
۴۲	۲۔ چودہ سو سال اس میں کوئی فرق پیدا نہ کر سکے	۳۵	عقل خود کیا ہے؟ تجربات کا خلاصہ
۴۲	۳۔ قرآن زمانہ قبل از تاریخ میں مستور نہیں	۳۵	اطمینان کی دولت آسمانی ہدایت میں ہی ہے
۴۲	۴۔ مسیحی صدیوں کی ابتداء میں انجیل کا حال	۳۵	دائرہ کائنات کو نقطہ تعین اسی سے ملتا ہے
۴۲	۵۔ پولوس نے عقیدہ تثلیث اور کفارہ ایجاد کیے	۳۵	حضرت محمد الف ثانیؐ کی شہادت
۴۲	۶۔ حضرت مسیحؑ کی انجیل کسی کے پاس نہیں	۳۵	مذہب کے بغیر دل کہیں اطمینان نہیں پالتے
۴۴	خصوصیات القرآن	۳۵	عقل کی ساری جولانیاں محرمات میں ختم
		۳۶	طور نبوت طور عقل کے ماوراء ہے
۴۴	۱۔ قرآن کریم کا نزول تدریجاً ہوا	۳۶	مادیات اور تجربات کائنات کا صرف مادہ ہیں
۴۴	۲۔ یہ کتاب مفصل اتنی، مفصل ساتھ مل	۳۶	مادہ کائنات کے لیے روح کائنات درکار ہے
۴۴	۳۔ قرآن کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے	۴۴	انسانی زندگی کا قیام خدا سے ہے
۴۴	۴۔ قرآن میں کسی بات کی کمی نہیں رہی	۴۴	مادی علوم کی بے اعتدالی میں طریق علاج

- ۵۲ ۵. قرآن میں سب مناجاتِ علم کی چابی دھری ہے ۴۸
- ۵۸ ۶. قرآن اپنا رشتہ پہلی کتابوں سے جوڑتا ہے ۴۸
- ۵۹ ۷. قرآن کی بات دوطرفہ نہیں ہوتی ۴۹
- ۶۰ ۸. قرآن ابدی کتاب ہے کسی نسخ کی زد میں نہیں ۴۹
- ۶۰ ۹. قرآن سے دل کی دلوں کو شفا ملتی ہے ۴۹
- ۶۱ ۱۰. قرآن سب کے دلوں میں آخرت کی فکر پیدا کرتا ہے ۴۹
- ۶۱ ۱۱. قرآن کے کچھ مسائل صرف علماء کے سمجھنے کے ہیں ۴۹
- ۶۲ ۱۲. علماءِ اہلِ ابواب قرآن میں کیا کریں؟ ۴۹
- ۶۲ ۱۳. کس درجے کے علماء پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ ۴۹
- ۶۳ ۱۴. پیغمبر کا منصب صرف قرآن پہنچانا نہیں ۵۰
- ۶۵ ۱۵. سبیلِ رسول کے ہوتے مختلف راہوں پر نہ ملو ۵۰
- ۶۵ ۱۶. سبیلِ رسول کے ساتھ سبیلِ المؤمنین کی بھی پیروی ۵۰
- ۶۶ ۱۷. قرآن کا سرخیل اللہ عزوجل ہے ۵۱
- ۶۶ ۱۸. عرب قبل القرآن ۵۱
- ۶۸ ۱۹. عرب بعد القرآن ۵۱
- ۶۹ ۲۰. حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ۵۲
- ۶۹ ۲۱. میں دونوں دوروں کا ذکر ۵۲
- ۶۹ ۲۲. اخلاقی جریرگیوں کی تکمیل ۵۲
- ۷۰ ۲۳. پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کی دعوت ۵۲
- ۷۱ ۲۴. پہلی کتابوں میں قرآن کی صداقت کے نشان ۵۲
- ۷۲ ۲۵. پیرایہ فطرت میں آسمانی آواز ۵۲
- ۷۲ ۲۶. علم کے دس فطری تقاضے ۵۵
- ۷۴ ۲۷. امارتِ فقری کے پیر ہیں ۵۵
- ۷۴ ۲۸. قرآن اپنے پیروں کو گمراہی سے نکالتا نہیں ۵۶
- ۵۳ ۲۹. صداقت القرآن ۵۳
- ۵۳ ۳۰. قرآن کے اندر اس کی صداقت کے نقوش ۵۳
- ۵۳ ۳۱. آسمانی کتاب الہی صفات کا پتہ دے ۵۳
- ۵۳ ۳۲. علم الہی میں اسس کا کوئی شریک نہیں ۵۳
- ۵۴ ۳۳. قرآن کریم کی مختلف اخبارِ غیبیہ ۵۴
- ۵۴ ۳۴. ایک ناقول اور بے سہارا انسان کا عروج ۵۴
- ۵۴ ۳۵. کہ دلوں کو ان کے خزانوں کی بنیاد کی اطلاع دیدی گئی ۵۴
- ۵۵ ۳۶. غیبِ رسالت کا دوسرا اعلان ۵۵
- ۵۵ ۳۷. غیبِ رسالت کا تیسرا اعلان ۵۵
- ۵۶ ۳۸. حضور کو بتلانا کہ یہ تجھے نکال دیں گے ۵۶

- ۹۳ فضائل قرآن ۲ شخصیت کی زبان سے ۷۵
۹۴ فضائل قرآن صحابہ کرامؓ کی زبان سے ۷۶
۹۸ قرآن غیبی خبروں کے مخزن کے طور پر ۷۷

۹۹ قرآن دلوں کو نرم کرنے کا سبب ۷۷

۹۹ قرآن سے زہر کے اثر کو دور کرنا ۷۷

۱۰۰ قرآن سے جادو کے اثر کو دور کرنا ۷۸

۱۰۱ فضائل قرآن محمد بن کی نظر میں ۷۸

نزول القرآن

۱۰۳ قرآن مجید لوح محفوظ میں ۸۰

۱۰۳ قرآن مجید پہلے آسمان پر سلیمان علیہ السلام میں اُترا ۸۰

۱۰۴ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے اُترا ۸۱

۱۰۵ تنزیل اور انزال میں فرق ۸۱

۱۰۶ وحی الہی کا تحمل ۸۲

۱۰۶ اُتر ہی جاتا ہے کہاں اس کی رسالت اُترے ۸۲

۱۰۶ وہ جسے چاہتا ہے رسالت دیتا ہے ۸۳

۱۰۶ نبوت کو کبھی ماننے والا نہ ملتا ہے ۸۵

۱۰۶ حضورؐ کی پہلی زندگی آئندہ زندگی کے لیے سند بنی ۸۷

۱۰۶ { ۸۷

۱۰۶ ساحر کے الزام پر حضورؐ حادث کا جواب ۸۷

۱۰۹ نوحؑ بشری میں نوحؑ کی ولایت ہوا ۸۸

۱۰۹ پہلی وحی اُقر کے الفاظ ہی میں ۸۸

۱۰۹ حضرت خدیجہؓ سے اپنی طبعی حالت کا ذکر ۸۹

۷۵ تاہل میں کھسے تضاد کی ایک مثال

۷۶ قرآن دین و دنیا کی تقسیم نہیں بنانا

فضائل القرآن

۷۷ قرآن کریم مخلوق نہیں اور اس پر قضا نہیں

۷۸ ۱۔ انسانوں اور خدا کے باہن وصل و ربط

۷۸ ۲۔ واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے

۷۹ ۳۔ واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب کہلا سکتی ہے

۷۹ ۴۔ واحد الہامی کتاب جو ہر جگہ اصل زبان میں ہے

۷۹ ۵۔ واحد الہامی کتاب جو لاکھوں کو زبانی یاد ہے

۸۰ ۶۔ واحد الہامی کتاب جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں

۸۱ ۷۔ واحد الہامی کتاب جو حضورؐ سے متواتر منقول ہے

۸۱ ۸۔ واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دنیا عاجز ہے

۸۲ ۹۔ واحد الہامی کتاب جو عبادت اور سیاست کی طبع ہے

۸۲ ۱۰۔ واحد الہامی کتاب جس دنیا میں انقلاب برپا کیا

۸۳ ۱۱۔ واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا

۸۵ ۱۲۔ واحد الہامی کتاب جس نے اپنا پورا تعارف کر لیا

۸۷ ۱۳۔ واحد الہامی کتاب جس کی تفسیر غیروں نے بھی کی

۸۷ ۱۴۔ واحد الہامی کتاب جو دو مرتبہ تاریخ میں آئی

۸۷ ۱۵۔ واحد الہامی کتاب جس نے پہلے مذہبی

۸۷ { پیشواؤں کو عزت بخشی

۸۸ بائبل میں پہلے انبیاء کا ذکر دلا زار پیر کے میں

۸۹ میدان میں خدا کے پہلے بھیجے ہوؤں کا ذکر

- ۱۱۸ الہام کے علم غلطی ہوتے ہیں ۱۰۹ خدیجہ کا آپ کو ورق بن فرخ کے پاس لے جانا
- ۱۱۸ نبی کا الہام بحر صواب کے نہیں ہوتا ۱۱۰ تین سال تک وحی میں غمت
- ۱۱۸ نبی کا الہام اوروں کے لیے حجت قاطعہ نہیں ۱۱۰ سورہہ ترکی ابتدائی آیات
- ۱۱۸ وحی میں ایک متحدی ہوتی ہے (دعویٰ) ۱۱۰ کیفیت نزول وحی کی
- ۱۱۸ وحی کے وجود پر شاہدہ ہے استدلال ۱۱۱ ۱. فرشتہ نبی کے دل پر نزول کرے
- ۱۲۰ وحی اُتے وقت حضورؐ کی رسالت ۱۱۲ حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان
- ۱۲۱ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ۱۱۲ شیخ اکبر ابن عربی کا بیان
- ۱۲۱ صفوان بن یحییٰ کی شہادت ۱۱۳ ۲. نزول وحی کی دوسری کیفیت
- ۱۲۲ حضرت امام غزالیؒ کا بیان ۱۱۳ کوہ طور پر وحی
- ۱۲۲ وحی کی آواز ۱۱۳ مخرج کی رات اللہ سے پہلا وحی
- ۱۲۲ اللہ کی آواز بے چوں و بے مثل ۱۱۳ ۳. نزول وحی کی تیسری کیفیت
- ۱۲۳ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی شہادت ۱۱۳ اللہ کے انسان سے پہلا وحی ہونے کی تین صورتیں
- ۱۲۳ وادی سینا میں خدا کی آواز سنی گئی ۱۱۳ حدیث میں صرف دو صورتوں کا ذکر کیوں؟
- ۱۲۳ یہ فرشتہ وحی کے پردوں کی آواز دیتی تھی ۱۱۵ سلسلہ وحی کی اختتام پذیری
- ۱۲۳ شاہ نظام الدین اولیاءؒ کی ایک یاد ۱۱۵ ۱. حضرت صدیق اکبرؓ کا اعلان القطاع وحی
- ۱۲۳ شیخ فرید الدین عطارؒ سے ایک معارفہ ۱۱۵ ۲. حضرت فاروق اعظمؓ کا اعلان القطاع وحی
- ۱۲۳ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا جواب ۱۱۹ وحی کی حقیقت
- ۱۲۴ وحی رسالت اور وحی قرآن میں فرق ۱۱۹ جسے شریعت میں وحی کہا جائے
- ۱۲۴ وحی رسالت وحی قرآن سے عام ہے ۱۱۶ وحی اور الہام میں فرق
- ۱۲۵ وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی پہلی شہادت ۱۱۶ دونوں حصول علم کا غیبی ذریعہ ہیں
- ۱۲۶ وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کی دوسری شہادت ۱۱۶ وحی میں مہر یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے
- ۱۲۶ وحی رسالت کے عام ہونے پر تیسری شہادت ۱۱۶ الہام ایک وجدانِ ساحسوس ہوتا ہے
- ۱۲۶ وحی رسالت کے عام ہونے پر چوتھی شہادت ۱۱۸ وحی ایک روشن بُرہان کے درجہ میں ہے

مجمع القرآن

- ۱۲۹ وحی اُترتے ہی آپ کو وہ حصہ قرآن یاد ہو جاتا ۱۲۹
 ۱۳۰ جبریل کے پڑھنے کے ساتھ آپ بھی آہستہ پڑھتے ۱۳۰
 ۱۳۱ اللہ نے آپ کو زبان کے حرکت دینے سے روکا ۱۳۱
 ۱۳۲ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو جمع کرنا اپنے ذمہ لے لیا ۱۳۲
 ۱۳۳ اللہ نے آپ کو جمع قرآن کی تسلی دی ۱۳۳
 ۱۳۴ آداب قرآن میں سے ہے کہ ایک پڑھے ۱۳۴
 ۱۳۵ دوسرا سُنے اور خاموش رہے ۱۳۵
 ۱۳۶ جمع و تدوین صرف حفظ کی صورت میں ۱۳۶
 ۱۳۷ نہ تھی آپ ساتھ ساتھ لکھواتے بھی رہے ۱۳۷
 ۱۳۸ قرآن میں قرآن کے کتاب ہونے کی شہادتیں ۱۳۸
 ۱۳۹ حضرت خالد بن سعید نے سب سے پہلے بسم اللہ لکھی ۱۳۹
 ۱۴۰ حدیث میں قرآن کے کتاب ہونے کی شہادتیں ۱۴۰
 ۱۴۱ مسانہد و مسالک قرآن کے دیکھ کر پڑھنے کا ثبوت ۱۴۱
 ۱۴۲ قرآن ساتھ لے کر دشمن کے علاقے میں نہ جاؤ ۱۴۲
 ۱۴۳ قرآن کو بغیر وضو نہ پھرنے کا ثبوت ۱۴۳
 ۱۴۴ حضرت جابرؓ کی روایت کہ سیاہی کیسے خشک کر دہم ۱۴۴
 ۱۴۵ زولی ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب سے مختلف تھی ۱۴۵
 ۱۴۶ قرآن کو اس کے اصلی ترتیب پر لکھواتے رہے ۱۴۶
 ۱۴۷ حضرت جبریل کا البقرہ کا آیت نمبر بتانا ۱۴۷
 ۱۴۸ کا تبین وحی اٹھتیش تھے ۱۴۸
 ۱۴۹ لایدر بن ثابتؓ کے بعد دوسرے نمبر پر معادید رہتے ۱۴۹
- صاحب مشکوٰۃ کی شہادت
 مائظ ابن کثیر کی شہادت
 حضورؐ کے عہد میں پورا قرآن لکھنے والے
 حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
 انصار میں پورا قرآن لکھنے والے پانچ تھے
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا پورا قرآن جمع کرنا
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کتاب وحی
 حضرت لبید شاعر کا کتاب وحی
 حضورؐ قرآن لکھا کرتے بھی تھے
 سادہ قرآن لکھا جانے کے باوجود دیکھا نہ ہوا
 عہد نبوی میں قرآن کن چیزوں پر لکھا جاتا رہا
 ادیم عیب بختہ گفت قبت
 قرآن پاک عبد صدیقی میں ایک شیرانے لے آیا
 حضرت عثمانؓ نے اس کی متعدد نقلیں کرائیں
 حضرت عمرؓ نے قدیم نسخہ حضرت حفصہؓ کے سپرد کیا
 خلافت فاروقی میں قرآن کریم کی اشاعت
 معمول اور قادیل کی تختوں میں مقرر کی گئیں
 حضرت عبداللہ بن ابی قحافہؓ کی فوج میں تین سو مواظ
 احرف سبعہ کی مثنیٰ بحث
 حضرت عثمانؓ جامع آیات القرآن
 ایک قرآن پر جمع کرنے کا اہتمام
 حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی تجویز
 قرآن کا مرکزی نسخہ بالآخر ایک قرار پایا

- ۱۶۱ تیس پاروں میں تفسیر عہد حجاج میں ہوئی
- ۱۶۲ کتابت قرآن
- ۱۶۳ قرآن کی کتب و تہذیب اور حفظ میں
- ۱۶۴ روح محفوظ میں الفاظ کی ایک اداسی
- ۱۶۴ حضرت عثمان کے رسم الخط کی توفیق
- ۱۶۴ ائمہ اربعہ اس کی پابندی کے قائل ہے
- ۱۶۵ حافظ ابن ہمام کی شہادت
- ۱۶۵ ائمہ سلف کی شہادتیں
- ۱۶۶ روح محفوظ کی کتابت میں السانوں کی عملی رعایت
- ۱۶۶ کتابیں وحی کے مختلف پیرائے
- ۱۶۶ مختلف لغات والے عرب ایک ہوئے
- ۱۶۶ قرآن کی اولین کتابت خط کوفی میں
- ۱۶۶ حضرت علیؑ کے لکھے قرآن پر ذکر اقبال کی شہادت
- ۱۶۸ قرآن سجدہ میں سے تین کو ذکے تھے
- ۱۶۸ کوفہ کی علمی منزلت
- ۱۶۸ سعیدی عرب میں کوفہ کی سند
- ۱۶۹ امام عاصم کوئی کی سند چار صحابہ سے
- ۱۶۹ علامات وقف و ضبط
- ۱۶۹ پارہ اندر ربع ونصف کے نشان
- ۱۷۱ قرآن کریم میں پہلے نقطہ نہ تھے
- ۱۷۰ قرآن کریم میں رکوع کے نشان
- ۱۷۱ اعراب اور علامات
- ۱۶۹ حضرت عثمان نے ملاقر میں اس کی نقل مجبوتیں
- ۱۶۹ شام کا نسخہ ساتویں صدی تک دیکھا گیا
- ۱۷۰ خولین شہید کے قطروں والا نسخہ مدینہ والا تھا
- ۱۷۰ مؤرخ عبد الملک نے آٹھویں صدی میں یہ نسخہ دیکھے
- ۱۷۰ مرزا احمد سلطان گورگانی کی غلط بیانی
- ۱۷۱ ابن قتیبہ کا بیان کہ وہ مصحف موجود رہا
- ۱۷۱ علامہ ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی شہادت
- ۱۷۲ اجماع اعراب علی مصحف الامام
- ۱۷۳ دوسرے نسخوں میں تفسیری نوٹ بھی تھے
- ۱۷۳ حضرت عثمان نے ان کے کمرچ دیئے کا حکم دیا
- ۱۷۳ یحیٰی بن حنف یحیٰی سے بھی ہو سکتا ہے
- ۱۷۳ یحیٰی بن ابی اسحاق غنی و حنفی
- ۱۷۵ امام محمدؒ کا فتویٰ کہ قرآن جو ناجائز نہیں
- ۱۷۶ قرآن کو غیر قرآن کے اعتبار سے بچایا جائے
- ۱۷۶ رفیع اختلاف کا ایک اور انداز
- ۱۷۶ کامنی عیاض کا بیان کہ حروف دھریے گئے تھے
- ۱۷۸ حضرت علیؑ کا حضرت عثمانؓ سے کامل اتفاق
- ۱۷۸ حضرت عثمانؓ پر تمام علماء کا اجماع
- ۱۷۸ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اختلاف قرآن
- ۱۷۹ میں نہ تھا تفسیری نوٹوں کا تھا
- ۱۷۹ حافظ ابن کثیر کی شہادت
- ۱۷۹ امام موسیٰ کاظمؑ کا فتویٰ
- ۱۷۸ حضرت علیؑ تفسیر حضرت عثمانؓ کی تائید میں

- ۱۶۲ حضور کا نماز میں پہلی سورتیں ترتیب سے پڑھنا ۱۹۰
 ۱۶۲ قرآنی سورتوں کی دوسری منزل ۱۹۱
 ۱۶۵ قرآنی سورتوں کی تیسری منزل ۱۹۳
 ۱۶۵ ۲۔ نثری سورتوں کے اتناق کی ایک جھلک ۱۹۴
 ۱۶۵ موجودہ ترتیب کے الٹی چھٹنے پر قرآن کی دوسری شہادت ۱۹۵
 ۱۶۵ حضرت علیؓ کے اہل عجمی ہی ترتیب اہلی ترتیب تھی ۱۹۶
 ۱۶۹ فقہاء کے نزدیک بھی ترتیب سورہ کا لحاظ ضروری ہے ۱۹۷
 ۱۶۹ نماز میں بعد کی سورت پہلے پڑھنا مکروہ ہے ۱۹۸

احرف القرآن

- ۱۶۹ ۱۔ قرآن کی ابتدائی دعوت اہل مکہ کے لیے تھی ۱۹۹
 ۱۶۹ سب سے پہلے قرآن ایک قبیلے کی آواز نہ رہا ۱۹۹
 ۱۶۹ حافظ ابن قتیبہ کا بیان ۲۰۰
 ۱۶۹ حدیث سب سے پہلے قرآن کی شرح ۲۰۱
 ۱۶۹ یہ حدیث اکیس صحابہ سے مروی ہے ۲۰۲
 ۱۶۹ حدیث کی شرح میں کہے گئے اقوال ۲۰۲
 ۱۶۹ ۱۔ بات لغات مراد ہیں ۲۰۲
 ۱۶۹ ۲۔ ملت قسم کے معنایں مراد ہیں ۲۰۲
 ۱۶۹ اختلاف حروف میں قصائد متنافی نہیں ۲۰۲
 ۱۶۹ عربی میں حروف کے چھ معنی ۲۰۳
 ۱۶۹ قرآن کریم میں حرف کلمہ کے معنی ہیں ۲۰۳
 ۱۶۹ حدیث میں حروف الفاظ کے معنی ہیں ۲۰۳
 ۱۶۹ سات حروف کا مورد و مصداق ۲۰۴

علامات اور قرأت میں فرق
 آیات کی گنتی کی علامات اور وقف و وصل

ترتیب القرآن

- ۱۶۵ جمع کی عملی صورت خدا لے اپنے ذمہ لی تھی
 ۱۶۵ عہد نزول کی ترتیب واقعات میں دور نہیں
 ۱۶۹ دور اول میں قرآن کو ایک صفت میں نہ رکھنے کی وجہ
 ۱۶۹ جامعین قرآن اس میں کسی تبدیلی کے مجاز نہ تھے
 ۱۶۸ ترتیب آیات جبریل بتاتے تھے
 ۱۶۹ حضورؐ کی کاتبین وحی کو ہدایت
 ۱۶۹ حضرت عثمانؓ کا بیان
 ۱۶۹ حضورؐ کا مختلف آیات کی نشاندہی فرمانا
 ۱۶۹ ترتیب آیات تو قیسی ہے اس پر تو اتر ہے
 ۱۶۹ آیات و سورتوں کا نظم و نفاذ
 ۱۶۹ حضورؐ کا قرآن شہم کرنے کا طریق بتلانا
 ۱۶۹ ترتیب نزول اور ترتیب رسلی میں فرق
 ۱۶۹ ترتیب سورتوں بھی لوح محفوظ کے مطابق ہے
 ۱۶۹ سبع طلال اور عوامیم مفضل اپنی ترتیب میں
 ۱۶۹ بسم اللہ کی قرآنیت میں کوئی مشہد نہیں
 ۱۶۹ قرآن کی پہلی سات سورتوں کی ترتیب
 ۱۶۹ بنی نوح انسان کے لیے دو طرح کے فتنے
 ۱۶۹ موجودہ ترتیب حضورؐ کی طرف سے ہے
 ۱۶۹ ایک حدیث میں سبع طلال اور مسین کا ذکر

- ۲۰۳ امام نووی کی شہادت
- ۲۰۴ سروریم سید کا تبصرہ
- ۲۰۵ احرف سبعہ کی وصت کیا پیڑ کے لیے؟
- ۲۰۶ کیا احرف سبعہ نے آئندہ قرأت پر اثر ڈالا
- ۲۰۷ اب ہی ایک ہی قرأت قرآن ہے
- ۲۰۸ احرف سبعہ سے قرأت سبعہ کی راہیں نکلیں
- ۲۰۹ صحابہ کا اختلاف قرأت قلدیوں
- ۲۱۰ { کی قرأت نہیں۔
- ۲۱۱ قتادی ابو محمد علی الاسلام مختلف روایات کی شہادت
- ۲۱۲ علامہ جزری کا بصیرت افروز بیان
- ۲۱۳ قتادی فتح محمد صاحب مہاجر مدنی کی شہادت
- ۲۱۴ علامہ افروستہ کا بصیرت افروز بیان
- ۲۱۵ امت میں قرأت قرآن کیسے جاری ہوئی
- ۲۱۶ کیا احرف سبعہ موجود رہے {
- ۲۱۷ یا اٹھا لیے گئے؟ {
- ۲۱۸ قرآن اس امت میں متواتر طبعاتی ہے
- ۲۱۹ مصاحف عثمانیہ سے پہلے کی قراوت قرآن
- ۲۲۰ اختلاف عثمانیہ پر اجماع کے بعد {
- ۲۲۱ وہ رعایت نہ رہی۔ {
- ۲۲۲ اختلاف قرأت میں دو باتیں ملحوظ رہیں
- ۲۲۳ ضیعہ اختلاف قرأت کے قائل نہیں ہیں
- ۲۲۴ اختلاف قرأت سات امور سے باہر نہیں
- ۲۲۵ کیا کبھی قرأت میں الفاظ کی کمی بیشی ہوئی؟
- ۲۲۶ کیا یہ تغیر الفاظ قرات کے ساتھ مروی ہے
- ۲۲۷ حدیث سبعہ احرف قرات کے {
- ۲۲۸ ساتھ منقول ہے۔ {
- ۲۲۹ حاکمی ابو بکر باقلائی کی شہادت
- ۲۳۰ امام طحاوی کے ہاں احرف سبعہ کی شرح
- ۲۳۱ محقق جندی کی رائے
- ۲۳۲ یحییٰ اسماعیل کتامر حرف واحد پر ہی تفتیش
- ۲۳۳ حفاظت القرآن
- ۲۳۴ قرآن کریم کا اعلان کہ باطل کو اس میں راہ نہیں
- ۲۳۵ حفاظت قرآن بوجہ پیغمبر ﷺ
- ۲۳۶ قرات کی حفاظت اللہ نے اپنے {
- ۲۳۷ ذمہ نہ لی تھی۔ {
- ۲۳۸ ایک یہودی کا اسلام قبول کرنا
- ۲۳۹ سفیان بن عیینہ کا قرآن سے استدلال

- ۲۳۰ ضمیر مرجع کی جنس کی طرف کوٹے
- ۲۳۱ ۲۳۸ آسانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے
- ۲۳۲ تحریف معنوی سے حفاظت
- ۲۳۳ تحریف معنوی پر ایک اور سوال
- ۲۳۴ ۲۳۹ لا تبدیل لکلمات اللہ کے معنی مراد
- ۲۳۵ ۲۳۹ کلام اللہ کا پسواطلاق
- ۲۳۶ قرآن پر تحریف کا الزام
- ۲۳۷ ۲۳۹ کلمات اللہ کا دوسرا اطلاق
- ۲۳۸ مخالفین کے بین مخالفے
- ۲۳۹ ۲۳۹ ۲۳۹ خدا کی نصیحت جو نتائج اعمال ہوں
- ۲۴۰ ۲۳۹ کلمات اللہ کا تیسرا اطلاق
- ۲۴۱ ۲۳۹ کلام الہی جو احکام و اخبار پر مشتمل ہو
- ۲۴۲ ۲۳۹ نسخ کا مفہوم
- ۲۴۳ ۲۳۳ احکام الہی حسب تقاضا مختلف ہو سکتے ہیں
- ۲۴۴ ۲۳۸ بایں ل کا حوالہ
- ۲۴۵ ۲۳۲ اخبار میں تبدیلی نہیں ہو سکتی
- ۲۴۶ ۲۳۳ لا تبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم
- ۲۴۷ ۲۳۲ کیا آسانی زشتوں میں تحریف ممکن ہے
- ۲۴۸ ۲۳۳ لا تبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم
- ۲۴۹ ۲۳۴ کلام اللہ اور کتب اللہ
- ۲۵۰ ۲۳۵ کتاب اور کلام میں فرق
- ۲۵۱ ۲۳۵ ہر دو عربی میں اتنی رہی پھر جبریل اس کام
- ۲۵۲ ۲۳۵ زبرد کرتے اور نبی سے وہ بات کہتے
- ۲۵۳ ۲۳۶ تحریف بایں ل پر بایں ل کی اپنی شہادت
- ۲۵۴ ۲۳۶ قرآن پاک کی ابتدائی حفاظت اللہ نے ذمہ لی ہے
- ۲۵۵ ۲۳۶ آیت حفاظت کفار کو تہدید میں آتری
- ۲۵۶ ۲۳۹ آیت حفاظت پر بلا غلیل قزوینی کا اعتراض
- ۲۵۷ ۲۳۸ جو آسانی سے دہڑھ سکے اسے دواجر
- ۲۵۸ ۱۔ عہد صدیقی میں متفرق دستاویزات {
- ۲۵۹ ۲۳۹ کیا کیے گئے۔
- ۲۶۰ ۲۳۹ ۲۔ عہد فاروقی میں تراویح ایک امام کے چھپے
- ۲۶۱ ۲۳۹ ۳۔ عہد عثمانی میں قرآن سرکاری تختوں میں
- ۲۶۲ ۲۳۹ ۴۔ عہد علوی میں قرآن کا خوارج سے معنوی تحفظ
- ۲۶۳ ۲۳۵ ۵۔ حضرت زیدؓ کی ہر دور میں شمولیت
- ۲۶۴ ۲۳۹ علوم قرآن کے پہلے دور کے محافظ
- ۲۶۵ ۲۵۰ حفظ قرآن کی حفاظت
- ۲۶۶ ۲۵۰ حفظ قرآن فرض کفایہ ہے
- ۲۶۷ ۲۵۰ قرآن نازلہ پڑھنے پر بشارت
- ۲۶۸ ۲۵۰ قرآن پڑھنے سے کرب بڑا گناہ کہا گیا
- ۲۶۹ ۲۵۰ جو آسانی سے دہڑھ سکے اسے دواجر

حفظ القرآن

حافظ قرآن کے درجات ارتقاء

پورے قرآن کے ختم کی فضیلت

لسان القرآن

۲۶۲

۲۶۵

۲۶۷

۲۶۷

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۲

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۳

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۴

۲۷۵

۲۵۲

۲۵۲

۲۵۲

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۳

۲۵۳

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۶۰

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

معانی الفاظ کے قالب میں

دیگر تحریرات میں صرف معانی مطلوب

قرآن میں معانی کے ساتھ الفاظ کی بھی تلاوت

قرآن میں حافظوں کا کوئی ذکر نہیں ہے

تلاوت کے دو طریقے

زبانی تلاوت اور دیکھ کر تلاوت

ایک حرف قرآن کی تلاوت بھی مستوجب ثواب ہے

قرآن پڑھنے میں مہارت رکھنے والے

حفظ قرآن کے لیے جمع قرآن کے الفاظ

حدیث میں حفظ قرآن کے لیے مختلف الفاظ

جمع قرآن، تحمل قرآن، ختم قرآن

حفظ قرآن کی سنت اپنے تاریخی تسلسل میں

حضور کی قرآن یاد کرنے کی ترغیبات

سات احادیث

حروف مقطعات پر بھی ثواب کا وعدہ

قرآن کی تلاوت محض معانی کے لیے نہیں

دو شہروں کا ازالہ

حفظ قرآن کا خموش فائدہ

یقین کی دولت قرآن سے ہی ملتی ہے

قرآن یاد کرنے کے لیے حدیث کے مختلف الفاظ

قرآن یاد کرنے والے کو حافظ نہ کہنے کی وجہ

علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی

قرآن اپنے الفاظ میں بھی معجزہ

قرآن کی اپنی زبان عربی ہے

یہ محض ایک آئی کا کام نہیں

الزام کہ اس کے پس پردہ کوئی اور ہے

اس کے الفاظ حضور کے قلب مبارک پر

قرآن ترتیب الفاظ اور معنی کا نام ہے

علامہ شامی کی شہادت

صاحب ہدایہ کی شہادت

علامہ ابن ہمام کی شہادت

قرآن کو غیر عربی میں لکھنا مذکور ہے

ابن قدامہ حنبلی کی شہادت

قرآن عربی میں ہی پڑھا جائے

علامہ قرطبی مالکی کی شہادت

ترجمہ کرنے کے لیے سرائی

ایک غلط فہمی کا ازالہ

نماز پڑھنے میں علم کا اجمالی درجہ

خطبہ مجروحہ کو اردو میں لانے کی کوشش

عربی میں سے مراد

- ۲۹۰ متواتر ان کتب پر خط سے محفوظ
۲۹۰ حضرت عثمانؓ کی کتابان قرآن کو نصیحت
۲۹۱ قواعد لغات کی ایک صورت
۲۹۱ قرآن کی عربیت عربی میں ہے
۲۹۱ قرآن کے قریب کو نیوالی دوسری زبانیں
۲۹۱ تسک زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا
۲۹۲ بگڑتی کے حروف بھی عربی حروف نہیں
۲۹۲ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۲ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۳ قرآن کج شکل مثلاً ترجمہ سے نہیں سمجھے جاسکتے
۲۹۳ قرآن کا اپنا اعلان کہ اسے حرف عالم سمجھتے ہیں
۲۹۵ صحیح ترجمہ کی پانچ شرائط
۲۹۵ شیخ عبدالحق کی تین شرطیں
۲۹۵ تراجم القرآن - چھ فارسی ترجمے
۲۹۵ قرآن حکیم کے میں اردو ترجمے
۲۹۶ شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ جواز ترجمہ قرآن
۲۹۶ علامہ ہند ترجمہ قرآن کے حق میں
۲۹۶ عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت
۲۹۶ تجوید کی ابتداء خود آنحضرتؐ سے
۲۹۶ علامہ نسفی کی ترتیل کی تفسیر
۲۹۶ حضرت انس بن مالکؓ کی شہادت
۲۹۶ حضورؐ کی مزار امیر داؤد کی پسندیدگی
۲۹۶ حافظ ابن جوزیؒ کی شہادت
۲۹۶ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۶ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۶ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سات نکات
۲۹۶ قرآن خوش الحانی سے پڑھنا سون ہے
۲۹۶ حضرت بلال بن عازبؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت ابن عباسؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حسن بصریؒ اور امام مجاہد
۲۹۶ عبید اللہؒ کی حضورؐ سے روایت
۲۹۶ تجوید قرآن باقاعدہ فن کی صورت میں
۲۹۶ حافظ ابن الجوزیؒ کا بیان
۲۹۶ تجوید کے پہلے سات ائمہ
۲۹۶ کوفہ میں قرآن کی محنت زیادہ رہی
۲۹۶ کوفہ کے دارالفضل سہنے کی شہادت
۲۹۶ پہلے سات قاریوں کے علاوہ تین اور

ترجمہ القرآن

- ۲۹۰ متواتر ان کتب پر خط سے محفوظ
۲۹۰ حضرت عثمانؓ کی کتابان قرآن کو نصیحت
۲۹۱ قواعد لغات کی ایک صورت
۲۹۱ قرآن کی عربیت عربی میں ہے
۲۹۱ قرآن کے قریب کو نیوالی دوسری زبانیں
۲۹۱ تسک زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا
۲۹۲ بگڑتی کے حروف بھی عربی حروف نہیں
۲۹۲ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۲ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۳ قرآن کج شکل مثلاً ترجمہ سے نہیں سمجھے جاسکتے
۲۹۳ قرآن کا اپنا اعلان کہ اسے حرف عالم سمجھتے ہیں
۲۹۵ صحیح ترجمہ کی پانچ شرائط
۲۹۵ شیخ عبدالحق کی تین شرطیں
۲۹۵ تراجم القرآن - چھ فارسی ترجمے
۲۹۵ قرآن حکیم کے میں اردو ترجمے
۲۹۶ شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ جواز ترجمہ قرآن
۲۹۶ علامہ ہند ترجمہ قرآن کے حق میں
۲۹۶ عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت
۲۹۶ تجوید کی ابتداء خود آنحضرتؐ سے
۲۹۶ علامہ نسفی کی ترتیل کی تفسیر
۲۹۶ حضرت انس بن مالکؓ کی شہادت
۲۹۶ حضورؐ کی مزار امیر داؤد کی پسندیدگی
۲۹۶ حافظ ابن جوزیؒ کی شہادت
۲۹۶ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۶ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۶ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سات نکات
۲۹۶ قرآن خوش الحانی سے پڑھنا سون ہے
۲۹۶ حضرت بلال بن عازبؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت ابن عباسؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حسن بصریؒ اور امام مجاہد
۲۹۶ عبید اللہؒ کی حضورؐ سے روایت
۲۹۶ تجوید قرآن باقاعدہ فن کی صورت میں
۲۹۶ حافظ ابن الجوزیؒ کا بیان
۲۹۶ تجوید کے پہلے سات ائمہ
۲۹۶ کوفہ میں قرآن کی محنت زیادہ رہی
۲۹۶ کوفہ کے دارالفضل سہنے کی شہادت
۲۹۶ پہلے سات قاریوں کے علاوہ تین اور

تجوید القرآن

- ۲۹۰ متواتر ان کتب پر خط سے محفوظ
۲۹۰ حضرت عثمانؓ کی کتابان قرآن کو نصیحت
۲۹۱ قواعد لغات کی ایک صورت
۲۹۱ قرآن کی عربیت عربی میں ہے
۲۹۱ قرآن کے قریب کو نیوالی دوسری زبانیں
۲۹۱ تسک زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا
۲۹۲ بگڑتی کے حروف بھی عربی حروف نہیں
۲۹۲ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۲ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۲ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۳ قرآن کج شکل مثلاً ترجمہ سے نہیں سمجھے جاسکتے
۲۹۳ قرآن کا اپنا اعلان کہ اسے حرف عالم سمجھتے ہیں
۲۹۵ صحیح ترجمہ کی پانچ شرائط
۲۹۵ شیخ عبدالحق کی تین شرطیں
۲۹۵ تراجم القرآن - چھ فارسی ترجمے
۲۹۵ قرآن حکیم کے میں اردو ترجمے
۲۹۶ شاہ ولی اللہؒ کا فتویٰ جواز ترجمہ قرآن
۲۹۶ علامہ ہند ترجمہ قرآن کے حق میں
۲۹۶ عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت
۲۹۶ تجوید کی ابتداء خود آنحضرتؐ سے
۲۹۶ علامہ نسفی کی ترتیل کی تفسیر
۲۹۶ حضرت انس بن مالکؓ کی شہادت
۲۹۶ حضورؐ کی مزار امیر داؤد کی پسندیدگی
۲۹۶ حافظ ابن جوزیؒ کی شہادت
۲۹۶ قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ
۲۹۶ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلے نمبر پر
۲۹۶ ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی
۲۹۶ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سات نکات
۲۹۶ قرآن خوش الحانی سے پڑھنا سون ہے
۲۹۶ حضرت بلال بن عازبؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت علی المرتضیٰؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت ابن عباسؓ کی روایت
۲۹۶ حضرت حسن بصریؒ اور امام مجاہد
۲۹۶ عبید اللہؒ کی حضورؐ سے روایت
۲۹۶ تجوید قرآن باقاعدہ فن کی صورت میں
۲۹۶ حافظ ابن الجوزیؒ کا بیان
۲۹۶ تجوید کے پہلے سات ائمہ
۲۹۶ کوفہ میں قرآن کی محنت زیادہ رہی
۲۹۶ کوفہ کے دارالفضل سہنے کی شہادت
۲۹۶ پہلے سات قاریوں کے علاوہ تین اور

- ۲۹۸ دوسرے دور کے قراء کرام
۲۹۹ تیسری صدی کے قراء کرام
۳۰۰ چوتھی صدی کے قراء کرام
۳۰۰ پانچویں صدی کے قراء کرام
۳۰۱ چھٹی صدی کے قراء کرام
۳۰۲ ساتویں صدی کے قراء کرام
۳۰۳ آٹھویں صدی کے نامور قراء
۳۰۴ علمِ قرأت ہر دور میں مسلسل رہا ہے
۳۰۴ نویں صدی کے نامور قاری علامہ سیوطی
۳۰۴ دسویں صدی کے نامور قاری علامہ شطرنجی
۳۰۴ دسویں صدی کے مجدد علمِ قرأت علی قاری
۳۰۴ فنِ قرأت میں امام کی چودہ شرطیں
۳۰۵ علماء ہند کی فنِ تجوید کی خدمات
۳۰۵ قرأت کی دس کتابوں کا تعارف
۳۰۶ پاکستان میں فنِ تجوید کی خدمات
۳۰۶ ۱۔ قاری عبدالملک کے شاگرد
۳۰۶ ۲۔ قادی نجی الاسلام عثمانی کے شاگرد
۳۰۶ ۳۔ قاری عبدالملک کے نامور شاگرد
۳۰۸ قادی افہار احمد عثمانی کے شاگرد
۳۰۸ روایتِ حفص کے خلاف ایک آواز
- ۲۹۹ قرآن کا صوتی حسن و جمال
۳۰۰ قرآن کے صوتی حسن و جمال کے ایک بڑے غلام کو پورا کیا
۳۰۱ سورۃ القیامہ کی نو آیتوں کا سن
۳۰۱ قیل من کے بعد کا سکتہ
۳۰۲ سورۃ الشکر کی آیات کا ترجمہ
۳۰۲ سورۃ التین کی آیات کا ترجمہ
۳۰۲ ذرغ کی آواز بہت دوسرے گئی
۳۰۳ سورۃ ابراہیم سے ایک مثال
۳۰۳ قرآن کا ہر لفظ اور حرف متبرک ہے
۳۰۳ ذال کے صوتی حسن کا ایک دلآویز نقشہ
۳۰۴ قاری صاحبان کے لیے اصولی ہدایت
۳۰۵ عام مسلمانوں کے لیے ایک مشورہ
- اسلوب القرآن**
- ۳۱۶ قرآن پاک کا سائل کیا ہے؟
۳۱۶ نظم یا نثر یا کچھ اور؟
۳۱۸ قرآن کے شعر سمونے کی قرآن سے فنی
۳۱۸ اس کے سحر سے انقباض نہیں ہوتا
۳۱۹ اس کی ترتیب قانون کی کتابوں کی نہیں
۳۱۹ ذالے اسلوب میں نہالی ترتیب
۳۲۰ نئے اسلوب پر ایک پرانی مشہادت
۳۲۱ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان کر پائے گئے
۳۲۱ اسلوب قرآن پر ایک اور سوال
- قرابت قرآن**
- ۳۰۹ انسانِ فطرۃ فطرہ پسند ہے

۳۲۱	حنوف کے دور کے عربی ادیب	۳۲۱	کی اور مدنی سورتوں کے مضامین {
۳۲۲	حماد الروایہ اور غلبہ احمد کا عمل	۳۲۲	میں چار بنیادی فروق
۳۲۳	شکواری القرآن پر ایک سوال	۳۲۳	بعض سورتیں دو دو دفعہ نازل ہوئیں
۳۲۴	مکتوبات نقص کی ایک اور وجہ	۳۲۴	قرآن پاک کے خروج
۳۲۵	قرآن کا اسلوب نصیحت	۳۲۵	سورتوں کے شروع ہونے کے دس انداز
۳۲۶	قرآن کا اسلوب تمثیل	۳۲۶	سورتوں کے خروج اور متقاطع میں فرق
۳۲۷	امام رازی کا ایمان افروز بیان	۳۲۷	سورتوں کی تقسیم طوالت کے پہلو سے
۳۲۸	حضرت شیخ الہند کا ایمان افروز مضمون	۳۲۸	سبع طوالت میں مشافی منسل
۳۲۹	صحابہ کس طرح سیار حق ٹھہرائے گئے	۳۲۹	سورتوں کی ترتیب نزول
۳۳۰	قرآن کے اسلوب میں نوثر مضمون بندی		

ایمان القرآن

۳۳۱	سور القرآن	۳۳۱	قسم عام طور پر تقسیم کے لیے
۳۳۲	روح محفوظ میں مختلف صحیفے	۳۳۲	قسم شروع سے انسانی سوسائٹی میں
۳۳۳	مصحف کے معنی	۳۳۳	۱۔ اپنے اور کسی ذاتِ عالی کی گرفت کا اقرار
۳۳۴	سورت ایک غیر اصطلاحی معنی میں	۳۳۴	۲۔ کسی آفاقی حقیقت پر اپنے عقیدے کی پختگی
۳۳۵	قرآن کی سورتوں میں تقسیم توفیقی ہے	۳۳۵	قسم بارادہ شہادت
۳۳۶	دس سورتوں کا ذکر گیارہویں سورت میں	۳۳۶	عربوں کا عام ذوق قسم
۳۳۷	حضور نے مختلف مواقع پر سورتوں کے نام لیے	۳۳۷	۱۔ مدعی گواہ پیش نہ کرے تو مدعی علیہ
۳۳۸	امام ابو بکر الانباری کا بیان	۳۳۸	قسم کھائے۔
۳۳۹	شان نزول اور مواقع الشرح	۳۳۹	اللہ کی گواہی فرشتوں کی اور اہل علم کی
۳۴۰	کی اور مدنی سورتوں کی اصطلاحی حدود	۳۴۰	اللہ کی اپنے رب ہونے کی قسم
۳۴۱	علامہ رشامی کی فیصلہ کن بات	۳۴۱	سورج چاند اور زمانے کی قسم
۳۴۲	حزب میں سورتوں کی تفصیل	۳۴۲	بندے اور خدا کی قسموں میں فرق

۲۴۵	خاص . عام . مشترک . ماقبل	۲۴۵	اللہ کی قسموں کے مقسم بہ
۲۴۶	فصوص قرآن کے چلید پیرائے	۲۴۵	اللہ کی اپنی برگزیدہ مخلوق کی قسم
۲۴۷	عبادت النص . ولایت النص	۲۴۵	مخلوقات کے موالیدہ ثلثہ
۲۴۷	اشارۃ النص . اقتضار النص	۲۴۶	حضرت علامہ عثمانی کا بصیرت افروز بیان
۲۴۹	کلام کی صحت کا عقلی معیار	۲۴۹	قرآن کریم سے سولہ قسموں کی نشاندہی
۲۵۱	قرآن پاک علم کے ماخذ کے طور پر	۲۵۰	جہاد میں کوہ طور اور کعبہ کی قسم
۲۴۰	اصول فقہ میں قرآن علم کا پہلا ماخذ	۲۵۰	نباتات میں انجیر اور زیتون کی قسم
۲۶۰	اصول فقہ اور اصول مناظرہ میں فرق	۲۵۰	حیوانات میں جہاد کے گھوڑوں کی قسم
۲۶۱	حضرت عمرؓ کی نصیحت کہ استدلال قرآن سے نہ کرنا	۲۵۰	فجر و عصر کے وقتوں کی قسم
۲۶۱	حضرت علیؓ کی نصیحت کہ استدلال قرآن سے نہ کرنا	۲۵۰	حضورؐ کا قسم کھانے میں عربوں والا ذوق

علوم القرآن

مقام قرآن

۲۵۱	۱. آیات السکام . ۲. آیات کلام . ۳. آیات لفظ	۲۵۱	کلام نفی اور کلام نفی
۲۵۱	تذکیر بالار اللہ میں مشاہدات سے استدلال	۲۵۱	قرآن کے لفظی معنی
۲۵۲	تذکیر بایام اللہ میں تاریخی وقائع سے استدلال	۲۵۲	قرآن کا مصداق لفظ اور معنی دونوں
۲۵۲	تذکیر بماء اللہ میں وحی کی طرقت اعتلاج	۲۵۲	غلط پڑھنے کو تعریف نہیں کہتے
۲۵۲	آیات علم کلام	۲۵۲	قرآن ایک ہی ہے جو پڑھا جاتا ہے
۲۵۲	فرق باطلہ کی تردید خطابی انداز میں	۲۵۲	محیط فطرت کو دوسرے قرآن نہیں کہہ سکتے
۲۵۲	اس موضوع کے متنازع اہل علم مشکین	۲۵۲	حضورؐ بھی مخلوق تھے دوسرے قرآن نہ تھے
۲۵۲	شاہ ولی اللہ کے ہاں علوم قرآن کی تقسیم	۲۵۲	کسی جعلی کتاب کو قرآن نہیں کہا جاسکتا
۲۵۲	۱. احکام از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام	۲۵۲	الفاظ قرآن کی وسعت اور مختلف قراءات
۲۵۲	۲. مناظرہ - پید گمراہ فرقے	۲۵۲	قراءت متواتر بھی ہیں اور شاذ بھی
۲۵۲	۳. تذکیر بالار اللہ کی قسموں کے حوالے سے	۲۵۲	الفاظ قرآن کی تقسیم

۴. تذکیر بایام انبیا تاریخ کے حوالے سے ۳۶۵
 ۵. تذکیر بابتدا موت موت بعد کیا ہوگا؟ ۳۶۵
 ۶. قرآن کا پیرایہ بیان اپنا ہے ۳۶۵
 ۷. قرآن سے جو علم کے چشمے چھوٹے ۳۶۵
 ۸. قرآن بیان کرنیوالوں کے اپنے اپنے میدان ۳۶۶
 ۹. مفسرین کی مختلف جماعتیں اور انکی خدمات ۳۶۶
 ۱۰. لغز الکبیر سے ان کی تفصیل ۳۶۶
 ۱۱. شاہ ولی اللہ خصوص فیض الہی ۳۶۶
 ۱۲. شاہ ولی اللہ کی عہدہ اذیشان ۳۶۸
 ۱۳. جہاں کی خوشحالی اور عالم کی بے کسی ۳۶۶
 ۱۴. حلال بقدر ضرورت ہی ملتا ہے ۳۶۶
 ۱۵. دو کمزور راوی مل کر ایک قوت بنتے ہیں ۳۶۷
 ۱۶. عصیرہ حاضر کا ایک سرے سسٹم ۳۶۸
 ۱۷. بجلی کی ایک نوعیت مخصوصہ ۳۶۸
 ۱۸. دھواں اڑانے کا انسانی مرض ۳۶۸
 ۱۹. دیم تاقی السماء و بدخان مبین کے ۳۶۹
 ۲۰. عدد بحساب اسجد ایک ہزار نکلتے ۳۶۹
 ۲۱. تم طبقہ طبقہ آسمان کی طرف چڑھو گے ۳۶۹
 ۲۲. دنیا کے بعد برزخ کے طبقہ میں جانا ہے ۳۸۰

مالی حقائق قرآن کی روشنی میں

۱. کائنات کی سترہ حقیقتیں ۳۶۹
 ۲. تیرہ امور پر مضارب بن کی ابراہیم کے رسالت ۳۷۰
 ۳. مولانا محمد حسن محدث فیض پوری کے ۳۷۰
 ۴. چار نکات ۳۷۰
 ۵. قرآن میں ۳۷۰

تلاوت قرآن

۱. خیر الامور اوسطہا کی نشاندہی ۳۷۱
 ۲. من جہل شیاء عبادہ کی نشاندہی ۳۷۲
 ۳. اس کے شر سے بچو جس پر تم نے احسان کیا ۳۷۳
 ۴. خبر دیکھنے کے برابر نہیں قرآن کی رو سے ۳۷۳
 ۵. حرکت میں برکت قرآن کی رو سے ۳۷۳
 ۶. جیسا کرو گے ویسا بھر دو گے قرآن کی رو سے ۳۷۴
 ۷. جو میں ایک سوراخ سے دو دفعہ ڈسا نہیں جاتا ۳۷۵
 ۸. قرآن کی تلاوت خود ایک عمل ہے ۳۸۱
 ۹. تلاوت قرآن سے ارتقاء درجات ۳۸۲
 ۱۰. قرآن کا ماہر نیک فرشتوں کے ساتھ ۳۸۲
 ۱۱. دو آیتیں بھی جان لے قرآنیک دولت پالے ۳۸۲
 ۱۲. ایک ایک حرف پر درجات ۳۸۳
 ۱۳. دیکھ کر پڑھنا اور بھی آگے کا درجہ ہے ۳۸۳
 ۱۴. خوش آوازی سے پڑھنا اور بھی آگے ۳۸۳

- ۲۸۴ ۱. وقائع عادیہ ۳۹۲
- ۲۸۴ ۲. منافع عادیہ ۳۹۳
- ۲۸۵ ۳. قدرت الہیہ ۳۹۳
- ۲۸۵ قرآن کی سطور سے غفرت کا ملنا ۳۹۴
- ۲۸۵ قرآن پڑھنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں ۳۹۴
- ۲۸۶ ۱. خدائی کام اور خدائی کلام ۳۹۵
- ۲۸۶ ۲. اکتشافات اور ایجادات ۳۹۵
- ۲۸۶ قرآن کو گانے کے طرز پر پڑھا جائے ۳۹۶
- ۲۸۶ قرآن کو عرب کے لہجوں میں پڑھو ۳۹۶
- ۲۸۶ قرآن کے مقابل کو سلفظ ہے؟ فقہاء ۳۹۸
- ۲۸۶ قرآن کے قواعد و قواعد ۳۹۸
- ۲۸۸ ۱. بڑا اسلوب ۴۰۲
- ۲۸۸ ۲. نئے اسلوب پر ایک سوال ۴۰۳
- ۲۸۹ ۱. مقاصد میں وجہ اعجاز ۴۰۴
- ۲۸۹ ۲. اخبار بالمغنیات ۴۰۶
- ۲۸۹ ۳. رو میں کے مغلوب ہونے کی خبر ۴۰۷
- ۲۸۹ ۴. اثرات میں وجہ اعجاز ۴۰۸
- ۲۸۹ ۵. تحقیق میں شان اعجاز ۴۰۹
- ۲۸۹ ایک دلچسپ سوال ۴۰۹
- ۲۸۹ قرآن کے آنحضرت کے تصنیف ۴۰۹
- ۲۹۱ ۱. نہ ہونے کے شواہد ۴۱۰
- ۲۹۱ ۲. حضورؐ کا نہ لکھ سکتا ۴۱۰
- ۲۹۲ ۳. جملہ اصناف علم کا احاطہ ۴۱۰
- ۲۸۴ آنحضرتؐ سے دو حدیثیں
- ۲۸۴ تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے
- ۲۸۵ ذکر آنحضرتؐ سے غفلت دور ہوتی ہے
- ۲۸۵ قرآن کی سطور سے غفرت کا ملنا
- ۲۸۵ قرآن پڑھنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں
- ۲۸۶ قرآن پڑھنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے
- ۲۸۶ قرآن پڑھنے کا ثواب سرور میں کو بھی پہنچتا ہے
- ۲۸۶ قرآن کو گانے کے طرز پر پڑھا جائے
- ۲۸۶ قرآن کو عرب کے لہجوں میں پڑھو
- ۲۸۶ قرآن کے مقابل کو سلفظ ہے؟ فقہاء
- ۲۸۶ قرآن کے قواعد و قواعد
- ۲۸۸ ۱. بڑا اسلوب
- ۲۸۸ ۲. نئے اسلوب پر ایک سوال
- ۲۸۹ ۱. مقاصد میں وجہ اعجاز
- ۲۸۹ ۲. اخبار بالمغنیات
- ۲۸۹ ۳. رو میں کے مغلوب ہونے کی خبر
- ۲۸۹ ۴. اثرات میں وجہ اعجاز
- ۲۸۹ ۵. تحقیق میں شان اعجاز
- ۲۸۹ ایک دلچسپ سوال
- ۲۸۹ قرآن کے آنحضرت کے تصنیف
- ۲۹۱ ۱. نہ ہونے کے شواہد
- ۲۹۱ ۲. حضورؐ کا نہ لکھ سکتا
- ۲۹۲ ۳. جملہ اصناف علم کا احاطہ
- کائنات سے دو حدیثیں
- تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے
- ذکر آنحضرتؐ سے غفلت دور ہوتی ہے
- قرآن کی سطور سے غفرت کا ملنا
- قرآن پڑھنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں
- قرآن پڑھنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے
- قرآن پڑھنے کا ثواب سرور میں کو بھی پہنچتا ہے
- قرآن کو گانے کے طرز پر پڑھا جائے
- قرآن کو عرب کے لہجوں میں پڑھو
- قرآن کے مقابل کو سلفظ ہے؟ فقہاء
- قرآن کے قواعد و قواعد
- بڑا اسلوب
- نئے اسلوب پر ایک سوال
- مقاصد میں وجہ اعجاز
- اخبار بالمغنیات
- رو میں کے مغلوب ہونے کی خبر
- اثرات میں وجہ اعجاز
- تحقیق میں شان اعجاز
- ایک دلچسپ سوال
- قرآن کے آنحضرت کے تصنیف
- نہ ہونے کے شواہد
- حضورؐ کا نہ لکھ سکتا
- جملہ اصناف علم کا احاطہ
- کائنات کی عادت عام اور خاص
- کائنات میں ہونے والے امور

اعجاز القرآن

معجزہ کیا ہے؟

کائنات کی عادت عام اور خاص

کائنات میں ہونے والے امور

- ۴۲۲ تلاوت قرآن کا خود آنحضرتؐ پر اثر ۴۱۲
- ۴۲۳ ۵۔ ساری سچائیوں کا مخزن اسی کی ذات ۴۱۳
- ۴۲۴ قین قرآنی شہادتیں ۴۱۴
- ۴۲۵ ۶۔ تاثیر و تصرف کا حقیقی سرچشمہ ۴۱۵
- ۴۲۶ ۷۔ کلام خداوندی سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں ۴۱۶
- ۴۲۷ ۸۔ قرآن کریم میں کلام کے یہ پانچوں محیار ۴۱۷
- ۴۲۸ ۹۔ یہ صرف کلام نہیں حکمت بھی ہے ۴۱۸
- ۴۲۹ پانچ قرآنی شہادتیں ۴۱۹
- ۴۳۰ ۱۰۔ قرآن جلد دو اور حیات میں ہدایت بخشتا ہے ۴۲۰
- ۴۳۱ پانچ قرآنی شہادتیں ۴۲۱
- ۴۳۲ ۱۱۔ قرآن پاک ابدی سچائیوں کا حامل ہے ۴۲۲
- ۴۳۳ پانچ قرآنی شہادتیں ۴۲۳
- ۴۳۴ قرآن کریم کی شانِ اعجاز ۴۲۴
- ۴۳۵ سب دینا اس کے آگے ٹھک کر رہ گئی ۴۲۵
- ۴۳۶ قرآن، صفات خداوندی کے ذکر میں ۴۲۶
- ۴۳۷ صفات میں کہاں ایک حد آتی ہے ۴۲۷
- ۴۳۸ انسانی افعال کی تنگ دامنائی ۴۲۸
- ۴۳۹ قرآن کریم کے مختلف وجوہ اعجاز ۴۲۹
- ۴۴۰ عظیم کلام کے تحمل کے لیے بڑا اور صبر چاہیے ۴۳۰
- ۴۴۱ مہبط وحی کی شان و عظمت ۴۳۱
- ۴۴۲ اس کو سمجھنے والوں کا ذہنی معیار ۴۳۲
- ۴۴۳ چار قرآنی شہادتیں ۴۳۳
- ۴۴۴ راسخین فی العلم کون میں؟ ۴۳۴
- ۴۴۵ ۱۔ مفردات میں ۴۳۵
- ۴۴۶ ۲۔ ترکیب کلمات میں ۴۳۶
- ۴۴۷ ۳۔ مقاصد میں ۴۳۷
- ۴۴۸ ۴۔ حقائق میں ۴۳۸
- ۴۴۹ علامہ رحمت اللہ کریمؒ کے بیان کردہ وجوہ اعجاز ۴۳۹
- ۴۵۰ مفاد دارین پر نظر ۴۴۰
- ۴۵۱ ۱۔ اللہ کی صفات کا طے کیا بیان ۴۴۱
- ۴۵۲ ۲۔ اللہ رب العزت کی تنزیہ ۴۴۲
- ۴۵۳ شائیں وجوہ اعجاز ۴۴۳
- ۴۵۴ حکیم الاسلام قاری محمد علیؒ کے بیان کردہ وجوہ اعجاز ۴۴۴
- ۴۵۵ ۵۔ کلام کا مرتبہ مستحکم کے مرتبہ سے ۴۴۵
- ۴۵۶ ۶۔ مستحکم میں کون سی صفات دیکھی جاتی ہیں ۴۴۶
- ۴۵۷ ۱۔ عقل و فہم ۲۔ علم و خبر ۴۴۷
- ۴۵۸ ۳۔ منصب و مقام ۴۔ صدق و صفا ۴۴۸
- ۴۵۹ ۵۔ تاثیر و تصرف ۴۴۹
- ۴۶۰ ۱۔ ذات باری تمام کمالات کی اصل ہے ۴۵۰
- ۴۶۱ ۲۔ عقل و فہم خدا کی پیدا کردہ ہیں ۴۵۱
- ۴۶۲ ۳۔ علم و خبر کی انتہا اسی پر ہے ۴۵۲
- ۴۶۳ پانچ قرآنی شہادتیں ۴۵۳
- ۴۶۴ ۴۔ منصب مالی اسی ایک کا ہے ۴۵۴

۴۳۳ حضرت نے ان کی فردی

شیخ فی القرآن

- ۴۳۴ ۱. متعلقہ آیات کے تقدم و تاخر کی بحث
- ۴۳۴ ۲. مؤخر آیت کتنا عرصہ بعد نازل ہوئی؟
- ۴۳۴ ۳. پہلی آیت کا فقہی حکم اب کس درجہ میں ہے؟
- ۴۳۴ ۴. شیخ الفقہ علامہ خضریٰ بیگ کا بیان
- ۴۳۵ ۵. شیخ میں علم الہی میں ہرگز تغیر نہیں
- ۴۳۵ ۶. شیخ میں معیاریوں کا اختلاف
- ۴۳۶ ۷. حضرت عیسیٰ کی آمد پر بعض احکام توڑا منسوخ
- ۴۳۶ ۸. نئے عہد نامے سے پرانے عہد کے احکام منسوخ
- ۴۳۶ ۹. تہذیبی ارتقاء سے قانون میں تدریج
- ۴۳۶ ۱۰. شیخ: تخصیص اور بید کے فروق
- ۴۳۶ ۱۱. نظام الدین کا رسالہ علم الہدیٰ
- ۴۳۶ ۱۲. طوسی اور کراچکی کے بیانات
- ۴۳۸ ۱۳. قانوں کا اپنا ایک ارتقاء ہے
- ۴۳۸ ۱۴. قانوں کا اپنا ایک ارتقاء ہے
- ۴۳۹ ۱۵. حدیث میں زیارت قبور سے منع کرنے کا شیخ
- ۴۳۹ ۱۶. (۲) کسی حکم کے عموم کا شیخ
- ۴۳۹ ۱۷. مطلقات کی عدت کبھی لازم بھی نہیں ہوتی
- ۴۴۰ ۱۸. حاملہ عورتوں کی عدت اس حکم میں نہیں
- ۴۴۰ ۱۹. زمانہ کی ہمت پر اتنی دُور سے
- ۴۴۰ ۲۰. لعان کی عدت میں یہ حکم دُگے گا
- ۴۴۱ ۲۱. مطلق خون کی حرمت کا بیان
- ۴۴۱ ۲۲. دوسرے مقام میں اس پر مسطور کی قید
- ۴۴۲ ۲۳. شیخ کی دوسری قسم میں دو اہم باتیں
- ۴۴۲ ۲۴. کیا تخصیص عام یا تنقیہ مطلق بھی شیخ میں ہے؟

- پہلے نمازیں باہمی کلام کر سکتے تھے ۴۶۲ ۲۔ دوسری حکایت ۴۶۸
- امر رسالت میں آخری سے سند چلے ۴۶۳ شتر آدمیوں کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں ۴۶۸
- نسخ القرآن بالحدیث کی بحث ۴۶۳ قرآن کی شہادت کہ ان کے آئندہ بہرہ رکھے ۴۶۸
- نسخ القرآن بالقرآن ۴۶۴ ۳۔ تیسری حکایت ۴۶۸
- تخصیص لانے کی مختلف راہیں ۴۶۵ جنوں کی آسمانی خبریں رک گئیں ۴۶۸
- منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف ۴۶۶ جنوں نے قرآن سُنا اور ایمان لے لے ۴۶۹
- ناخ و منسوخ کے اختلاف کا پس منظر ۴۶۷ ۴۔ چوتھی حکایت ۴۶۹
- قرآن کریم کی آیت و وصیت ۴۶۷ ملا علی قزوینی کی روم میں ایک یہودی گفتگو ۴۶۹
- آیت و وصیت پر عمل کرنے کی باقی صورتیں ۴۶۲ ۵۔ پانچویں حکایت ۴۸۰
- منسوخ الفتاوت آیات کا حکم ۴۶۳ حضرت بصر بن مطعمؓ نے حضورؐ سے سورۃ طہٰنی ۴۸۰
- وحی متلو اور غیر متلو دونوں میں نسخ ۴۶۴ ان غفلوں کا اثر ہوا اور آپ ایمان لے لے ۴۸۰
- ۱۔ آیت و وصیت منسوخ ۴۶۵ ۶۔ چھٹی حکایت ۴۸۰
- ۲۔ بیوہ عورت کا سال کا نفقہ ۴۶۵ حضرت عمرؓ کا قرآن سننے اثر قبول کرنا ۴۸۰
- ۳۔ میں، ہزار پر غالب آئیں؟ ۴۶۵ ۷۔ ساتویں حکایت ۴۸۱
- ۴۔ حضورؐ سے مشورہ لینے سے پہلے صدقہ ۴۶۶ حضرت عثمان بن مظعونؓ کا قبول اسلام ۴۸۱
- ۵۔ پوری رات قیام کی پابندی نہ رہی ۴۶۶ سورۃ نحل کی آیات کیسے ان کے دل میں آئیں ۴۸۱
- ۸۔ آٹھویں حکایت ۴۸۲ ابو عبیدہ لغریؓ کی ایک اعرابی سے گفتگو ۴۸۲
- ۹۔ سورۃ الحجرات کی آیت ۹۴ سن کر ۴۶۷ ۱۰۔ نویں حکایت ۴۸۲
- ۱۱۔ پہلی حکایت ۴۶۷ ۱۲۔ عتبہ بن ربیعہ سورۃ حم سجدہ سننے ہی ۴۸۲
- ۱۳۔ بے ہوش ہو گیا ۴۶۷ ۱۴۔ دسویں حکایت ۴۸۲

ماثیر القرآن

فتاوت کے غیر معمولی اشارات

قرآن کی اپنی شہادت کہ اس سے
وہ بچے کھڑے ہو جاتے ہیں

۱۔ پہلی حکایت

صاحبِ نبوتؐ کے دوبار میں

- یہ کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ۴۸۵
قرآن کریم سے بدنی بیماریاں بھی دور ہو جائیں گیں ۴۸۵
- ۱۰۔ دسویں حکایت ۴۸۳
حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ۴۸۶
- ابن المقفی نے سورۃ ہود کی ایک آیت منیٰ ۴۸۲
قرآن کا سانپ کے زہر پر غلبہ ۴۸۶
- اور مد ہوش ہو گیا۔ ۴۸۲
حضرت ابو بکر صدیقؓ کی قرآن سے دم کر شکی تلقین ۴۸۶
- حضرت نوحؑ کو کس سلامتی سے کشتی سے اتارا گیا ۴۸۳
سورۃ یسین سے سکرات میں نرمی ۴۸۶
- خود آنحضرتؐ پر قرآن پڑھنے کا اثر ۴۸۲
قرآن کریم کے پانچ حقوق ۴۸۴
- ۱۔ ایک ہی آیت پر صبح کر دی ۴۸۴
تقدیق۔ ادب و احترام۔ تذکرہ و تدبیر ۴۸۴
- دوسروں سے قرآن سننے کا شوق ۴۸۳
اس پر عمل۔ تبلیغ۔ تبلیغ دہانگے پہنچانا ۴۸۳

آثار التزیل جلد دوم کے ابواب

ایک قرآن۔ آداب القرآن۔ ارض القرآن۔ امثال القرآن
اصطلاح القرآن۔ اصحاب القرآن۔ قصص القرآن۔ تراجم القرآن
تفسیر القرآن۔ علاج بالقرآن۔ لغا القرآن۔ مضامین القرآن
رابط آیات القرآن۔ چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء

مقدمہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

چالیس سال پہلے کی بات ہے جب مرے کالج سیالکوٹ میں مسلمان طلبہ کا احتجاج شدت اختیار کر گیا کہ پنجاب یونیورسٹی میں جب ایک نئے مضمون کا اجراء عمل میں آچکا ہے تو اسے یہاں بھی لایا جائے۔ یہ مضمون اسلامیات کا متعلق ہے بعد میں

کانام دیا گیا۔ پنجاب یونیورسٹی میں اس شعبہ کے سربراہ علامہ علاؤ الدین صدیقی تھے۔

کالج کی سچی انتظامیہ کو طلبہ کا یہ جائز مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ اس قدیم سچی ادارے میں اسلام بطور ایک مضمون کے داخل ہوا اور قرعہ فال اس عاجز کے نام پڑا کہ اسلامیات یہاں ایک آپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائے، ڈگری کلاس کے آپشنل نصاب میں قرآن کا تعارف تھکے اول تھا اور ازاں بعد حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سیرت سے مسلمان طلبہ کو متعارف کرانا تھا۔

کالج کے طلبہ نے کالج کے اوقات تعلیم میں اس مضمون کی تدریس پر اکتفا نہ کی بلکہ خارجی اوقات میں قرآن کریم کے تعارف پر ہفتہ وار لیکچر کا اہتمام کیا جس میں وہ طلبہ بھی باسانی شریک ہو سکتے تھے جن کا یہ مضمون نہ ہوا اور پھر یہ بھی ان کی خواہش تھی کہ ان لیکچر کو صرف آپشنل حدود میں نہ رکھا جائے۔ قرآن کریم کا یہ تعارف

ہفتہ وار پروگرام مرتب کیا گیا اور بیانات کا یہ سلسلہ آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کئی طلبہ اسے قلب بند بھی کرتے رہے اور کئی پہلوؤں سے سوال و جواب بھی ہوتے رہے۔ انشاء اللہ تعزیر انہی لیکچر کی ایک تحریری دستاویز ہے جو ترجم و اضافہ کی راہوں سے گذر کر مرتب ہوئی ہے۔ عام ضرورت کے پیش نظر اسے ایک مختصر صورت میں پہلے شائع کر دیا گیا اور اب یہ تاریخی دستاویز اپنے تمام اطراف و جوانب کو سمیٹتی ہوئی ایک مفصل صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

پہلے چار اڈیشنوں تک نسخ فی القرآن، احرف القرآن، علوم القرآن اور ربط آیات کے عنوان اس میں نہ تھے۔ اور احترام دفعہ ارادہ کو تار پاک اس اڈیشن میں انہیں نہ رکھ لایا

لایا جائے۔ تاہم راقم الحروف کو وہ فرصت میسر نہ آسکی جو اس کام کی متقاضی تھی۔ ہر کام اپنے ایک وقت کا رہین ہے اور وہ گھڑی یہ تھی کہ چالیس سال کے بعد آثار التشریل اپنی مکمل صورت میں جلوہ گر ہو۔

اس طویل خاموشی کی وجہ اختصار کا ۱۹۶۶ء میں انگلینڈ چلا جانا رہا۔ اتھرنے وہاں ۱۹۷۴ء میں اسلامک اکیڈمی آف مینچسٹر کے نام سے ایک تعلیمی اور تفسیری ادارہ قائم کیا۔ وہیں اس ادارہ نے نظر ثانی کی جلا پائی۔ الحمد للہ کہ اب قرآن کی یہ خدمت اپنی تفصیلی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی فرد گداشت پائیں یا کسی حوالے میں پوری بات نہ دی گئی ہو یا کہیں کاتب کی جو لائق قلم کام کر گئی ہو تو احقر کو اس سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان مقامات میں اصلاح کی جاسکے۔

ان لکچرز میں احقر کی یہی کوشش رہی کہ قرآن کے تعارف میں طلبہ کے ذہن کو ان تعبیرات سے پاک رکھا جائے جو اسلام کے چودہ سو سالہ سرمایہ علم میں نہیں ملتیں۔ ہر نئی چیز میں ایک لذت اور دلچسپی قریب جاتی ہے لیکن ان جدید تعبیرات کو ایک سلسلہ نہیں کہہ سکتے۔ سلسلہ وہی ہے جو مسلسل چلا آئے۔ اسلام ایک پرانا دین جو زندگی کے تمام جدید تقاضوں میں بھی راہنمائی کرتا ہے لیکن ہم تاویلات جدیدہ سے لے لے اپنے ماضی سے کاٹ نہیں سکتے۔ اسلام کی جدید تعبیرات صحیح بھی ہوں تو صرف جزئیات کا حکم رکھتی ہیں۔ کلیات میں صرف وہی امور ہیں جنہیں امت چودہ سو سال سے لے کر چلی ہے۔ علماء امت اسلام پر اتنا کام کر چکے ہیں کہ ان سے طحہ متورین کے بغیر کوئی مستغنی نہیں رہ سکتا۔ ان کی کوششیں صحیح تھیں اور خدا نے ان کوششوں کو شرف قبولیت بخشا ہے اس کا ظہور آج بھی ہمارے سامنے ہے کہ لاکھوں نہیں کروڑوں مسلمان ان اعیان امت اور اکابر اسلام پر جان دیتے ہیں۔

ہم ایک بھر بے پایاں کے کنارے کھڑے ہیں جس طرح پانی کا فوارہ آفتاب کی کرنوں سے مختلف رنگ پیدا کرتا ہے لیکن دیکھنے والوں کی اپنی اپنی جہت ہوتی ہے اسی طرح آسمانی تجلیات قلب رسالت پر ہمیشہ نئے نئے رنگ میں اُترتی رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جماعت تیار کی جنہیں آپ نے اپنے فیضانِ تربیت سے اس فوارہ

کی طرح اُچھٹا کیا جس میں آفتاب کی کرنیں مختلف جہات سے اتر رہی ہوں اللہ تعالیٰ نے حضور کے عہد کے لوگوں کو اس امت کا خیر امت کہا اور فرمایا کہ اب تمہیں دنیا کی قوموں کے لیے طور پیشوا آگے کیے گئے جو جو تم کہو معروف ہے اور جس سے تم روکو وہ منکر ہے اور تمہیں یہ مقام ایمان باللہ کے صدق سے ملا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر
وتمؤمنون باللہ۔ (ایک آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے سامنے لائے گئے تمہارا امر معروف اور تمہاری روک منکر سے ہے اور تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو۔
قرآن کریم کا عقائد اور اس کا جہم اور ان عقل و فلسفہ سے نہیں نفوں کے دیروہم سے نہیں اپنے آسمانی دعووں سے نہیں ذات رسالت اور خیر امت سے وابستہ ہے اور اور اس کے لیے ان دنوں کی ضرورت ہے جو تقویٰ و طہارت کی راہ سے علم کی جلا پائے ہوئے ہوں اور ان کی روحانی پاکیزگی نفس کی آنا اور کج فہمی کے رنگ کو دھو چکی ہو فہم قرآن کا یہ درجہ نہ صرف ایک اثر بخشا ہے بلکہ اس سے ایک لذت بھی ملتی ہے یہ لذت بھی دراصل روح القدس کا پرت ہے جس سے ضمیر روشن ہو جاتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے۔

قرآن کریم محض ایک ضابطہ حیات ہوتا تو قانونی جزئیات اور ان کی منطقی تنقیحات زندگی کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی تھیں اور اگر یہ صرف ضابطہ اخلاق ہوتا تو انسان کا نفسیاتی تجزیہ زندگی کے تاریک خاکوں میں بے شک رنگ بھر دیتا۔ لیکن قرآن کریم کا موضوع انسان ہے اور وہ بھی بایں طور کہ یہ اللہ رب العزت کی عبدیت کا مظہر کامل ہے۔ یہ عبدیت نظام حیات اور دار آخرت دونوں کو شامل ہے اور حاوی ہے اسلامی اخلاق معاملات اور نظام حیات کو بہتر بناتے ہیں اور عقائد و اعمال آخرت کو سوار ستے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقائد و اعمال کا اثر انسان کے معاملات پر بھی پڑتا ہے۔ یہ صحت عقائد اور حسن اعمال کا وہ دینی ثمرہ ہے جو انسان کو آخرت سے پہلے پہل مل جاتا ہے۔

قرآن کریم کی روشنی میں نظام حیات اعمال آخرت کے تابع نظر آتا ہے مگر جو لوگ اسلام

کو فلسفہ زندگی سمجھتے ہیں اور اسے اپنی عقل (گو وہ نارسا ہی کیوں نہ ہو) اور تجربہ کی راہنمائی میں سوچتے ہیں وہ اعمالِ آخرت کو نظامِ حیات کے تابع سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام محض ایک نظامِ نہیں ایک دین ہے جو علوٰی جہاں ہے۔ کسی دوسرے نظریہ اور تجربہ کی ماستحتی قبول نہیں کرتا۔ آخر نے اسی ذہن و فکر سے سرے کالج کے طلبہ کے سامنے قرآن کے مختلف پہلوؤں پر لکچر دیئے اور طلبہ کے سامنے اسلام کو اس طرح پیش کیا گویا یہ محض ایک ضابطہ عمل نہیں ایک عملی راہ ہے۔ ایک حرکت ہے جو تقریباً چودہ سو سال پہلے خیر امت سے شروع ہوئی تھی۔ قرآن کریم متعدد مقامات پر اسلام کو ایک راہ کہتا ہے۔ عراط مستقیم ایک راہ ہی تہ ہے جو پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے۔ قرآن کریم اسے سبیل المؤمنین بھی کہتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس پر دو راہوں کے مومن چلے اور ان کی راہ کو چھوڑ کر چلنا اپنے آپ کو دہاں لے جاتا ہے جو ایک بڑا برا ٹھکانہ ہے۔

کیا قرآن امت میں ایک تسلسل سے چلا ہے؟

قرآن پاک کا اس کتاب میں تعارف مختلف جہات سے کرایا گیا ہے۔ یہ مضامین پاک و منہد کے مختلف جہان میں بھی اپنے اپنے طور پر کئی دفعہ چھپے ہیں۔ قارئین ان میں ایک بات بڑے قیاس سے عموماً کریں گے کہ ان میں قرآن کریم کا کسی پہلو سے اس طرح تعارف نہیں کرایا گیا کہ جہاں اس کے خدائی اثرات سے یکسر آنکھیں بند کر لی ہوں اور صرف اس کے کسی داخلی مضمون میں گم ہو کر کوئی بات کہیں قرآن پاک کے کسی حصہ کو اپنے خیالات کی روشنی میں نکھار کر سامنے لانا اور بات ہے اور یہ سمجھنا کہ قرآن کے اس حصہ کو اب تک چودہ سو سال میں امت نہ سمجھ پائی تھی یہ بالکل ایک دوسری سمت ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک تسلسل سے چلتا آپ کو کہیں نظر نہ آئے گا۔ یہ نظریہ اسے ایک تسلسل سے چلا آنے والا ماخذ علم تسلیم کرنے میں ایک سنگ گراں ہے۔

اس زمانے میں کئی عاشقانِ قرآن ایسے بھی اُٹھے جو قرآنی مطالب کو سرے سے ایک نئی تعلیم مہیا کرنے میں بڑے جوش سے آگے بڑھے ہیں اور وہ بڑا کہتے ہیں کہ اب تک قرآن اپنے صحیح معانی و مضامین میں صحیح نہیں سمجھا گیا۔ تہذیب جدید کے متوالے ان کے گرد حجبِ ملی کیے

جذبہ سے نہیں بغضِ معادیرہ کے جوش میں جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اس طلبہ کی علماء کے خلاف ایک اپنی تربیت ہے جو تاریخ کے مختلف موڑوں میں مختلف ناموں سے ظہور میں آتی رہی ہے۔

راقم الحروف کا تعلق بھی زیادہ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں اور ریونیورسٹی طلبہ سے رہا ہے ان کے ذہن کو پوشیدہ ہونے والے راقم الحروف نے سمجھا کہ اگر ہم قرآن کو امت کے ساتھ ایک تسلسل سے چلنے والے ماخذ علم کے حیثیت سے پیش نہ کر سکیں تو امت مسلمہ قرآن سے یکسر بے گانہ ہو کر رہ جائے گی کہ یہ محض ایک علمی خزانہ ہے جب کوئی چاہے اس کی چمک دیکھ لے۔ یہ ہرگز ایک راہ نہیں جسے سبیل المؤمنین کہا جائے اور وہ امت میں چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلی آ رہی ہو اور وہ ان تمام لوگوں کے لیے راہ ہدایت رہی جو اس سے ڈرنے والے رہے۔ اور یہ قرآن کے منطق کے خلاف ہے جو اپنے کو صدی لاتین کہتا ہے کہ یہ ایک راہ ہے جس پر خدا سے ڈرنے والے ہمیشہ سے چلتے آ رہے ہیں۔

اثر انا القدریل میں طلبہ کو قرآن کے داخلی اور خارجی مباحث میں اتنا علمی مواد ملے گا کہ اس منہج میں وہ پھر کوئی تشنگی محسوس نہ کریں گے۔ بشرطیکہ اسے وہ ایک طالب علمانہ نظر سے پڑھیں اور باور پڑھیں۔ ایک ترتیب سے چلیں اور پورے موضوع کا مطالعہ فرمائیں۔ ان فی ذلک لا ذکر لی لمن کان لہ قلب اوالقی السمع وهو شہید۔

ایک گزارش

ہم نے اس کتاب میں احادیث و آیات اور عربی عبارات کے ترجموں میں آزاد ترجمے کو جگہ دی ہے اور اس میں لفظی اور فنی رعایت نہیں رکھی ہم ان عبارات کا مفہوم اور حاصل زیادہ ملحوظ رکھا ہے۔ یہ ترجمے آج کل اس حجت سے زیادہ سہل سمجھے جاتے ہیں اور طلبہ انہیں پسند کرتے ہیں۔

ایک معذرت

قرآن کریم کے یہ مختلف مباحث جو آپ کو اثمار التشریل میں ملیں گے یہ ایک کتاب کے مختلف سپرے اور فصلیں نہیں ہیں بلکہ یہ عناد میں متعلق مضامین ہیں جو ایک پورے موضوع کے طور پر طلبہ کے سامنے لاتے گئے ہیں۔ انہیں ایک موضوع کے تحت ایک جامعیت دینے کے لیے ضرورت تھی کہ ان میں بعض وہ باتیں بھی آسکیں جو کسی دوسرے عنوان کے تحت بھی دی جا چکی ہیں یہ تکرار ذہنوں پر بار نہ گزے۔ قرآن کریم میں بھی بعض مضامین کئی کئی شکلوں میں سامنے لائے گئے ہیں قرآن کریم نے ولقد صدقنا فی هذا القرآن للناس من کل مثل میں اسی بار بار دہرانے کی نشاندہی کی ہے۔ پھر صحیح بخاری کو دیکھئے کئی احادیث کئی ابواب میں بہ تکرار لائی گئی ہیں اور وہ وہاں اپنے موضوع کو مکمل کرتی ہیں۔ تکرار ہر جگہ عیب نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کے اس تعارف کے ساتھ ہمیں حدیث اور سنت کی بھی پہچان چاہیئے راقم الحروف نے اس کے لیے اثمار الحدیث دو جلدوں میں شائع کی ہے۔ حدیث اور سنت میں تقریباً وہی فرق ہے جو سننے اور سمجھنے میں ہے۔ مجتہدین امت نے کتب و سنت کی روشنی میں اسلام کی قانون سازی کی ہے اور اس طرح اسلام کا فقہ مرتب ہوا ہے۔ اس موضوع پر احقر اثمار التشریع کے نام سے ایک فکری دستاویز پیش کر چکا ہے۔ یہ اثمار التشریل، اثمار الحدیث اور اثمار التشریع ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔ اللہ رب العزت توفیق عطا فرمائیں تو احسان کے موضوع پر بھی اثمار الاحسان کے نام سے ایک کتاب سامنے لائی جا سکے۔

یہ بات محض اس لیے گزارش کی ہے کہ طلبہ یہ نہ سمجھیں کہ اسلام کے تعارف کے لیے فقط قرآن کافی ہے۔ ایسا نہیں اسلام زندگی کی ایک پوری راہ ہے جو سنت کے بغیر اور کتاب و سنت میں اجتہاد و تشریع کے بغیر اور پھر اس اسلام کو دل میں اتارے بغیر کسی رہبر کے آگے نہیں گھٹکتی۔ اللہ رب العزت کے حضور میں دعا ہے کہ وہ اثمار التشریل کو اور قبولیت بخشے اور اس خدمت کو ان تمام حضرات کے باقیات صالحات میں جگہ دے جن کی محبت اور اعانت سے یہ نادر علمی تحفہ اب آپ کے سامنے ہے۔

اسلامک کیڈمی انچسٹر کی اجواب دہ علمی پیش کش

اثبات التَّنْزِيلِ

جلد اول

بچیسو مضامین

ضرورت القرآن	خصوصیات القرآن	صداقت القرآن	فضائل القرآن	نزول القرآن
جمع القرآن	کتابت القرآن	ترتیب القرآن	امروا القرآن	حفاظ القرآن
حفظ القرآن	لسان القرآن	ترجمہ القرآن	تجوید القرآن	قرأت القرآن
اسلوب القرآن	سُورہ مستدآن	ایمان القرآن	مقام القرآن	علوم القرآن
حقائق القرآن	تلاوت القرآن	اعجاز القرآن	نسخ فی القرآن	تأثیر القرآن

تألیف

ڈاکٹر علامہ محمد محمود
ڈاکٹر اسلامک کیڈمی انچسٹر

دارالمعارف

افضل آرکیٹ، اردو بازار، لاہور

پر تحسنت و تحسب در زمین و آسمان در حریم سینہ خیرانم کہ چوں جا کردہ ای

تعارُفِ قرآن

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝
عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝
وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝

یہ قرآن ہے اُتارا ہوا پروردگارِ عالم کا۔ اسے روح الامین نے لے کر اترے ہیں
آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرستانوں میں سے ہوں۔ یہ عربی مبین ہیں
اور یہ سچے (اصولاً) پہلے کتابوں میں بھی۔ (پ: الشعراء: ۱۹)

”یہ کتاب اللہ مضبوطِ حجت اور دائمی معجزہ ہے جس میں تمام حجتیں بھری ہوئی ہیں پوشیدہ
بھی ظاہر بھی، کلی بھی جزئی بھی۔ کسی پہچاننے والے نے ان کو پہچان لیا تو اسے اپنے
رب کی بڑی بڑی نشانیاں نظر آنے لگیں۔

اس میں اللہ کے جمال و کمال کے لشکرِ گھوم رہے ہیں۔ اللہ کے علوم و اسرار
کے سمندرِ موجیں مار رہے ہیں اور اللہ کے جلال و عظمت کی تلواریں کام کر رہی ہیں۔“
(سید احمد کبیر دہلوی)



ضرورت القرآن

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى آمين

ضرورت مندرکون ہے جس کو قرآن کی ضرورت ہے؛ اس کی ضرورت انسان کو ہے جو اشرف المخلوقات ہے اور ہدایت فطرت، ہدایت حواس اور ہدایت عقل کی منزلوں سے گزرنے ہوئے اپنی ضرورت میں اب کسی آسمانی ہدایت کا منتظر کھڑا ہے اس کے پاس پیچھے کیا ہے جسے وہ پائے ہوئے ہے اور اب وہ کسی چیز کا ضرورت مند ہے جہاں تک اس کی عقل کی پروا نہیں آج کے موضوع میں اسی ضرورت کا بیان ہے۔

الذی اللہ نے جس طرح ہر چیز کو وجود بخشا اس کی شان ربوبیت نے اسی طرح اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینے لگتا ہے اور پرندوں کے بچے انڈے سے نکلتے ہی اڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طبع حیوانی کا یہ فطری اقتدار زندگی کی ہر حرکت میں اپنا کام کرتا ہے اور یہی وہ فطری ہدایت ہے جو ہر شے کے لیے وجدان بنتی ہے۔

بنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم ھدی۔ (پط ۵۰ ع ۲)

ترجمہ۔ ہمارا پروردگار ہے جس نے ہر چیز کو وجود بخشا اور پھر اس پر زندگی کی راہیں کھول دیں۔

زندگی کی اس ”ابتدائی ہدایت“ میں انسان اور حیوان سب برابر ہیں ”ہدایت حواس“ تک بھی حیوان نے انسان کا ساتھ دیا اور ہر ذی روح نے زندگی کے استفادہ میں اپنی استعداد کے مطابق حواس خمسہ سے کام لیا۔ لیکن اس کے بعد جب ”ہدایت عقل“ کی منزل آئی تو اس میدان میں انسان اکیلا رہ گیا۔ اس ہدایت نے انسان کو باقی حیوانات پر امتیاز بخشا اور اس کے سامنے فکر و نظر کی راہیں پوری دستوں کے ساتھ کھول دیں۔ یہ وہ جو ہر عقل ہے جو دنیا کے ہر معاملہ میں امتیاز پیدا کرتا ہے اور یہ انسان کے اندر کی وہ Search light

ہے جو زندگی کی ہر ضرورت میں اسے شعور بخشتی ہے اور اسی کی بدولت انسان پر شعبہ حیات میں "اشرف المخلوقات" کہلاتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہدایتِ فطرت، ہدایتِ خواہش اور ہدایتِ عقل کے بعد انسانی ارتقاء کے لیے کیا کوئی اور چوتھا درجہ بھی ہے یا انسان کی ساری زندگی اس تیسرے درجہ ہدایت میں ہی محدود و مصروف رہ جائے گی؟ دیکھنا یہ ہے کہ شرفِ انسانی کی آخری منزل محض تجربات اور تحقیقات ہی ہیں یا انسان کو انسانیت کی تکمیل کے لیے کوئی نقطہ یقین بھی ملے گا۔ قرآن کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب اس پہلے سوال کے سمجھنے پر موقوف ہے یہی احساس ضرورت کبھی ضرورتِ دین کے نام سے، کبھی ضرورتِ وحی کے عنوان سے اور کبھی احتیاجِ رسالت کے الفاظ سے سامنے آتا ہے اسی حقیقت کو ہم یہاں ضرورتِ القرآن سے پیش کر رہے ہیں۔

جہاں تک اس چوتھے درجے کی ضرورت کا تعلق ہے اس کی تائید تمام ادیان و مذاہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور اس آسمانی ہدایت کی ضرورت پر دنیا کی تمام ملتیں بلا اختلاف متفق ہیں۔ دنیا کے سچا نوے فیصدی انسان کسی نہ کسی عقیدے یا مذہب سے ضرور وابستہ ہیں۔ یہ اس حقیقت کی مشترکہ شہادت ہے کہ انسانی وجدان نے محض عقل کی پرواز کو ناکافی سمجھ کر ہمیشہ آسمانی راہنمائی کی تلاش کی ہے۔

زندگی کی پابندیاں اسی جوہر عقل کے باعث ہیں

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انسان "جوہر عقل" کی وجہ سے ہی مکلف ہوا ہے اور مجنون یا فاخر العقل سے تکلیفات شرعیہ کا کوئی مطالبہ نہیں ہے لیکن دیکھنا ہے عقل خود کیا ہے؟ یہ تاریخی تجربات کا وہ خلاصہ ہے جس نے ہر نئے انکشاف پر ہمیشہ ایک نئی کر وٹ لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پرواز محسوسات سے ماوراء اور ظن و تخمین کے دائرے سے آگے کبھی بڑھنے نہیں پائی۔ حالات کے تغیرات اور انسانی تجربات کا یہ ارتقاء کائنات کے علم میں اضافہ کر سکتا ہے لیکن اس سے فوجِ انسانی کو کوئی نقطہ یقین میسر نہیں آ سکتا۔ سینکڑوں

فلسفی حیرت کی اسی دلدی میں سرگرداں رہے لیکن اطمینان کی دولت آسمانی ہدایت کے سوا اور کہیں سے میسر نہ آتی۔

الابد کرا اللہ نظم ثمن القلوب۔ (پٹ الرعد ۲۸)

ترجمہ۔ آگاہ رہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔

حاصل کلام ایک اگر اس جو تجھے درجہ ہدایت کا وجود تسلیم نہ کیا جائے تو انسانیت بالکل ناقص رہ جاتی ہے اور دائرہ کائنات کو نقطہ یقین کبھی میسر نہیں آ سکتا عقل ہر لحظہ تغیر پذیر ہے اور یہ صرف ایمان کی دولت ہی ہے۔ جو انسانیت کو شرف تکمیل بخشی ہے امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ لکھتے ہیں۔

مقصود آنت کہ بہ نسبت معتقدات یقینی و اطمینانی حاصل کنند کہ سرگزیدہ
بشک زائل نہ گردد و بایراد مشبہ باطل نہ شود چہ پائے استدلال بے تمکین
بود "الابد کرا اللہ نظم ثمن القلوب۔" ۱۰

ترجمہ۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے عقائد میں یقین اور اطمینان کا ایسا
درجہ حاصل ہو جائے کہ کوئی شک ڈالنے والا اس میں تزلزل پیدا نہ کر سکے
اور نہ کسی شبہ پیدا کرنے سے اس کی عبادت گر پڑے۔ استدلال عقل کے
پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں اور استدلال کا عادی کسی بات پر ٹھہر نہیں
سکتا۔ یہ محض اللہ کا ذکر ہے جس سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

اس یقین یا بی کے لیے مذہب کی ضرورت انتہائی شدید ہے اور ظاہر ہے کہ اس
سرچشمہ ہدایت کے طور پر قرآن کے آہ زلال سے زیادہ تنہا ہوا پانی اور کسی گھاٹ پر میسر
منہیں آتا۔ پس کائنات کو قرآن کی اشد ضرورت ہے اور یہی وہ نور ہے جس کی روشنی میں زندگی
کی راہیں معین ہو سکتی ہیں۔

② عقل کی ساری توانیاں محسوسات کے ادراک اور اپنی سے نئے نئے نتائج اخذ
کرنے تک محدود ہیں۔ ہم اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھتے یا سُنتے ہیں عقل اسی میں اپنا تصرف

کتنی ہے اور اسی سے احکام حاصل کرتی ہے۔ یہ امر کہ محسوسات کی سرحد سے آگے آگے کیا ہے؟ عقل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آکر تمام فلسفیوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور عقل عاجز ہو کر رہ گئی۔ الایہ کہ حقائق کو محسوسات میں ہی منحصر سمجھ لیا جائے اور ظاہر ہے کہ کوئی صاحب دانش اتنی بڑی غلطی کے ارتکاب کے لیے تیار نہ ہوگا۔ پس اس سے چارہ نہیں کہ ہم اس چوتھے درجہ ہدایت کا تجسس کریں اور ایک آسمانی نظام ہدایت کا واضح الفاظ میں اقرار کر لیں۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:-

پنہا پنچہ طور عقل درائے طور حس است کہ آنچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک
اس می نماید ہم چنین طور نبوت درائے طور عقل است آنچہ عقل مدرک
نشود تبرئست نبوت مدرک سے آید۔ بلہ

ترجمہ جس طرح ہدایت حس کے آگے آگے ہدایت عقل کا درجہ ہے کہ جن چیزوں کا ادراک جو اس نہیں کر سکے عقل نہیں بھی پالیتی ہے (گو یہ محسوسات میں ہی تصرف کرنے سے ہوتا ہے) اسی طرح ہدایت عقل کے آگے ہدایت نبوت کا درجہ ہے کہ جس بات کو ہم عقل سے دریافت نہیں کر سکتے، اُسے فوراً نبوت کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں۔

حاصل انیکو عقل کا دائرہ اپنی پوری وسعتوں کے باوجود پھر بھی محدود ہے اور انسانی ارتقاء کی سرحدیں معین نہیں پس اس ارتقاء کے لیے ہدایت عقل سے آگے ایک اور چوتھے درجے کی ضرورت ہے۔ اندر میں صورت ضرورت وحی سے چارہ نہیں اور اسی کی بدولت انسانی ارتقاء لازماً ہوتا ہے۔ روحانیت کے چشمے خشک ہو جائیں تو عقل کے باغیچوں میں خاک اڑنے لگتی ہے۔

③ مادی علوم اور تجرباتی تفکر اس کا رگاہ کائنات کا مادہ ہیں۔ پس جس طرح مادہ کی زندگی روح سے وابستہ ہے اس "مادہ کائنات" کے لیے بھی "روح کائنات" لازماً ہے۔ روحانی علوم کے چشمے ہی کائناتی ارتقاء کو زندگی بخشنے ہیں اور مادہ کائنات اسی

سے اپنی زندگی پاتا ہے۔

انسانی زندگی کا قیام غذا سے ہے

عالم اکبر (کائنات) کی طرح عالم اصغر (انسان) کی زندگی بھی کھانے کی غذا پر قائم ہے جس کے لیے وہ اپنی بساط کے مطابق پوری احتیاط برتتا ہے۔ بایں ہمہ کبھی کبھی بے اعتدالی ہو جاتی ہے اور پھر دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ پس غذا اور دوا دونوں اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ پھر یہاں اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ فساد مزاج کی اس حالت میں غذا ضرر دینے لگے غذا اور دوا کے اس تضاد میں زیادہ احترام پھر دوا کا ہوتا ہے اور ایک ماہر معالج یہی تجویز کرتا ہے کہ غذا میں پرہیز کی جائے۔

مادی علوم کی بے اعتدالی میں اصلاح کا قدم

تھیک اسی طرح مادی اور روحانی علوم کا حال ہے۔ مادی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں جس طرح غذا کے باوجود دوا کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ بجز باقی علوم کے ساتھ روحانی علوم کی بھی اس قدر ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے وقت مادی دوا کے حیات کا استغراق اور ضرر پہنچاتا ہے پس مصلحت اس میں ہے کہ مادی علوم اور روحانی علوم کے تضاد میں وہی طریق کار اختیار کیا جائے جو ہم نے غذا اور دوا کے تضاد میں اختیار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نئی فتح روحانی علوم کی ہی ہوگی اور اس آسمانی ہدایت کا حق ہے کہ سب مادی اور تجرباتی علوم اس کے خادم ہو کر رہیں۔ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) احیاء العلوم کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں :-

ان العلوم العقلیة كاللاغذية والعلوم الشرعية كالادوية و

الشخص المريض يستضربا الغذاء متى فاتته الدواء فكذا ذلك

امراض القلوب لا يمكن علاجها الا بالادوية المستفادة من

الشرعية وهي وظائف العبادات والاعمال التي ركبها الانبياء

صلوات اللہ علیہم لإصلاح القلوب فمن لا یداو ی قلبہ المریض
بمعالمجات العبادۃ الشرعیۃ واکتفی بالعلوم العقلیۃ استضرحہا
کما یتستضر المریض بالغذاء ینہ

ترجمہ۔ تجرباتی علوم بمنزلہ غذا اور روحانی علوم بمنزلہ دوا ہیں جو شخص مریض
ہو اگر اسے دوا نہ ملے تو غذا سے اسے اور بھی تکلیف ہوتی ہے یہی حال
دل کے امراض کا ہے کہ ان کا علاج شریعت کی تجویز کردہ دواؤں کے
سوا کسی طرح ممکن نہیں۔ شریعت کی دوائیں عبادات و اعمال کے وہ
وظائف ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کے ہاتھوں سے ترکیب پائی
ہے پس جو شخص دل کا مریض ہے اور طب شرعی کے مطابق اس کا
علاج نہیں کرتا اور تجرباتی علوم کو ہی اپنے حق میں کافی سمجھتا ہے وہ
اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح کہ مریض (دوا نہ ملنے کی صورت میں) غذا
سے اور تکلیف اٹھاتا ہے۔

علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں کوئی تعارض نہیں

شاید یہاں کسی کے ذہن میں یہ خطرہ گزرے کہ علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں کوئی حقیقی
تعارض ہے جو علوم شرعیہ کو ترجیح دینے کا سوال پیدا ہو رہا ہے ایسا نہیں ہے ہماری یہ
مراد ہرگز نہیں۔ علوم شرعیہ سب فطرت کے مطابق ہیں اور ان کا کوئی پہلو بھی عقل سلیم سے تضاد
منہیں رکھتا لیکن تجرباتی علوم چونکہ خود تغیر پذیر ہیں اس لیے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ
ہماری عقل کسی ایسی حقیقت تک پہنچنے سے قاصر رہے جس کی خبر ایسے ذرائع نے دی ہو کہ
حبوٹ یا غلط فہمی کو ان میں کوئی دخل نہیں۔ اس صورت میں یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت
ہماری عام عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے کیونکہ کسی بات کا «خلاف عقل» ہونا اور بات ہے
اور بالائے عقل ہونا اور بات ہے۔ یہ ہماری اپنی غلطی ہے کہ بالائے عقل کو خلاف عقل

سمجھ لیں حقیقت یہ ہے کہ نقل صحیح اور عقل سلیم میں کوئی تضاد نہیں بشرطیکہ نقل صحیح کاملاً شریعت نبوت اور کوئی آسمانی ہدایت ہو۔

مفتی الاسلام امام غزالیؒ مذکورہ بالا عبارت کے متصل بعد لکھتے ہیں :-
 وطن من یظن ان العلوم العقلیة منافضة للعلوم الشرعیة وان الجمع
 بینہما غیر ممکن ظن صادر عن عی فی عین البصیرة نعوذ باللہ
 منہ .

ترجمہ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ علوم عقلیہ اور علوم شرعیہ میں کوئی تضاد ہے اور یہ کہ دونوں میں تطبیق ممکن نہیں ان کا یہ گمان محض اس وجہ سے ہے کہ ان کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں ہم اس سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

تجرباتی معلومات کی زمین میں باران وحی کی پیاس

ماصل ایچہ جس طرح غذا کے ساتھ دوا کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اس طرح دنیا کے تجرباتی معلومات کی زمین آسمانی باران ہدایت کی شدید محتاج ہے۔ تجرباتی علوم مادہ کائنات ہیں تو علوم شریعت روح کائنات کا حکم رکھتے ہیں قرآن عزیز یہی روح کائنات ہے جو زندگی کی تاریکیوں کو روشنی بخشتا ہے اور ہمیں اس کی اشد ضرورت ہے۔

وڪذلك اوجینا الیك روحا من امرنا . (پچھلے سورہ ۵۲)

ترجمہ اور اسی طرح (اے محمد!) ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح کو نازل کیا۔

۴) کائنات کا ادراک ہم اپنے حواس سے کرتے ہیں چھوٹے اور بڑے یا شیریں اور تلخ کا امتیاز ان حواس سے ہی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حواس اور اکسین غلطی کرنے لگتے ہیں طویل فاصلے سے بڑی چیزیں بھی چھوٹی دکھائی دیتی ہیں اور صغیر آدمی سراج

شیریں کو بھی تلخ بتاتا ہے۔ اس صورت میں ہدایت عقل اور تجرباتی علوم ہماری راہنمائی کرتے ہیں اور حواس کی غلطیوں سے ہمیں باخبر رکھتے ہیں پھر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ یہ حواس شدت کے عالم میں جذبات کی شکل اختیار کر لیں۔ اس صورت میں عقل کی راہنمائی بھی مؤثر نہیں رہتی اور عقل اور جذبات کی کشمکش میں فتح ہمیشہ جذبات کی ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جوہر عقل مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب انسان کو کوئی سہارا چاہیے۔

یہ واقعات زبانِ حال سے پکارتے ہیں کہ ہدایت عقل سے آگے ایک اور راہنمائی کی بھی ضرورت ہے جو اسی طرح ”ایمانی جذبات“ کی تربیت کرے جس طرح حواس ”طبعی جذبات“ کی پرورش کرتے ہیں تاکہ جب عقل اور جذبات کے درمیان مذکورہ بالا کشمکش ہو تو عقل کی درماندگی کے وقت انسان ان ایمانی جذبات کا سہارا لے سکے جو طبعی جذبات کو فزائے کج رکھ دیتے ہیں۔ تاریخ ادیانِ عالم اس امر کی قوی شہادت ہے کہ پھر آخری فتح ایمانی جذبات کی ہی ہوتی ہے۔

بے خطر کو دہڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشاے لبِ بامِ ابھی

کائنات کا ارتقاء اپنے سے اعلیٰ کی تلاش میں

ماہل اینکہ ”ہدایت عقل“ کے آگے انسان ایک آسمانی روشنی کی تلاش میں ہے۔ اور اس کی اسے ضرورت ہے اور حقیقت میں یہی رہائی ہدایت ہے کہ اس کے بعد اور کسی ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

قل ان ھدٰی اللہ ھو الھدی و امرونا المسلم لرب العالمین۔

(پک الانعام ۷۱)

ترجمہ کہہ دیجئے کہ رہائی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور ہم مامور ہیں کہ اس ذات کے سامنے سر تعجب کا دیں جو تمام کائنات کی پرورش کرنے والا ہے۔

کائنات کی ہر چیز اپنے موجود رہنے کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور رکھتی ہے۔ اس قانون

فطرت پر جب ہم غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہر ادنیٰ چیز محض اس لیے ہے کہ اپنے سے اعلیٰ چیز پر قربان ہو جائے۔ عبادات میں عبادتِ اینٹ سے بالا درجہ رکھتی ہے اب اس اعلیٰ چیز کو تکمیل سمجھتے ہیں اینٹ کی شکل و صورت خواہ کتنی ہی تبدیل کرنی پڑے یہ سب مراحل اینٹ کے بکار آنے کی شہادت دیں گے کوئی اسے بے کار مانا تصور نہیں کرے گا کیونکہ ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو رہا ہے۔ لہذا ہاتھ ہوئے کھیت اور پکے ہوئے پھل اگر انسان کے کام آجائیں تو سب کہتے ہیں کہ بکار آئے اور اگر وہیں کھڑے لگے سوکھ جائیں تو ہر شخص انہیں ضائع شمار کرے گا۔ حیوانات عامہ بھی اسی طرح اپنے سے اعلیٰ مخلوق "انسان" کے کام آ رہے ہیں اور ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہو کر اپنے مقصد و جود کو پورا کر رہا ہے۔ عبادات، نباتات اور حیرات اگر اپنی اپنی جگہ موجود نہ ہوں تو انسان کا نظام حیات نہیں چل سکتا لیکن اگر انسان نہ ہو تو ان چیزوں کی زندگی برابر چلتی رہے گی۔ کائنات کی یہ رقاصات بتلاتی ہے کہ یہاں سب کچھ انسان کے لیے ہے مگر انسان ان میں سے کسی کے لیے نہیں پس اس کا وجود کسی اور ذات کے لیے ہو گا جو اس سے بھی اعلیٰ اور ہر اعلیٰ سے اعلیٰ ذات ہے۔

فذلک اللہ ربکم فاعبدوہ۔ (پاک یونس ۳۲)

ترجمہ پس اللہ تمہارا پروردگار ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسمؒ فرماتے ہیں:-

"زمین سے لے کر آسمان تک جس چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کار آمد نظر آتی ہے پر انسان ان میں سے کسی کے کام نہیں آتا دیکھئے زمین، پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج، ستارے اگر نہ ہوں تو ہمارا جینا محال یا دشوار ہو جلتے اور ہم نہ ہوں تو ایشیائے مذکورہ میں سے کسی کا کچھ نقصان نہیں۔ علیٰ ہذا العیاس و درخت، جانور و غیرہ مخلوقات اگر نہ ہوتے تو ہمارا کچھ نہ کچھ حرج ضرور ہوتا کیونکہ کچھ نہیں تو اشیاء کبھی کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتے ہیں پر ہم کو دیکھئے کہ ہم ان کے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو باہر و اپنے خالق

کے کام کے ہوں گے بل

پس جب انسان کا مقصد وجود ہی اپنے خالق کے کام آنا ہے تو اس رستے کی تلاش ازیں
ضروری ہوتی اس رستے کا نام قرآن اور قانون اسلام ہے اور اسی ضرورت کو ”ضرورت القرآن“
سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اوحیٰ الیٰ ہذا القرآن لاذکر بہ ذنوبکم بلع - (پک الانعام ۱۹)

ترجمہ یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ تمہیں اور ان تمام کو جن تک یہ
پہنچے (بے کار زندگی گزارنے سے) ڈراؤں۔

ماصل ایچہ اگر قرآن نہ ہو تو انسانیت کا رُخ اپنے ”ما فقی“ کی بجائے ”ما تحت“ کی
طرف مڑ جاتا ہے اور یہ وہ طریق زندگی ہے جو قانونِ فطرت اور ”بقاۃ النفع“ کے فطری اصولوں
سے صریح طور پر متصادم ہے پس قرآن کا انکار دوسرے لفظوں میں فطرت سے ٹکرا لینا ہے اور اس
کی ضرورت کا احساس دین فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

ان مراتبِ خمسہ سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہے کہ انسان عقل سلیم اور سلامت فکری
کے باوجود ایک وسیع تر نظامِ ہدایت کا شدید محتاج ہے لیکن یہاں اس امر کی وضاحت نہیں ہو
سکی کہ کیا ضروری ہے کہ وہ وسیع تر نظامِ ہدایت قرآن ہی ہو اور اس کے دلائل کیا ہیں کہ قرآن
کے سوا کسی اور آسمانی راہنمائی میں انسانیت کی نجات نہیں؟ یہ مضمون ان مراتبِ خمسہ
میں ضمنی طور پر پیش کیا ہوا ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ احاثا اس کے کچھ شواہد ہمارے
سامنے ہوں۔

① جتنی کتابیں ”آسمانی نظامِ ہدایت“ کی ترجمان بیان کی جاتی ہیں ان میں صرف قرآن ہی ہے
جس کا اپنے متعلق یہ دعوے ہیں کہ وہ ہر زمانے کی دست برد سے پوری طرح محفوظ ہے
قرآن کے سوا اور کوئی ”آسمانی کتاب“ اپنے متعلق یہ دعوے نہیں کرتی۔ یہ دعوے
واقعات کے ساتھ کہاں تک ہم آہنگ ہے؟ یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہم صرف یہ
بتا رہے ہیں کہ واقعات کی شہادت تو درکنار اور کوئی کتاب سرے سے اس ابدی تحفظ کا

دعوے ہی نہیں کرتی۔ پس جو کتابیں اپنے وجود کو بقاء نہیں بخش سکیں وہ مُردہ قوموں کو ہمیشہ کی زندگی کس طرح دے سکیں گی۔ کائنات اس »آسمانی نظامِ حیات« کے لیے ایک ایسے سرچشمہِ علم کی محتاج ہے جو ہر فتنے سے محفوظ اور زمانے کی ہر دستبرد سے مامون ہو ظاہر ہے کہ اس باب میں کوئی کتاب قرآن پاک کی شریک و سہیم نہیں۔

(۲) الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کی ابتدائی صورت اس کی سینکڑوں سال بعد کی صورت کے ساتھ پوری طرح مطابقت ہے اور تورات اور انجیل کے اب بھی ایسے نئے طے ہیں جو ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہوتے۔ ان کتابوں کے چہرے مسخ کیے جا چکے ہیں اور آج ان میں وہ نور نہیں ملتا جو کسی تاریک زاویہ حیات کو روشن کر سکے ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا اگر یہ دعوے بھی ہوں تاکہ وہ ابدی طور پر محفوظ ہیں تو بھی بعد کے واقعات اس کی تائید ہرگز نہ کرتے اور تحریف انجیل پر تو مسیحی شہادتیں بھی اس کثرت سے ملتی ہیں کہ کوئی انصاف پسند ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) قرآن کے سوا اور جتنی کتابیں اس مطلوبہ آسمانی نظامِ ہدایت کی ترجمان کہی جاتی ہیں جیسے دَید (ہندوؤں کی کتابیں)، اوستا (پارسیوں کی کتاب)، تورات (یہودیوں کی کتاب)، اور انجیل (عیسائیوں کی کتاب) وغیرہ۔ یہ سب »زمانہ قبل از تاریخ« کے پردوں میں مستور ہیں یعنی ان کی ابتداء ایسے زمانے سے تعلق رکھتی ہے جب سرمایہ علم کے لکھنے اور واقعات کو محفوظ رکھنے کا کوئی طریق موجود نہ تھا اور تاریخ نے ابھی جمعِ تدوین کے پہلے زینے پر بھی قدم نہیں رکھا تھا۔ الہامی کتابوں میں صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جو زمانہ تاریخ سے تعلق رکھتی ہے اور جو اپنے داعی سے لے کر اب تک سند متصل متواتر سے منقول ہوتی چلی آرہی ہے ویدوں کے متعلق تو یہ بھی واضح طور پر معلوم نہیں کہ یہ کن کن بزرگوں پر اترے اور یہ کہ اُن کا زمانہ کون کون سا تھا۔ اوستا معدوم ہونے کے مدتوں بعد ایک شخص درگ دراز کے خواب کی دہائی یادداشت بتائی جاتی ہے اور الواحِ تورات کے تحفظ پر بھی تاریخ کی کوئی قطعی شہادتیں ہمیں میسر نہیں آئیں۔ انجیل مقدس کے متعلق بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے پہلے دور میں ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں جمع نہیں ہو سکی۔ اور ایک واضح صورت میں ڈھلنے کی بجائے

چار اور شخصوں کی عبارات میں منتقل ہوئی جن میں سے دو صحابی بیان کیے جاتے ہیں اور باقی دو کو تو صحابی بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

حضرت مسیح کے بعد ابتدائی تین صدیوں میں ایک سر سے زائد انجیلیں پائی جاتی تھیں ان میں سے چار کو لے لیا گیا اور باقی چھوڑ دی گئیں۔ پھر ان چار میں بھی ترمیم کا سلسلہ مدتوں چلتا رہا۔ ان چار میں سے وہ کون سی ہے جس کی آواز حضرت مسیحی لگاتے تھے تو ان پادری صاحبان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

موجودہ چار انجیلیں میں سے دو انجیل متی اور انجیل یوحنا حضرت مسیح کے صحابہ متی اور یوحنا نے ترتیب دیں۔ مشہور عیسائی عالم جرجیس البانی نے لکھا ہے کہ متی نے اپنی انجیل بیت المقدس شہر میں بیٹھ کر ترتیب دی تھی۔ انجیل یوحنا کی تالیف شہر میں بیان کی جاتی ہے۔ یوحنا حضرت مسیح کا شاگرد تھا۔ انجیل مرقس اور لوقا تابعین کی تالیف ہیں۔ مرقس اور لوقا نے حضرت مسیح کا زمانہ نہیں پایا۔ مرقس پطرس صحابی کے شاگرد تھے لیکن مرقس نے اپنی انجیل میں اس حصہ کو نہیں لیا جس میں حضرت مسیح کے نام سے پطرس کی تعریف وضع کی گئی ہے۔ لوقا انطاکیہ کے طبیب تھے انہوں نے مسیحیت کا سبق پولوس سے لیا تھا اور پھر پولوس کے زیر اثر اپنی انجیل ترتیب دی تھی۔ الوہیت مسیح تثلیث اور کفارہ کی بدعت کا اصل موجد یہی پولوس Paul تھا۔ لوقا کی انجیل میں بیس سے زیادہ مقامات کا انجیل متی پر اضافہ ہے۔

انجیل یوحنا کو حضرت یوحنا سحراری کے نام سے مرتب ہے مگر یہ دراصل مدرسد اسکندریہ کے ایک طالب علم کی تالیف ہے۔ اسے یوحنا کی طرف نسبت کر لے کا مقصد الوہیت مسیح کے عقیدے کو حضرت مسیح کے زمانے سے متصل کرنا تھا۔

اس بات کے کھل جانے پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل ہمارے پاس موجود نہیں جس سے ہم ہدایت عقل کی درماندگی کے بعد کچھ آسمانی روشنی لے سکیں اور یہ جو چار انجیلیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ ان مصنفین کی اپنی تصنیفات ہیں جن کے ناموں سے ان اناجیل نے شہرت پائی ہے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس وقت مختلف مذاہب نے جن جن کتابوں کو خدا کے نام سے پھیلا رکھا ہے ان میں صرف قرآن ہے جو عہد حاضر سے چودہ سو سال پہلے تک لائق اعتماد متصل سند

سے جارہا ہے اور حقیقت میں اس وقت یہی ایک کتاب ہے جس کو با تردد اور بلا تاویل وقت
 آسمانی آواز کہا جاسکتا ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں کچھ وہ خصوصیات بھی نقل کر دیں جو قرآن کریم کی ہیں اور
 کوئی اور دوسری کتاب اس میں قرآن کے ساتھ لگتا نہیں کھاتی۔

تخصیصات القرآن

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ لعابد

① یہ کتاب اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تدریجاً اُتری اور کوئی آسمانی کتاب تدریجاً نہیں آئی — یہ کیوں؟ یاس لیے کہ جس ضرورت اور جس موقع پر وہ آیات اُتریں اس کے پیش نظر ان کا سمجھنا اور عمل میں لانا آسان ہو جائے۔ جو پہلی آپ پہلی وحی کے بعد غارِ حرا سے نکلے آپ کی حیاتِ طیبہ اور قرآن کی آیات نازلہ ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور دونوں کی منزل ایک ہی وقت میں جا کر رُکی۔ اب قرآن سمجھنے میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہ رہے گا اور اس کے عملی نشان کے ساتھ ہی اس کا عملی نقش ساتھ اُبھرے گا۔

② یہ کتاب مفصل ہے۔

وهو الذي انزل اليكم الكتاب مفصلاً. (پٹ الانعام آیت ۱۱۴)

ہر مفصل کو مفصل کی ضرورت ہوتی ہے اس کتاب مفصل کا مفصل ساتھ ساتھ رہا۔ خود قرآن کریم میں اس مفصل کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے جو ان ایمان لانے والوں کو خدا کی کتاب پڑھائے گا۔

يُعلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پٹ آل عمران ۱۶۴)

③ قرآن کریم کی ایک اپنی سرکاری زبان ہے اور وہ عربی ہے۔ یہ کسی دوسری زبان کا لباس نہیں پہن سکتا کیونکہ یہ لفظاً بھی معجزہ ہے اور ترجمے کے الفاظ ظاہر ہے کہ خدا کے نہ ہوں گے عام انسانوں کے ہوں گے۔ ہاں اس کا ترجمہ کرنا جائز ہے آپ اسے علماً دیکھ سکتے ہیں مگر عبادۃ اسے عربی میں ہی پڑھا جائے گا۔

④ بنی نوع انسان کی دینی راہنمائی کے لیے ہر بات اس میں موجود ہے۔

ما فَوْظُنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (پٹ الانعام ۳۸)

اہل کتاب قرآن کے اس دعوے کو رد کرنے کے لیے نئے مسائل کی ایک لمبی فہرست سامنے رکھ دیتے ہیں کہ بتاؤ ان کا جواب قرآن میں کہاں ہے؟ ہم کہتے ہیں انہیں قرآن کی کلیدی آیات میں دیکھ جن سے علم کا نیا باب کھلتا ہے قرآن کریم کی ان کلیدی آیات کو ساتھ لے کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں اللہ رب العزت نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی یہاں جو بھی اجمال ہے آپ کی منت میں اس کی پوری تفصیل ہے۔

⑤ یہ واحد کتاب ہے جس میں دوسرے منابع علم کی کلید موجود ہے۔

۱۔ النفس و آفاق میں غور کرنے انسان پکار اٹھتا ہے،

ربنا ما خلقت هذا باطلاً۔ (سجہ اہل عمران ۱۹۱)

انسان کو کائنات کا جو علم حاصل ہوگا اس کے لیے یہاں تکلیف ہے۔

۲۔ فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل (پہلے اختلاف ۲۵) میں آنحضرتؐ کو تمام

اولوا العزم پیغمبروں کے مجموعی موقف صبر پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا اور پیغمبروں کا مجموعی

موقف قرآن پاک میں کہیں یک جا ذکر نہیں۔ اس میں آنحضرتؐ استقرار فرماتے گئے۔

اولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده (پہلے الانعام ۹۰) میں بھی استقرار کی کلید

ہاتھ میں نہیں ہوگی۔

۳۔ اس امت کے لیے ما انا كما الرسول فخذوه وما نهيكم عنه فانتهوا بھی

ایک کلیدی آیت ہے۔ اطیعوا الله واطیعوا الرسول بھی کلیدی آیات میں سے ہے۔

⑥ اور کوئی آسمانی کتاب نہیں جو اپنا تعلق پہلی کتابوں سے جوڑے۔ قرآن کریم پہلی

کتابوں کی وصال تصدیق کرتا ہے۔ (مصدق المابین یدیلہ) اور ان کے باقی رہنے والے مسائل

کو اپنے دامن میں لیتا ہے و مہمنا علیہ) اور انہیں بطور کتاب منسوخ قرار دیتا ہے۔

۷۔ مثلاً زکوٰۃ کا نصب کیا ہے کہ اتنا مال ہو تو زکوٰۃ لازم آئے گی۔ نیز شرح زکوٰۃ کیا ہے۔ قرآن کریم نے

جان کی دیت بتلادی اعضا کی دیت نہیں بتلانی۔ نماز کا حکم تو دیا مگر یہ نہ بتلایا کہ فلاں نماز کی

فرض رکعات کتنی ہیں۔ حج کا حکم دیا مگر یہ نہ بتلایا کہ ایک طواف کے کتنے چکر ہوں گے۔

④ بخلاف انسان کے جملہ اختلافات میں قرآن کریم ایک قول فیصل ہے۔

انه لقول فضل وما هو بالفضل. (پٹ الطارق ۱۴)

اس کی بات دو طرفہ نہیں ہوتی اس میں ایک واضح درجے کا فیصلہ ملے گا۔

⑤ یہ کتاب ایک ابدی کتاب ہے جسے آئندہ کوئی کتاب منسوخ نہ کر سکے گی، انسانی ہمت

اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی نہ کر سکیں گے اور محنت سے یاد کرنے والوں کے سینوں اور دماغ میں یہ کتاب کلی طور پر محفوظ ہو سکے گی۔

⑥ اس کتاب کے مضامین اور پیرایہ بیان سے پریشان اور آؤردہ دل لوگوں کو سکون و اطمینان اور دکھی دلوں کو شفا ملتی ہے :

يا ايها الناس قد جاء تنكم موعظتمون ربكم وشفاء لما فليس الصدور (پٹ یونس ۵۶)

⑦ یہ کتاب نصیحت پکڑنے والوں اور آخرت کی فکر پیدا کرنے کے لیے تو بیشک آسان ہے

ولقد يسرنا القرآن للذکر فهل من مذكور. (پٹ القمر ۱۷)

لیکن اس کے کلیات اور امثال و عبرتوں کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

ذلك الامثال فسر بها للناس وما يعقلها الا العالمون. (پٹ العنکبوت ۳۷)

سوال :

اب غیر عالم ان ابواب قرآن میں کیا کریں۔ وما یعقلها سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم اعظم

کے سمجھانے سے بھی ان کو سمجھ نہیں پاتے ؟

جواب :

وہ بے شک نہ سمجھ پائیں ان کا انہیں جاننا ضروری نہیں لیکن ان پر ان کا عمل ضرور

مطلوب ہے۔ سو وہ ان میں عالموں کی تقلید کریں اور ان کے بتانے سے ان پر عمل کریں۔

سوال :

عالموں کے کئی درجے ہیں۔ یرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات

(پٹ المجادلہ ۱۱) سو کس درجے کے علموں کے فضیلے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے ؟

جواب :

وہ را سخن فی اعلم میں جن کے قول کو اللہ تعالیٰ نے سزا ہے ۔

والتراسخون فی العلم یقولون اصابہ کل من عند ربنا۔ (پ آملان)،
 امت میں پیروی صرف مجتہدین کی ہو سکتی ہے ہر عام عالم اس درجے میں نہیں کہ
 قرآن کریم کا لفظ الا العالمون اس پر صادق آ سکے۔
 سوال :

قرآن کریم اپنے لائے والے سے صرف اسے لینے کا حکم دیتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔
 اور اس سے یہ کتاب لے لو یا اس پیغمبر کی اپنی راہ کو بھی دوسروں کے لیے لائق پیروی قرار دیتا ہے؟
 جواب :

ہاں! قرآن بسبیل رسول کو اپنانے کا حکم بھی دیتا ہے۔
 قل هذه سبيلي ادعوا الى الله انا ومن اتبعني۔ (پ پرف ۱۸)
 ترجمہ۔ آپ کہہ دیں یہ میری راہ ہے تمہیں اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہوں
 میں اور جو میرے پیروں ہیں۔
 وان هذا صراطي مستقيماً فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم
 عن سبيله۔ (پ الانعام ۱۵۳)

ترجمہ۔ اور یہ راہ ہے میری سیدھی سواں پر چلو اور مت چلو اور رسول
 پر کہ وہ تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گے۔
 ان آیات کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ہی اطاعت خداوندی
 کا تقاضا پورا ہوتا ہے۔
 سوال :

قرآن پاک پر عمل کتنے ہوتے کیا پیغمبر اسلام کی پیروی کافی نہیں قل هذه سبيلي
 میں تو صرف حضورؐ کی راہ پر چلنا بتایا گیا ہے کیا بسبیل رسول کے ساتھ کسی اور بسبیل کی پیروی
 بھی ضروری ہے؟
 جواب :

ہاں! قرآن پاک میں بسبیل رسول کے ساتھ اس دو راہوں کے متونین (صحابہ) کو بھی

واجب الاتباع ٹھہرایا گیا ہے اور سبیل رسول کے ساتھ سبیل المؤمنین کی پیروی کو ہی اسلام بتایا گیا ہے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين ذل له ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا (پہ الفسار ۱۱۵)
ترجمہ۔ اور جو مخالفت کرے اللہ کے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت اس کے سامنے کھل چکی اور وہ سبیل المؤمنین کے خلاف چلے ہم اسے پھر دیں گے بدصورتی پھر اور اسے جہنم رسید کریں گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔
اس سے پتہ چلا کہ سبیل رسول کے ساتھ سبیل المؤمنین کی پیروی بھی ضروری ہے اور اسی سے قرآنی تعلیمات کا عملی نقشہ قائم ہوتا ہے۔

سبیل رسول اور سبیل اُمت ساتھ ساتھ چلے

علم اسی وقت جمیدہ مخدوش اور منجید ہوتا ہے جب کوئی عمل اس کے ساتھ ساتھ نہ چلے قرآن کریم اپنے آغاز سے ہی عمل رسالت کے پہلو بہ پہلو چلا اور امت بھی عمل رسالت کے ساتھ ساتھ اس طرح باہل چلی کہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لیے سبیل رسول اور سبیل المؤمنین ایک ایسا سمیاد قائم ہوا کہ آئندہ کتنے والے اسلام کے قافلے سب اسی راہ پر چلنے کے پابند ٹھہرائے گئے۔

ظاہر ہے کہ سبیل رسول اور سبیل المؤمنین کے تسلسل عمل سے قرآن کریم کا کوئی گوشہ کسی معترض فحاشی نہ رہے گا سورۃ کتاب کسی پہلو سے ایک جمیدہ اور سنجیدہ کتاب نہ رہی یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا کہ اسلام میں علم کا ماخذ صرف کتاب اللہ اور سبیل رسول ہیں سبیل المؤمنین کو بھی ساتھ رکھا گیا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :-

ويتبع غير سبيل المؤمنين ذل له ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا
وهكذا اجماع الامة اذا اجمعت على شئ فهو الحق الذي لا شك فيه
لا محالة تجتمع على ضلالة له

ترجمہ۔ اور وہ چلے سبیل المؤمنین کے خلاف ہم پھیر دیں گئے اسے جدھر وہ پھرا
اور پیچائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح اجماع امت
ہے امت جب کسی بات پر جمیع ہو جائے تو وہ ایسا حق صریح ہے جس میں
کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ امت کبھی گمراہی پر جمع نہ ہو سکے گی۔

جس طرح خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات برحق ہے ناممکن ہے کہ اس میں کوئی غلطی
راہ پائے۔ سبیل المؤمنین بھی ایک برابر کی راہنمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چلنا امت پر فرض
ٹھہرتا ہے۔ اجماع امت کبھی باطل پر نہیں ہو سکتا جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

أية محكمة وسنة قائمة وفريضة عادلة

یہ فریضہ عادلہ مسلمانوں کے لیے اسی وجہ میں لازم ٹھہرتا جس وجہ میں وہ دو تھے سو علم میں ہیں :-

۱۔ اہمیت محکمہ ۲۔ سنت قائمہ اور ۳۔ فریضہ عادلہ

۳۔ حضرت نے جب فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں تو اسے لفظ فیکہ (تم میں ہے)
واضح فرمایا۔ سو صحابہؓ جو اس وقت کے مومنین تھے اور ان کی یہی راہ سبیل المؤمنین تھی وہ کتاب
وسنت کے امین ٹھہر گئے۔ سو یہ امین وہ طبقہ ہیں جن کو ساتھ لے کر چلنا علم کا تیسرا ماخذ ٹھہرا۔
اسے ہی فریضہ عادلہ کہا گیا ہے۔

۵۲ صداقت القرآن

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :

قرآن کریم کو نازل ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا مگر آج بھی اس میں وہی تازگی ہے جو آج سے صدیوں پہلے دنیا کی قوموں نے اس میں محسوس کی تھی اس کے خارجی تعارف میں ہم صداقت رسالت کی روشنی میں چلے اس کے داخلی تعارف میں ہم نے اس کی معجزانہ نشان دیکھی۔ اب آئیے اس میں بھی فدا غور کریں کہ اس کی صداقت کے نقش اس کے اندر سے کس طرح دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دوسری قوموں کے لیے بھی ایک سامان دعوت اور اپنوں کے لیے مزید طمانیت کا موجب ہو۔

اسمائی کتاب الہی صفات کی آئینہ دار ہونی چاہیے

ہر کتاب میں مصنف کے نظریات اور تجربات کی جھلک ہوتی ہے اسمائی کتاب میں علاقائی حدود خال نہیں الہی علم کی آفاقی جھلک ہونی چاہیے۔ قرآن کریم کو عرب میں اترا ایک عربی پیغمبر پر اترا عربی زبان میں اترا لکھیں اس میں ہر باب زندگی میں الہی علم کی آفاقی جھلک موجود ہے۔ قرآن کریم میں کہیں علاقائی رنگ نہیں ملتا۔ علاقائی لحاظ کے باوجود اس میں ہر جگہ آفاقی رنگ غالب نظر آتا ہے۔

علم الہی میں اس کا کوئی شریک نہیں

علم الہی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں ذاتی اور عطائی کے فرق سے بھی، خالق اور مخلوق کے علم میں کہیں برابری نہیں ہو سکتی۔ خدا کی اسی وسعت علمی اگر حضرت خاتم النبیینؐ میں بھی مافی جائے تو یہ شبہ جھٹ کھٹکے گا کہ قرآن کریم آپ کی اپنی تخلیق نہ ہو۔ اس کا آفاقی پیرایہ بیان کہیں اس کے اسمائی کتاب ہونے کی دلیل نہ بن سکے گا۔ اللہ رب العزت کی وسعت علمی اس ایکس کے سوا کسی میں نہیں۔ وہی ہے جو دلوں کے وسوسوں اور دلوں کی دھڑکنوں کو بغیر اس کے کہ دن کا کوئی اظہار کرے اندر سے جانتا اور پہچانتا ہے اب کتاب پاک میں جو غیبی خبر ملے گی وہ اس کے کتاب الہی ہونے کی دلیل ہوگی۔ کیونکہ آنحضرتؐ کا کہیں یہ دعوے نہ تھا کہ میں غیب جانتا ہوں۔

اس کے برعکس چل اعلان کے مکلف ٹھہرائے گئے۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایاں یبعثون۔

(نہج النمل ۶۵)

ترجمہ: آپ اعلان کر دیں کہ جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ غیب کو نہیں جانتا
ما سوائے اللہ کے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

قرآن کریم کی اخبار غیبیہ

علم الہی کا ظہور قرآن کریم میں مختلف صورتوں میں ہوا ہے۔

① مشرکین کہیں آپس میں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف کوئی تدبیر کرنے اور قرآن کریم اُسے بھی ظاہر کر دیتا۔

② منافقین اندر گھر چھپا کر اوپر سے اظہار اسلام کرتے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرما دیتے۔

③ مسلمانوں کے اپنے دائرہ میں اگر کہیں کبھی رادکی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دیتے

④ جو امور اس وقت کے نہیں آئندہ کسی دور میں کھلنے والے تھے قرآن میں مذکور ہوتے اور جب ان کا وقت آیا تو وہ اسی طرح ظاہر ہو کے جیسا کہ پہلے سے کہا گیا تھا۔

⑤ کافروں کے کچھ ایسے حالات کی خبر دی جن کا خلاف بظاہر وہ کہتے تھے لیکن انہوں نے دیکھا اور ہوا وہی جو قرآن کریم میں پہلے سے کہا گیا تھا۔

قرآن کی ان اخبار غیبیہ کا اس تک کوئی انکار نہیں کر سکتا یہ اس کی صداقت کی ایک سند کی شہادت ہے۔

ایک ناتواں اور بے سہارا انسان کا عروج

مکرم میں ایک شخص نہایت گمنامی میں پیدا ہوا، پیدا ہونے سے پہلے وہ یتیم ہو چکا تھا۔ ماں بھی اسے زیادہ پیار نہ دے سکی۔ کوئی خاندانی جاگیر یا جائداد نہ تھی جو اسے کچھ آگے لاسکے۔ عمر بچپن سے راندہ تھی جب اسے اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔ رات کا مسافر غاروں میں رکتا چپتا۔ صرف ایک ساتھی کو ماتھے

لیے مدینہ پہنچتا ہے اور پھر گنتی کے چند سالوں میں اس عروج پر پہنچتا ہے کہ ان مکہ والوں کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔ ان تمام حالات اور ایک ناتواں وجہ سہارا انسان کے اس طرح عروج پر آنے کی بات اگر قرآن کریم میں پہلے سے کہی گئی نہ کیا یہ قرآن کریم میں علم الہی کی جھلک نہیں اپنی طرف سے کوئی شخص ان حالات میں ایسی بات پہلے سے کہہ سکتا ہے؟

مداقت قرآن کی اس بحث میں ہم قرآن پاک یہاں چند خبریں عرض کیے دیتے ہیں۔
 ① مکہ والوں کو قرآن کریم کی آیتوں کو جھٹلانے کے خطرناک انجام سے اس طرح مطلع کیا گیا اور پھر دیا یہی ہوا جیسا کہ کہا گیا تھا۔ آپ مکہ میں تھے جب یہ آیت اتری اور کہا کہ متنبہ کیا گیا تھا۔

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكَ لَمَّا ظَلَمُوا رُسُلَهُم بِالْبَيِّنَاتِ مَا كَانُوا
 لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ۔ (آپ یونس ۱۳)

ترجمہ اور بے شک ہم ہمارے کچے بہت سی قوموں کو تم سے پہلے جب وہ ظلم پر آگئے اور آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر۔ اور وہ ہرگز ایمان لانے میں نہ تھے ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں گنہگار قوموں کو۔

غلبہ رسالت کا دوسرا اعلان

آپ مکہ میں اپنی مشکلات میں تھے کہ وحی اتری اور آپ کو بتایا گیا۔
 كَتَبَ اللَّهُ لَأَخْلِبَنَّ أَعْدَاءَ رَسُولِي۔ (آپ المجادلہ ۲)
 ترجمہ۔ انہوں نے یہ بات کہہ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے

غلبہ رسالت کا تیسرا اعلان

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۚ اَهُمْ لَعْنَةُ الْغَاصِقُونَ ۚ
 وَإِنْ جُنَدْنَاهُمْ لَفَالْبَوْنُ ۚ (آپ الصافات ۱ تا ۴)

ترجمہ اور بے شک ہماری بات اپنے بندوں کے بارے میں جو رسول ہوئے ہو چکی ہے کہ بے شک وہ منصور ہونے میں اور ہمارے لشکر غالب آکر رہتا ہے۔

آخری فتح اور کامیابی مخلص ہندوؤں ہی کے لیے ہے باعتبار محبت و رُہبان کے بھی —
 اور باعتبار ظاہر کی تسلط اور غلبہ کے بھی — ہاں شرط یہ ہے کہ جُند (فوج) فی الواقع جُند اللہ ہو —
 ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیں مہر کے ساتھ — آپ ان کا حال دیکھتے رہیں۔
 (علامہ عثمانیؒ)

آنحضرتؐ کو خبر کہ یہ تجھے مکہ سے نکال دیں گے

وان كادوا اليستغفرونك من الارض ليعرجوك منها واذ الامليلون
 خلفك الا قليلا۔ (پہلا جزا اسرائیل ۷۶)

ترجمہ: اور وہ تو چاہتے تھے کہ تجھے اس زمین سے نکال باہر کریں پھر وہ بھی تیرے
 پیچھے نہ ٹھہر سکیں گے مگر ایک قلیل مدت۔

مردارانِ مکہ نے آپ کو مکہ سے نکالنے کا ارادہ نہ کیا تھا قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا آپ
 کو پہلے سے بتلایا گیا کہ وہ تجھے قتل نہ کر سکیں گے تجھے نکلنا ہو گا وہ تجھے نکلنے پر لے آئیں گے
 — اس کی خبر خود نکالنے والوں کو بھی نہ تھی — مگر اس کے باوجود حضورؐ وہاں سے نکلے اور ان
 سب دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے۔ قرآن کریم نے اس سب عمل کی خبر
 پہلے سے آپ کو دے رکھی تھی — کیا یہ قرآن کے خدائی کلام ہونے کا نشان نہیں؟

② جنگ بدر کی فتح کی پیشگوئی

غزوہ بدر مسلمانوں کی پہلی جنگ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئے نئے مدینہ آئے تھے
 اور سلطنت اسلامی بالکل ابتدائی دور میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ناکامی اور اس کی آسمانی پکڑ
 کا ذکر کیا کہ کیا تمہارے کفار ان سے بڑھ کر ہیں کہ ان پر کوئی اُفتاد نہ آئے گی۔ اور ساتھ ہی
 بتلادیا کہ کافروں کی جمعیت ٹوٹے گی اور یہ اُنہی پاؤں واپس ہوں گے۔

ولقد جاء آل فرعون النذرہ کذبوا باياتنا کلمھا فاحذوھم اخذ
 عزیز مقتدرہ اکفادکم خیر من اولئکم ام لکم براۃ فی التوبہ

ام یقولون نحن جميع مقتصره سیهزرا الجمع دیوتون الذبرہ

(پکا القمر ۳۵)

ترجمہ اور بے شک فرعون والوں کے پاس ڈرانے والے آئے انہوں نے ہماری
سب آیات کو بھٹلادیا پھر ہم نے پکڑا جیسے کوئی زبردست پکڑتا ہے۔ اب جو
متہملے منکر ہیں کیا وہ ان (پہلے کافروں) سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے
کتابوں میں کوئی گارنٹی آتی ہے؟ — بے شکست کھائے گا یہ ان کا لاؤ لشکر
اور بھاگیں گے یہ پیٹھ پھیر کر

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ کمزور اور مٹھی بھر سلمان اسنے زبردست
دشمن کا کیسے مقابلہ کر لیں گے۔ پھر جب میں بے بد کے دن حضورؐ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو میں
نے محسوس کیا کہ آج وہ دن آگیا ہے جب یہ پیٹھ کوئی اپنے مورد پر کھلے گی۔ پھر سورۃ الدخان میں یہ
پیٹھ کوئی دوسرے الفاظ میں آتری اور اس کا مصداق بھی ظاہر ہوا۔

یوم نبطش البطشة الکبریٰ انا منتقمون۔ (حجۃ الدخان ۱۶)

ترجمہ جس دن ہم پکڑیں گے بڑی پکڑ بے شک ہم بدلہ لینے والے ہیں۔

فلما اصابتمہم الرفاہیۃ عادی الیٰ حاطہ حین اصابتمہم الرفاہیۃ

فاقرل اللہ تعالیٰ یوم نبطش البطشة الکبریٰ انا منتقمون قال

یعنی بدو بلہ

ان لوگوں سے یہ انتقام اللہ تعالیٰ کب لیں گے؟ فرمایا بدر کے دن۔

یہ آیات مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر صحابہؓ کو اس بات کی خبر کہ عنقریب تمہارے ہاتھوں
کو کے بڑے بڑے سردار مارے جائیں گے حضورؐ نے مدینہ منورہ آکر دی۔ اب ان پیٹھگوں کے
ظاہر ہونے کا وقت آگیا تھا۔ آپؐ نے بدر کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے بتا دیا تھا کہ فلاں
فلاں سردار فلاں فلاں جگہ قتل ہو گا اور کل اُلوہیل کی لاش فلاں جگہ پڑی ملے گی۔

پھر وقت آیا کہ دُنیا نے دیکھا کہ جو کچھ قرآن کریم نے کہا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا اور

کوکے بڑے بڑے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

کیا یہ قرآن کی کھلی صداقت نہیں کہ نئی سبقتیں بنانے والے سچی پھر مسلمانوں نے عرب میں یہ انقلاب آفرین جنگ لڑی اور بتا دیا کہ وہ اللہ کے وعدے پر کھڑے ہیں اور یہ کہ اللہ اپنے وعدے کو کبھی بلا اسباب بھی پورا کرتا ہے اسباب اس کے ماتحت ہیں وہ اسباب کے ماتحت نہیں ہے۔

③ نکلنے وقت پھر آنے کا اعلان پہلے کر دیا گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلے تو اس سے پہلے آپ کو پھر آنے کا یقین پہلے دیا جا چکا تھا آپ کی واپسی پھر سے آنا پہلے مذکور ہوا اور نکلنا بعد میں۔ یہ اس یقین کا ترجمان ہے کہ آخری فتح پھر آپ کی ہوگی۔

وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مدخل صدق واجعل لی من
لذاتک سلطاناً نصیراً وقل جلد الحق وزهق الباطل ان الباطل کان
زهوفاً (پہلا جزو اسرائیل ۸۰)

ترجمہ۔ اور آپ کہیں اے رب مجھے داخل کر سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا
اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی سی مدد۔ اور آپ کہہ دیں آیا
ہے حق اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ ہے ہی بھاگنے والا۔

بعض مفسرین نے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ یہاں داخلے سے مراد مدینہ منورہ میں داخلہ
ہے کہ اے اللہ جہاں مجھے پہنچانا ہے منہایت اُبرو خوبی اور خوش اسلوبی سے پہنچا اور مجھے یہاں
کو سے نکلا بھی اُبرو خوبی اور خوش اسلوبی سے میسر آنے اس قدرت میں بھی داخلہ مدینہ پہلے مذکور ہے
اور مکہ سے نکلنا بعد میں۔ سرباں طہ بھی یہ اس بات کی خبر ہے کہ آپ کے لیے ہر نئی منزل پہلے سے
بہتر ہوگی اور یہ بات پہلے سے قرآن کریم میں کہہ دی گئی تھی۔

مادۃ عن ربک وما علیہ ولا منفرۃ غیرک من الذلّی۔ (پہلا فضلی)
ترجمہ تجھے تیرے رب نے چھوڑ نہیں دیا نہ وہ تجھ سے میزار ہوا اور تیرے لیے ہر
بعد کی گھڑی پہلے سے بہتر ہوگی۔

مکہ کی زندگی میں جب مسلمان نہایت بے کسی اور ناقصی کی حالت میں تھے اس وقت اس فخر کامرانی اور شاندار مستقبل کی خبر دینا اور اس کا کھلا بیان کیا صداقت قرآن پر ایک کھلی دلیل نہیں؟

۴) مکہ کے بعد مدینہ کے مخالفین کی پسپائی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ آئے تو وہاں دو اسماعیلی قبائل اوس اور خزرج اور اسرائیلی قبائل بنو قینقاع بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ اوس اور خزرج دونوں مسلمان ہو گئے اور اسرائیلیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امن سے رہنے کا معاہدہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی تبلیغ جاری رکھی اور انہیں آخرت کی پکڑ سے برابر ڈالتے رہے۔ ایک دن آپ نے بنو قینقاع کے بازار میں ایک جلسہ کیا اور سچے دین کی دعوت دی اور فرمایا اگر تم نے سچ قبول نہ کیا تو تم بھی کہہ والوں کی طرح تباہی اور ہلاکت میں گر دے گے۔

اس وعظ نے یہودیوں میں حلقی پر تسل کا کام دیا وہ پہلے سے مسلمانوں کی اس بہار پر سخت نالاں اور پریشان تھے۔ اب انہیں حضورؐ سے کھلے بدلہ تو تو اور میں میں کا موقع مل گیا یہودیوں اور مسلمانوں کے اس اٹھتے تنازع میں قرآن کریم نے خبر دی۔

قل للذين كفروا استغلبون وتحشرون الى جهنم وبئس المهاد.

(پہلے اہل قرآن ۱۷)

ترجمہ: آپ کافروں سے کہہ دیں عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور تم جہنم لے جاؤ گے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی کہ تم ان یہودیوں کے مقابلہ میں بھی جیتو گے اور وہ عنقریب مغلوب کیے جائیں گے۔

عنقریب سے مراد کیا ہے؟ بہت جلدی۔ ابھی اس جلسہ کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ یہودیوں نے اپنے بازار میں ایک غریب مسلمان کو قتل کر دیا اور معاہدہ کی کوئی پروا نہ کی، بس پھر کیا معاہدہ ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے کا وبال بھی انہی کے سر آیا۔

۱۔ راہ ان کثیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما دلتنا ان کثیر مکرہ

مسلمان بڑھتی تھی ان میں محمدؐ پہ بند ہو گئے۔ یہ واقعہ بتول علامہ ابن خلدون جنگ بدر سے صرف دو تین ماہ بعد کا ہے۔

مسلمانوں نے پندرہ روز تک محاصرہ قائم رکھا اور سولہویں دن یہودیوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور واپس گئی جو قرآن کریم میں ان کے مغلوب ہونے کی گئی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کو سزائے موت نہ دی لیکن مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور وہ شہر چاکر آباد ہوئے اب ان کی تمام قوت خیر میں جمع ہوئی۔ قرآن پاک کی مذکورہ بالا خبر کا اتنا جلد پورا ہونا صداقت قرآن کا ایک کھلا نشان ہے کہ جو کچھ کہا ہو کہ رہا۔

قرآن کریم کا غیر معمولی جذب و عمل

قرآن کریم باوجودیکہ ایک کتاب ہے اور الہی کلام ہے جو انسانی زبان پر دن رات اُترتا ہے مگر اس میں ایک عجیب جذب و عمل ہے جس کو مجذوب بھی نہ پاسکے اور معمول بھی نہ سمجھے اور یہ اس کی ایک غیر شعوری انجذابی تاثیر ہے۔

اس کے پہلے مجذوب وہ حفاظ کرام ہیں جو اس کی چند سطروں پر پیرہ وفا دینے کے لیے بیٹھے مگر پھر پوری کتاب یاد کر کے دم لیا۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ عمل مشقت آخر کس لیے ہے :-

① کیا دینی نقطہ نگاہ سے اسے یاد کرنا فرض عین ہے ؟ نہیں۔
② غیر عرب مسلمانوں کے لیے جو اس کی زبان نہ سمجھیں اسے لفظاً لفظاً یاد کرنا کیا کوئی اہم کام ہے ؟ نہیں۔

③ جس کتاب میں بہت سے مشابہ ہوں جس کے الفاظ ملتے جلتے ہوں اسے یاد کرنا کیا کوئی اہم کام ہے ؟ نہیں۔

④ کیا حافظ کے لیے اس منزل کے تمام ہونے پر دنیا میں کوئی قومی انعام یا اعزاز موعود ہے ؟ نہیں۔

⑤ غلط کمال ہو لے پر کیا اس کی روز و رز کی مشقت ختم ہو جاتی ہے؟ نہیں ساری عمر اسے دور باقی لکھا ہوتا ہے۔

اتنی محنت اگر وہ کسی اور کاروبار پر لگائے یا دنیوی علوم پر لگائے تو کیا کچھ نہیں کہا سکتا اور اور کون سا احساس پا نہیں سکتا۔ ان تمام حالات پر نظر رکھنے کے باوجود والدین جو بچے غلط قرآن کے لیے مدارس میں داخل کرتے ہیں ان کی تعداد ہر بڑے شہر میں سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ ہر مدرسہ میں سب سے زیادہ تعداد اپنی مجددین کی ہوتی ہے جنہیں قرآن اپنے غیر معمولی جذب و عمل سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اس کے بچے کوئی دنیوی غرض نہیں یہ قرآن کریم کی اپنی کشش ہے کہ لاکھوں انسان یہاں مستقبل میں کوئی روشنی دیکھے بغیر اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور دن بدن ان کی تعدادیں اضافہ ہو رہی ہے۔ کیا یہ قرآن پاک کی صداقت کا کھلا نشان نہیں؟ — فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عرب کے اُمتی کی پیشکش

کتاب لکھنا اور پھر ایک نظر پائی کتاب لکھنا کئی ایسا کام نہیں جو ہر آدمی روز اور روزگار کے اس کے لیے سالوں کا تجربہ اور ایک پورا سا زندگی کا ماحول درکار ہوتا ہے جن لوگوں کو کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھانا پڑا، وہ جانتے ہیں کہ پہلے بمشکل مسودہ تیار ہوتا ہے پھر اسے صاف لکھ کر مبیضہ بناتے ہیں۔ پھر لکھنے والے کے اپنے بدلے خیالات اسے حک و اضافہ اور تبدیل و ترمیم کے بہت مشکل گزارستوں میں لے جاتے ہیں تب کہیں یا کہ کسی کتاب کے نقوش چمکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام راہوں سے کوئی اُمتی نہیں گزر سکتا۔ خصوصاً جب کہ اس کی عمر نصف صدی کے قریب پہلے سے پہنچ چکی ہو۔

لکھنا پڑھنا ہمیشہ پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہوتا ہے اور وہی ہیں جو اپنے قلم و کاغذ کو مسائل سمجھتے ہیں۔ یہ سبھرت اگر کسی درگاہ میں لکھنا پڑھنا سیکھے ہوئے پھر بھی ان مخالفین کے لیے اس حک و اضافہ اور تبدیل و ترمیم کے مراحل دیکھنے کے لیے دیکھنے کا یا لانا تھا کہ آپ اسے

اُس کلام کو) خود ترتیب دے رہے ہیں یہ جانتے ہیں کہ آپ امی ہو کر ایک ایسا کلام لکھا رہے ہیں جس میں کوئی سطر محک و اضافہ کی منزل سے نہیں گزرتی۔

ما صحت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولكن جعلناه قورا هدى به
من فناء من عبادنا۔ (پیش روی ۵۲)

ترجمہ۔ اور آپ نہ جانتے تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہے ایمان۔ لیکن کیا ہے
ہم لے اے ایک روشنی راہ بتاتے ہیں ہم اے جسے چاہیں اپنے بندوں
میں سے۔

وما صحت تتلا من قبله من کتاب ولا تحفظه بيمينك اذا لا رقاب
المبطلون۔ بل هو آيات يتلوت في صدور الذين اوتوا العلم۔
(رَبِّ الْعَلَكِيَّتِ ۴۸)

ترجمہ۔ اور آپ اس سے پہلے کوئی لکھا نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ
سے کچھ لکھ سکتے تھے ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے پر شک میں پڑ سکتے تھے بلکہ یہ تو
آیتیں ہیں صاف صاف ان لوگوں کے سینہ میں جو علم دیئے گئے۔

پھر یہ کتاب ایک ایسے اسلوب style میں پیش ہوئی کہ اس اسلوب کی کوئی کتاب
پہلے کہیں دیکھی نہ گئی تھی یہ اس مسائل کی پہلی اور آخری کتاب ہے یہ صورت ظہور کیا خود اس کتاب
کے الہامی ہونے کا نشان نہیں، مگر ان کی حکمت و صداقت کا اس سے بڑا نشان اور کیا ہو گا؟ فاعبدالوا
یا اولی الابصار۔

۲۔ حضرت پر قرآن کا حسی اثر

اپنے ترتیب دیئے ہوئے کلام کا اپنے اور کبھی کوئی حسی اثر نہیں ہوتا۔ ۱۔ حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نماز میں جب قرآن پڑھتے تو آپ پر خود اس کلام کا وہ اثر ہوتا کہ دیکھنے والے ایک لمحہ کے لیے
اس تصور کو راہ نہ دے سکتے تھے کہ یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہو گا ایک پوری کی پوری رات آپ
نے ایک آیت پر اسے بار بار پڑھتے گزار دی۔

ان تعدّ بهم فاعلم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔ (پہ لمانہ ۱۱۸)

ترجمہ۔ اگر تو انہیں عذاب دے تو میرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو قوت رکھنے والا ہے اور حکمت والا۔

① ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو فرمایا مجھے قرآن سننا آپ نے سورۃ نساؓ پر مبنی شروع کیا جب حضرت عبداللہؓ اس آیت پر پہنچے۔

فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئناك على هؤلاء شهيدا۔

(پہ لمانہ ۳۱)

ترجمہ۔ پھر کیا حال ہو گا جب ہر قوم سے ایک گواہ اور ہر قوم سے ایک گواہ لوگوں پر گواہ۔

تو آپ نے فرمایا میں نہ رک جاؤ۔ اور آپ کے آنسو جاری تھے۔

فاذا عيناها تذر خان۔

ترجمہ۔ اور آپ کی دونوں آنکھیں آنسو گر رہی تھیں۔

② تہجد کے وقت آپ اکیلے سوتے تھے عام طور پر پاس کوئی نہ ہوتا تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت مطرف بن عبداللہ بن اشجینہؓ آپ کے پاس سے گزرے۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا سینہ رونے کے باعث جوش مار رہا ہے جیسے دیگی میں پانی اُبلتا ہو۔

كان يصلي ولجوه اذير كاذير المرجل من البكاء۔

ترجمہ۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے رونے سے آپ کے سینہ سے ایسے

ہوا زار رہی تھی جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔

③ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ایک رات آپ اٹھے وضو فرمایا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ کہتی ہیں۔

فلم يزل يبكي حتى بلّ حجره۔ وكان جالسا فلم يزل يبكي حتى بلّ لحيتہ۔ ثم بکی

حتى بلّ الارض۔

قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے جسے فرمایا تو اس میں بھی روئے پھر سجدہ فرمایا تو سجدہ میں بھی اسی قدر روئے پھر سر اٹھایا اور مسلسل روئے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی حضرت بلال حبشیؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے بلایا آپ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری ہیں عرض کی یا رسول اللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرما چکا آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں آج کی رات مجھ پر یہ آیت اتری ہے ۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الليل والنهار الآية (پک آمل عمران ۱۹۰)
آپ نے فرمایا اس شخص کا کیسے بھلا ہو گا جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس میں غور و فکر نہ کر سکا بلکہ

کلام الہی کا آپ پر حسیہ اثر تیار ہا ہے کہ یہ کلام اللہ کا ہے آپ کا اپنا بنایا ہوا نہیں اپنے تائیت کردہ کلمات کبھی اپنے آپ پر یہ اثر نہیں چھوڑنے خصوصاً جب کہ اس کے پیچھے تہمت کا مجھلا احساس ہو گیا اس قسم کے واقعات صد اقب قرآن کے کھلے نعوش نہیں و — آنکھوں والا عبرت حاصل کرو۔

وحی اترتے وقت سردی میں پسینہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی مجمع عام میں بھی وحی آجاتی۔ سخت سردی کا موسم ہوتا تو اس میں آپ کے رخسار پر پسینے کے قطرے نظر آتے لگتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں ۔
لقد رأيتہ ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه وان
بعينه ليتفصده عرقاً ۔

ترجمہ میں نے آپ کو سخت سردی کے دن میں وحی اترنے کی حالت میں دیکھا۔ وحی کی حالت جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا۔

کیا یہ صداقتِ قرآنِ حقانیت، وحی اور صدقِ رسول کے کھلے نشانات نہیں ہیں؟ پسینے کی آمد غیر اختیاری ہوتی ہے خصوصاً جب کہ گرمی کا موسم نہ ہو۔ قسح اور بناوٹ سے تو پسینہ نہیں اُتتا جاسکتا۔

وحی اُترتے وقت کلام کا ثقل اور بوجھ

کلام کا ثقل و بوجھ خود آپ کے بدن مبارک کو متاثر کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو تیار کر رکھا تھا انا سَلَقَ عَلَیْكَ قَوْلًا فَنفِیًا اور وحی سے آپ کا وزن اس قدر بڑھ جاتا کہ گویا یہ بدن پہاڑ ہو ایک دفعہ آپ کا سر مبارک حضرت دید بن ثابتؓ کی ران پر تھا کہ وحی آنا شروع ہو گئی۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں:-

كَادَتْ فَخْذِي أَنْ تَرُضَ بِلَهُ

ترجمہ: قریب تھا کہ میری ران بوجھ کے دباؤ سے ٹوٹ جاتی۔

حضرت ام المؤمنینؓ کہتی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر جا رہے تھے کہ وحی نازل ہونا شروع ہو گئی اونٹنی بوجھ تلے ذب کر بیٹھ گئی اور اسے کئی لوگوں نے دیکھا۔

وحی اُترتے وقت چہرے کی رنگت

صفوان بن یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد یعلیٰ نے حضرت عمرؓ سے عرض کی کہ جب کبھی آنحضرتؐ پر وحی آئے مجھے بھی وہ موقع دکھا دیں۔ پھر ایسا اتفاق ہوا آپ مقامِ حیران میں تھے کہ آپ پر وحی نازل ہونے لگی حضرت عمرؓ نے ایک کپڑے سے آپ کے چہرے کو ڈھانپ دیا اور یعلیٰ کو اشارہ کیا آگے آؤ۔ وہ آگے نکلے اور انہوں نے اپنا سر اس چادر میں داخل کیا جو حضورؐ کے چہرے پر تھی۔ آپ کہتے ہیں:-

فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحْتَرُ الْوَجْهِ وَهُوَ يَقْطَعُ ثَمَّ مَسْرًى عَنَّا

ترجمہ: کیا دیکھتے ہیں کہ حضورؐ کا چہرہ شرمسور ہو رہا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں

پھر یہ کیفیت آپ سے جاتی رہی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

جب وحی کا نزول شروع ہوتا تھا تو پہلے ایک آواز گھنٹی کی سی آپ سُنتے تھے۔ پھر سی آواز میں بدول اعتماد دماغ کے طرف اور کلمے خارج ہونے لگتے تھے اور وہ آواز تیر اور تندر اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تاثیر کرتی تھی کہ آپ کے حواس ظاہری اور باطنی بالکل اس عالم سے منقطع ہو کے اس عالم کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور ایسی حالت آپ پر ظاہر ہو جاتی تھی جس طرح روح بدن سے کھینچی ہے اور بدن کے تمام اعضاء کی روح میں کھینچ کے دماغ کی طرف جو فہم اور حافظہ کی قوت کا عمل ہے چڑھ جاتی تھیں.... آپ کو پیشانی مبارک پر پسینہ آجاتا تھا اور آپ بے ہوش ہو جاتے تھے.... وحی نازل ہونے کے وقت اگر آپ اونٹ یا گھوڑے یا کسی اور جانور پر سوار ہوتے تھے تو وہ جانور گر پڑتا تھا مگر ایک اونٹنی خاص آنحضرت کی جس کا نام عنباء اور قصواء تھا وہ گرتی نہ تھی لیکن اپنے پاؤں کو ٹیڑھا کر کے زمین پر ٹیک دیتی تھی اور گرتی نہ تھی.... اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی آنے کے وقت کسی کی ران پر ٹیکہ دیے ہوتے تھے تو اس ران کے ٹوٹنے کا خوف ہوتا تھا اور آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور دم چڑھنے لگتا تھا اس طرح سے اس کی آواز معلوم ہوتی تھی بلکہ

قرآن کا سرلیج الاثر انقلاب

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی اثر کو دیکھنے کے لیے ملک عرب کے دو پہلے اور کچھلے دوروں پر نظر کریں۔

① عرب قبل القرآن اور

② عرب بعد القرآن

یہ بعد کی دنیا اگر واقعی ایک نئی دنیا ہے تو یہ قرآن کے سرلیج الاثر انقلاب کے باعث ہے۔

عرب قبل القرآن

عرب میں کوئی ملکی نظام نہ تھا۔ ملک میں ایک نظام باہمی ربط و اتحاد کے بغیر کبھی عمل میں نہیں آسکتا۔ عرب باہمی اختلافات اور باہمی تفرق کے احساس میں اتنے گھبرے ہوئے تھے کہ وہ اپنے ہاں کوئی نظام قائم نہ کر سکتے تھے۔ قبائل کے اپنے اپنے حلقے اور ان کے اپنے اپنے سردار تھے عرب ایک محدود ممالک تھا اس کے ارد گرد کے عرب ممالک اردن عراق مشرق شام فلسطین اور امارات ان دنوں عرب ممالک نہ تھے ابھی وسیع عرب دنیا نہ بنی تھی۔

عرب میں کوئی ایک تعلیمی نظام نہ تھا اس پاس کے علاقوں میں یہ لوگ اُمیتین (ان پڑھ) کے نام سے مشہور تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد یہودی قبائل انہیں اُمیتین کہہ کر ذکر کرتے تھے اور خود یہ اہل کتاب (پڑھے لکھے) سمجھے جاتے تھے۔

نہ وال مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی

پھر یہ کوئی ذراعتی ملک نہ تھا ایک واحد غیر ذی ذریعہ ریگستان تھا نہ کوئی معدنی دولت تھی بنجر زمین تھی بڑے بڑے صحرا تھے جن میں بلا سموم چلتی تھی جس میں اونٹ تک اپنے نتھنے ریت میں چھپا لیتے تھے۔ اس وقت کسی کو علم نہ تھا کہ آئندہ یہ زمین کتنی معدنی دولت اُگلے گی اور کس طرح یہاں پٹرول کی نہریں دریافت ہوں گی۔

ان کے پاس صرف ریگستان کا جہاز (اونٹ) تھا جن سے آبادیاں (دھرم و متھری ہوتیں

اور کہیں تاجر سفر کرتے۔

بات بات میں یہ لڑ پڑتے اور سالہا سالہا ان کی جنگیں رہتیں۔ مدینہ کے دو بڑے قبیلے اس اور خزرج تھے اور دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے ان کے آپس میں قریب ہونے کا تصور تک پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

اقتصادی حیثیت سے اس درجہ پر بھی کہ پتھر کے بتوں کی پرستش کرتے مختلف تھانوں پر ان کے نام کی قربانیاں کرتے۔

جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور اڑتے پرندوں سے شگون لیتے تھے۔

اذا كان الغراب دليل قوم سيهد بهم طريق الهالكين
معاشرت اس قدر تباہ تھی کہ کئی لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے، عورت کا معاشرے میں کوئی مقام نہ تھا نہ وہ اپنے باپ کی وارث ہو سکتی تھی نہ خاوند کی۔ اسے ہمیشہ دوسرے درجہ کا شہرہ سنبھانا تھا۔

بس ایک زبان تھی جس پر انہیں ناز تھا۔ اپنے سوا باقی ساری دنیا کو وہ عجی کہتے تھے۔ شران کا فکری شعور تھا اور حافظہ ان کا بلا کا ہوتا تھا۔ شراب ان کا نشہ تھا اور اسی حالت میں ہی وہ دُعت رہتے تھے۔

عرب بعد القرآن

اب عرب بعد القرآن کا جلوہ بھی دکھئے۔

عرب جو اپنی پوری تاریخ میں اتحاد بنا سکتے تھے اب ایک قوم ہو گئے۔ جو آپس میں دشمن تھے مدینہ سے لے کر مکہ تک سب ایک جان ہو گئے۔ قرآن کریم نے عرب کی اس بدلی حالت کا نقشہ کھینچا ہے :-

واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالتف بين قلوبكم

فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فاذا قدكم

منها۔ (پہلے آل عمران ۱۰۴)

ترجمہ اور تم نعمت الہی یاد کرو جو تم پر ہوئی تم پہلے آپس میں دشمن تھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل جڑ دیے تو اس نعمت الہی سے تم بھائی بھائی بن گئے تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے اس نے تمہیں وہاں سے پیچھے نکالا۔

قرآن کریم سے ان کو علم کی وہ دولت ملی کہ انہوں نے عرب کے پورے مضافات کو اپنی سرحد میں لے لیا۔ وہاں باقاعدہ علمی ادارے قائم ہو گئے اور افراد اور قوموں میں انصاف کرنے کے لیے عدالتیں قائم ہوئیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ان دونوں دھڑوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

قد اتي علينا ذمنا لسانا ففنى ولسنا هنالك ثم ان الله عز وجل قدر علينا

ان بلغنا ما نريد فمن عرض له منكم قضاء فليقض بما في كتاب الله

ترجمہ ہم پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ ہم عدالتیں قائم نہ کرتے تھے اور نہ ہم

اس کے اہل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری قسمت بدلی ہم اس مقام پر آئے کہ

ہم دیکھ رہے ہو سو جب کبھی تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے تو فیصلہ قرآن کریم سے کرنا۔۔۔۔۔ الحدیث

خوشیچہ جنہوں نے کبھی کوئی سلطنت نہ کی تھی وہ جہاں بان اور جہاں آرا ہوئے۔

عرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرائیں کیا تھیں

جہاں دارو جہاں گیر و جہاں بان و جہاں آرا

جہاں بیٹیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں وہاں بیٹی گھر کی عزت بنی۔ باپ کی شفقت ٹھہری

اللہ تعالیٰ نے خود حضرت خاتم النبیینؐ کی نسل کو بیٹی سے باقی رکھا عورت کو معاشرے میں ایک مقام

علا سے پردے کی عزت دی گئی جس سے اشرف کی عورتیں سچائی جاتی ہیں اسے باپ کی جائداد

میں وارث قرار دیا گیا۔ آئندہ اس پر اپنے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہ ہوتی تھی اس لیے اسے

راکے سے نصف حصہ دیا گیا۔ یہ وہ فطری رعایت تھیں جن کی طرف قلوب و اذان بڑی جلدی سے

کچھ چلے گئے۔ اخلاق سوز چیزیں شراب اور جوئے کو یکسر حرام ٹھہرایا گیا۔ مال و جان اور عزت

ایک دوسرے کے لیے لائق تحکیم ٹھہرائے گئے۔ حضرت خاتم النبیینؐ نے کھلا اعلان فرمایا کہ میری

بعثت اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے۔

بعثت لاقسمہ مکام الاخلاق۔

اور یہ بھی فرمایا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے جہاں یہ ذمہ داری بیان کی کہ آپ ان لوگوں پر قرآن کی آیتیں پڑھیں وہاں یہ ذمہ داری بھی آپ کے سپرد ہوئی کہ ایک ایسی قوم بنائیں جن کے دل پاک ہو چکے ہوئے ہوں۔ ایسا کیوں؟ یہ اس لیے کہ قرآن بے شک ایک عظیم کتاب ہے وحی الہی ہے مگر اس کے ساتھ اٹھنے والی ایک قوم چاہیے جو اسے لے کر دنیا میں قرآنی انقلاب قائم کرے یہ عرب بعد قرآن کی حالت ہے۔ اب ذرا آگے چلیں اور دیکھیں کہ اس قوم نے کس وسعت جرات اور سمیت سے اس دنیا کی جغرافیائی سرحدیں عبور کیں اور دنیا میں ایک خلافت کا نظام قائم کیا۔

قرآن کا پوری کائنات کو ایک نظام میں لانا

قرآن کریم نے بنی نوع انسان کی غایت آفرینش خلافت ارضی بیان کی ہے۔

واذ قال ربك للملكة اني جاعل في الارض خليفة۔ (پ البقرہ)

ترجمہ اور جب کہا ترے رب نے فرشتوں کو میں زمین میں ایک خلیفہ

بنادوں گا۔

اس زمین پر جہاں جہاں خدا کی خدائی کا چرچا ہے ضروری ہے کہ انسان خدا کی نیابت میں (جو خلافت کا حاصل ہے) وہاں قرآنی معاشرہ قائم کرے۔ پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا تصور یہی قرآن کا نظریہ خلافت ہے یہ تصور اس وقت دیا گیا جب دنیا قابلِ علاقوں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرب میں ایک ایسی قوم تیار کر لی جو علم کا نور اور تزکیہ قلب کی دولت رکھتی تھی تو اس قوم نے (مذہب کی اشاعت کے لیے نہیں) دنیا سے ظلم کا خاتمہ کرنے اور اور ایک اللہ کی حکمرانی قائم کرنے کے لیے، انسانوں کی حکمرانی توڑنے کے جغرافیائی سرحدوں کو عبور کرنا چاہا اور بڑی سمیت اور استقامت سے وہ اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کر گئے۔

عرب کی یہ نوزائیدہ سلطنت دنیا کی دو عظیم متمدن سلطنتوں روم اور ایران سے بیک وقت ٹکرائی اور قیصر و کسریٰ کی یہ دو عظیم سلطنتیں اس نئی قوم کے آگے سرنگوں ہو گئیں، دیکھتے دیکھتے مسلمان یمن، فلسطین، عراق اور مصر و شام پر اپنا پرچم لہرانے کے لیے ان ممالک میں جا پہنچے اور خلافت کی وسعت چین سے آگے جنوبی فرانس تک جا پہنچی۔ پھر ان ممالک میں مسلمانوں نے بادشاہی نہیں کی خدا کی نیابت میں خلافت کے ماتحت ممالک کو غلام بنانے کا تصور نہیں دیا امت مسلمہ کے ممبر بننے کا نعتیں دلایا، خلافت کی بنیاد پر مسلمانوں کا عقیدہ مملکت یہ تھا۔

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدا ہے ما است
مسلمان دنیا میں پہلی قوم ہے جس نے پوری دنیا کو ایک نظام میں لانے کا پروگرام پیش کیا یہ نظام عمل Code of life دنیا کو کس نے دیا؟ قرآن نے
صد اقت قرآن کی اس سے زیادہ روشن دلیل اور کیا ہوگی کہ اس نے پوری دنیا کو ایک وحدت کا شعور دیا انسان کو زندگی کا شعور دیا اور مذہب کو صرف آخرت کی نجات کے لیے نہیں دنیا میں بھی اسے ایک باعزت اور باآبرو زندگی کا درجہ دیا اسے زندگی کا سبق (درس حیات) اور لائحہ عمل کہا۔ قرآن نے اس تصور کو ختم کرنے کے لیے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کر دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کر دے ایک عہد ساز کام کیا

پہلی کتابوں میں قرآن کی صداقت کے نشان

قرآن کریم میں پہلی کتابوں کے حوالہ سے ۲ شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے نشانات میں ایک نشان یہ دیا گیا تھا۔

یضع عنہم اوصیاءہم والاعلال التی کانت علیہم (پہلے اوصیاء کا جڑو)
ترجمہ: وہ پیغمبر قوموں کے بوجھ اتارے گا اور وہ طوق (غلامی کے) جواں پڑالے گئے انہیں اتارے گا۔

قوموں کے بوجھ اتارنا اور انسانی غلامی کے طوق جواں کے گٹھے میں پڑے ہوئے تھے، انہیں کھولنا اسی پیغمبر کا کام ہو سکتا ہے جس کی رسالت میں الاقوامی ہو۔ پوری زمین پر اس کی عدالتیں

قائم ہیں اس کی آواذ ممالک کے صرف اند تک نہیں جزیرہ تک پہنچے اور اس کے پاس ایک شریعت ہو جسے وہ نافذ کرے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس میں الاقرامی شان کے پیغمبر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ آپ عرب و عجم اور ہر کالے گورے، اسود و احمر کی طرف بھیجے گئے ہیں اور دلّ العالمین فذیلاً آپ سب جہانوں کے لیے نذیر بن کر گئے۔
موجودہ بائبل جس شکل میں بھی ہے اس میں حضور کی رسالت کے یہ علی نقوش صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھے ہیں۔

دیکھو! میرا خدام جس کو میں سمجھتا ہوں، میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے میں نے اس پر اپنی روح ڈالی وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آوازیں سنائی دے گی وہ مسکے ہوئے سر کندھے کو دتوٹے گا اور ٹھٹھاتی جی کو نہ بھلائے گا وہ راستی سے عدالت کرے گا اور ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے

اندھوں کی آنکھ کھولے اور امیروں کو قید سے چھڑائے اور ان کو بوندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے۔

اے سمندر پر گزے والو اور اس میں بسنے والو! اے جزیرہ اور ان کے باشندو خداوند کے لیے نیابت کا ذمہ زمین پر سرتاسر اسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اس کی بسینیاں قیدار کے آباد گاہوں اپنی آوازیں بلند کریں سلع کے بسنے والے گیت گائیں پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے لکھائیں وہ خدا کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اس کی ثنا خوانی کریں۔
اس پیشگوئی میں یہ امور ملحوظ رکھیں۔

① قیدار کا لفظ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے۔

(پرانام عہد نامہ تواریخ ۲۰۱)

اب آپ نو ذلیل کریں قیدار کے آباد گاؤں شام میں ہو سکتے ہیں یا عرب میں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مسکن بنا تھا۔

② سلج بھی مدینہ منورہ میں معروف پہاڑ ہے۔

③ عدالت کو پوری زمین پر قائم کرنا یہ وہ قصہ غارت ہے جو اسلام نے دیا۔

یہ ایک بین الاقوامی نبوت کی خبر ہے۔ سمندروں پر سے گزرنا اور جزیروں کو آباد دینا کسی ایسے جی کا کام نہیں ہو سکتا جو کسی ایک قوم یا کسی ایک نسل کے لیے بھیجا گیا ہو۔

پرانام عہد نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الاقوامی نبوت کی اور عرب کے صحرا داروں کی بر قیدار کی بستیوں کی، سلج پہاڑی کی، روئے زمین کی عدالتوں کی اور بستے جزیروں کی خبر دیتا ہے اور قرآن بتاتا ہے کہ قوموں کے بعد حضور خاتم النبیینؐ نے چلکے کیے اور غلامی کے طرق اُن کے گلوں سے آپ نے اُنارے ایک بین الاقوامی دعوت دی اور تاریخ نے اس کی حرف بحرف تصدیق کی۔ کیا یہ قرآن کریم کی صداقت کے کھلے نشانات نہیں؟ فاعتبوا یا ادلی الا بصار۔

یہ پہلی قوموں کی رو سے صداقت قرآن اور صدق رسالت کی خبریں ہیں۔ لیکن کن کے لیے جن کا دل ہوا اور وہ ادھر کان لگا دے اور وہ خود اس پر گواہ ہو۔

صرف قرآن پیرایہ فطرت میں اسماعیلی آواز ہے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے اور اس نے کائنات کو جو فطرت بخشتی اس کے مطابق وہ یہاں اپنے بندوں کی زندگی چاہتا ہے۔ مگر اسماعیلی کتاب وہی ہوئی چاہیے جو فطرت کے ان تقاضوں کے مطابق ہو۔ ہم یہاں ان کا ایک مختصر خاکہ دیہ قارئین کے لئے ہیں۔

① اس کی تعلیم ممکن العمل ہو اسکلن بشری سے باہر نہ ہو۔

② اس کی تعلیم قانون فطرت کے مطابق ہو خلاف فطرت نہ ہو۔

③ اس کی تعلیم عقل انسانی سے ہم آہنگ ہو خلاف عقل نہ ہو۔

- ④ اس کے داعی اور اس کے ساتھیوں کا خود اس تعلیم پر پورا عمل ہو۔
- ⑤ اس کا داعی ہر لوگوں کو گناہوں سے بچنے کو کہے خود معصوم ہو۔
- ⑥ اس کی دعوت اور عمل میں قول و فعل کا تضاد نہ ہو۔
- ⑦ اس کا داعی فضائل حمیدہ اور صفات پسندیدہ کا حامل ہو۔
- ⑧ فضائل چہارگانہ حکمت عدالت شجاعت اور عفت رکھتا ہو۔
- ⑨ اس کے داعی کا علم فرست کو اور عمل سخاوت کو پہنچا ہوا ہو۔
- ⑩ جتنا عروج ملتا جائے اتنا اور خدا کے آگے جھک جائے۔

یہ دس فطری تقاضے ہیں جو بنی نوع انسان کو قرآن کے گرد جمع کر رہے ہیں۔ پیسے ہندوستان کی پوری آبادی ہندو تھی۔ جب اسلام بیاں آیا اور یہاں کے لوگوں نے پیرائےِ حضرت میں یہ آسمانی آواز سنی تو وہ ہلا ترزدہ اور کچھے چلے آئے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم فطرت کے تقاضوں کے مطابق نہ تھی ان کا مذہب مذہب لوگوں کو نفس کشی اور سادھوں کی سی زندگی پر لانا تھا۔ بدھوں کا مذہب بھی لوگوں کو بدھو بنانا تھا۔ عیسائیوں کی مذہبی تعلیم بھی ربانیت (ترک دنیا) پر مبنی تھی۔ مذہب کی اس کشمکش میں قرآن کی فطری دعوت کو دیکھئے کس طرح مارت کو فطری کے پیر میں جگہ دی ہے۔

کلیسا کی بنیاد ربانیت تھی سماقی کہاں اس فطری میں میری
یہ اعجاز ہے اک صحرا نشین کا بشیری ہو اہمند دارنذیری
اب آپ دیکھیں کہ موجودہ انجیل کیا انسان کو وہ زندگی بیا کرتی ہے جو فطرت کے
ان تقاضوں کے مطابق ہو اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ جو یہاں گہری اپنے پیرائے عمل
میں انسانوں کو کھینچتی ہے یا انہیں اپنے گھروں سے نکالتی ہے۔
ہماری بیان کردہ شرائط مذکورہ بالا میں پہلی شرط کو پھر سے دیکھیں اور پھر انجیل متی کی پانچویں
اور چھٹے باب سے ان آیتوں کو پڑھیں۔

پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے
پھینک دے۔ (بابِ اہمیت ۲۹)

میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دھننے گال پر
 طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ (باب آیت ۳۶)
 اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پہنیں گے اور نہ اپنے بدن کا کھ
 کیا پہنیں گے۔ (باب آیت ۱۵)

اب آپ ہی سوچیں کیا یہ آسمانی آوازیں فطرت کے اس نظام کے مطابق ہیں جس پر خدا
 نے دنیا کو وجود بخشا۔ عیسائی یا دوسری صلیبی جنگوں میں ان آیتوں کو چھپاتے پھرتے تھے اور کہتے
 تھے ان پر عمل کر کے کوئی کہاں زندہ رہ سکے گا۔ یہ صرف قرآن ہے جو انسان کو زندگی کا حق
 دیتا ہے۔ اور ایک بااثر زندگی کا درس دیتا ہے۔

کھلے تضاد کی ایک مثال

یہ نہ سمجھ کر میں زمین پر صلح کرنے آیا ہوں نہیں بلکہ میں تلوار چلانے آیا ہوں۔
 (انجیل متی باب آیت ۲۳)

یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کو کھینچتے ہیں
 سب تلوار سے ہلاک کیے جائیں گے۔ (باب آیت ۵۲)

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں دنیا کی سزا رجم تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ چکے تھے۔
 یہ نہ سمجھ کر میں تو ریت یا نیروں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے
 نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔۔۔۔۔ پس جو کوئی ان میں سے چھوٹے سے چھوٹے سکوں
 میں سے بھی کسی کو توڑے گا۔۔۔۔۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا
 کہلائے گا۔ (انجیل متی باب آیت ۱۷-۱۸)

پھر جب خود آپ کے پاس حد مارنے کا ایک کیس لایا گیا تو دیکھئے آپ نے کس طرح اس
 عمل سے پہلو ہٹا دی۔

فقیر اور غریبی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی۔۔۔۔۔ یسوع نے کہا
 جو تم میں سے بے گناہ ہو وہی اس کے پہلے پتھر مارے۔۔۔۔۔ ایک ایک کر کے

مسل گئے اور یسوع اکیلا رہ گیا اور عورت وہیں بیچ میں رہ گئی..... یسوع نے کہا میں بھی تجھ پر (عورت کا) حکم نہیں لگاتا پھر گناہ نہ کرنا۔

(انجیل یوحنا باب آیت ۲-۱۳)

کچھ اندازہ کریں کیا اس کتاب میں قول و فعل کا کھلا تضاد نہیں ہے؟

یہ صرف قرآن کریم ہے کہ اس کے جملہ احکام لائق عمل ہیں اور جس پر یہ حکام مقدس نامنزل ہوا وہ سب سے بڑھ کر اس پر عمل کرنے والا تھا بلکہ بقول حضرت ام المؤمنینؓ آپؐ کی زندگی ہی قرآن معنی۔ یاد رکھیے یہ صرف قرآن ہے جو حضرت کے مطابق ایک آسمانی آواز ہے اور ایک لائق عمل

قرآن دین و دنیا کی تقسیم نہیں بتاتا

قرآن یہ نہیں کہتا کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو اور جو فقیر کا ہے وہ فقیر کو دو یہ دین و دنیا کی تقسیم ہے اور بادشاہت خدا کے بالمقابل ہے یہ کھلا شرک ہے۔

اسلام دنیا کا مقابلہ دین سے نہیں آخرت سے کرتا ہے دین دُنیا سے جدا نہ رہنا چاہیے دُنیا اور آخرت دو جہاں ہیں اور دین دونوں پر حاوی اور دونوں کو شامل ہے جب دُنیا کے سلطنتی امور دین سے خالی رہ جائیں تو اس سے بڑی بربریت اور کیا ہوگی۔

سہ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قرآن کریم نے انسانوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں اچھائی کا طالب بتایا۔

وَبِالنَّاسِ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقَدْ خَلَقْنَا غُرَابَ الْمَاءِ

”خیرت مہلیٰ بشر علیہ وسلم طواف کعبہ میں ہر شوط دیکر کہے آخر یہ دعا مانگتے حجر اسود کے سینے سے یہ مومن کی دعا کا نقطہ عروج ہے۔“

قرآن کی صداقت کا یہ نہایت روشن پہلو ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو بھی ایک اہم و بخشنی اور موت کو انسانی زندگی کی انتہا نہیں بتلایا۔ یہیں سے آخرت میں بہتر انجام پالنے کی نیکیوں کی راہ بتلائی۔ اس سے زیادہ ہم صداقت قرآن پر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ فضائل قرآن کو بھی ساتھ لالیں تو قرآن کی روشنی اور چمکے گی۔

فضائل القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

یہی تو ایک چیز ہے جو ہمارے سامنے ہے ہمارے کان اسے سنتے ہیں اور ہماری ایمانی نبضیں اس کے ساتھ جلتی ہیں اور وہ مخلوق نہیں اور جو کچھ ہمارے ارد گرد ہے وہ مادہ ہو یا روح رہا ہو یا مکان جو اس پر ہوں یا اعراض وزن ہو یا حجم نہایت ہوں یا جماد رنگ ہوں یا ڈھنگ پھل ہوں یا پھل ستلے ہوں یا سیارے زمین ہو یا آسمان سب مخلوقات ہیں۔ صرف قرآن کریم جسے ہم دیکھتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں سنتے بھی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں خالق کے کن کہنے سے یہ سب کائنات بنی سو اس کا کلمہ کن خود کیسے مخلوق ہو سکتا ہے کائنات تو اس کن کہنے کا نتیجہ ہے سبب cause اور نتیجہ effect میں فرق سامنے رکھیے۔

انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں مخلوق سے پردے میں ہے نہ عام کان اسے سن سکتے ہیں نہ یہاں کی آنکھیں اسے دیکھ پاتی ہیں نہ ہمارے حواس اس کا ادراک کرتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آتا ہے اپنی صفات کے جلوں میں اور جہاں بھی پہچانا جاتا ہے اپنی قدرت کے پردوں میں۔ حضرت علی المرتضیٰ نے سجا فرمایا۔

عرفت رجباً بفسخ العزائم۔

انسان کو جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے یا سنائی دیتا ہے یا انسان اسے محسوس کرتا ہے سب مخلوق ہے صرف ایک چیز ہے جو مخلوق نہیں۔ وہ ہمارے سننے میں آتا ہے دل کی دھڑکنیں اسے محسوس کرتی ہیں مگر وہ مخلوق نہیں وہ اللہ کا کلام ہے

قیامت کا زلزلہ دنیا کی ہر گہر تباہی ہے یہ صرف مخلوقات پر آئے گی قرآن اس کی زد میں نہ ہوگا قرآن کے الفاظ پہلے اٹھالیے جائیں گے اور ارق خلی رہ جائیں گے اور ان میں کچھ نظر نہ آئے گا۔ آج ہم اس کے اختصا صلت فضائل اور کمالات و اثرات کا کچھ ذکر کر لے کے لیے جمع ہیں

اور مخلوق سے قرآن کا حق بیان ہی کیا ہو سکتا ہے۔

عمرم تمام گشت و بیاباں رسید عمر
ماہچنین در اول وصف تو مانده ایم

① انسانوں اور خدا تعالیٰ کے مابین وصل و ربط

اللہ تعالیٰ کی ذات باقی اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور انسان فانی اور ہر دم تغیر پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ غنی اور مالک و مختار ہے اور انسان ہمہ تن محتاج۔ وہ ذات قدیم ہے اور یہ حادث — اس باقی و فانی میں جوڑ لگے تو کیسے غنی و محتاج میں ربط آئے تو کیسے — دیوار بھی کشتہ ہمارے قبول نہیں کرتی جب تک درمیان میں کوئی چیز اسے جوڑنے والی نہ ہو حالانکہ دونوں جسمانی چیزیں ہیں اور دونوں ٹھوس۔

باقی و فانی اور غنی و محتاج میں تو نسبت تباہن ہے اس خلیج کو کون پاٹ سکتا ہے؟ اللہ رب العزت نے خود اس کا انتظام فرمایا ہے۔ اپنے بندے پر اپنا کلام اُنکرا — اس کے منہ میں اپنا بول ڈالا — وہ قرآن ہے جو مخلوق کو خالق سے جوڑ سکتا ہے اور انسانوں کو خدا سے جلاتا ہے اور اسے اس سے ملنے کی خبر دیتا ہے۔ باقی و فانی میں ہی ایک جوڑ ہے۔

② واحد الہامی کتاب جس کی زبان زندہ ہے

اس وقت جو الہامی کتابیں مختلف مذاہب میں الہامی مانی جاتی ہیں ان میں قرآن کریم واحد کتاب ہے جس کی زبان زندہ ہے۔ تورات کی زبان عبرانی تھی Hebrew عبرانی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ انجیل کی زبان یونانی تھی اب وہ بھی دنیا کے کسی حصے میں نہیں بولی جاتی۔ جو بولی کسی کو سمجھ میں نہ آئے اسے dead language کہتے ہیں۔ Avesta کا

ایک مردہ زبان ہے دنیا میں کہیں بولی نہیں جاتی۔ زبور سریانی۔ سیدہ بی بی ہیں بولی نہیں جا رہی۔ ویدوں کی زبان سنسکرت بھی دنیا کے کسی حصہ میں بولی نہیں جا رہی۔ پہلے بھی یہ صرف سنسکرتوں saints کی بولی تھی اسے دوسرے بول نہ سکتے تھے گرت بولی کو کہتے ہیں سنسکرت

کا معنی ہے سنوں کی زبان۔ ویسکرت میں میں انہیں صرف برہمن ہی پڑھ سکتے تھے۔
قرآن واحد الہامی کتاب ہے جس کی زبان دنیا میں ایک زندہ زبان ہے اور وہ ایک
ملک میں نہیں دنیا کے کئی ملکوں میں بولی جاتی ہے۔

② واحد الہامی کتاب جو ایک کتاب کہلا سکتی ہے

یہودیوں کے پاس ایک تورات نہیں پرانا عہد نامہ Old testament ہے جس
میں تورات کے ساتھ اور میسوں صحیفے موجود ہیں وہ ایک کتاب کے سپرد نہ رہے۔ عیسائیوں کے پاس
ایک انجیل نہیں New Testament ہے جس میں چار انجیلیں اور کئی خطوط ہیں۔ جب
عیسائیوں کو کہا جاتا ہے کہ وہ انجیل پیش کر دو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پڑھتے تھے وہ اپنی ایک
کتاب پیش نہیں کر سکتے۔ متی مرقس لوقا اور یوحنا نے حضرت مسیح کے جو حالات اور کلمات جمع کیے
وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حدیثیں ہیں۔ یہ ان کی صحاح اربعہ اپنی مرکزی آسمانی کتاب انجیل مسیح کے
بغیر ہیں جس طرح مسلمانوں کے پاس صحاح ستہ کے علاوہ قرآن مجید ہے ان کے پاس صحاح اربعہ کے
ساتھ کوئی ایک آسمانی کتاب نہیں۔

ہندوؤں کے پاس بھی چار وید ہیں۔ رگ وید۔ رام وید۔ یج وید۔ اتھرو وید۔ یہ چار کتابیں
ہیں ایک کتاب نہیں کتنی تعجب خیز یہ بات ہے کہ ایک امت اور ایک قوم کے پاس ایک آسمانی
کتاب نہ ہو۔ مذاہب کے مذہبی اعمال کسی ایک آسمانی رسم کا گرو جمع ہوں۔ قرآن کریم واحد الہامی کتاب
ہے جو ایک پیغمبر پر اتاری ایک کتاب کہلا سکتی ہے اور ایک امت بنا سکتی ہے۔

③ واحد الہامی کتاب جو ہر ملک میں اصل زبان میں پڑھی جاتی ہے

قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں، عربی جاننے والوں میں
اور نہ جاننے والوں میں اپنی اصل زبان میں برابر پڑھی جا رہی ہے۔ مسلمان جہاں بھی ہیں وہ نماز عربی
زبان میں پڑھتے ہیں۔ ان کی افواہیں عربی میں ہوتی ہے۔ اسلام میں داخلہ عربی کلمے کے ذریعہ ہوتا ہے
انجلیٹہ اور امریکیہ میں انجیل انگریزی میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ اپنی عبادت گاہوں churches میں

انگریزی میں عبارت کرتے ہیں۔ انجیل ان کے ہاں اپنی اصلیت کھو چکی ہے۔ ہندو پرارتھنا دیدوں کی اصل
 زبان میں نہیں۔ ہندی میں ہوتی ہے۔ مسلمان قرآن کریم کے تراجم کو translation of the
 Quran کہتے ہیں قرآن نہیں سمجھتے۔ قرآن صرف وہی ہے جس کا لفظ لفظ وحی ہے اور وہ
 عربی میں ہے۔

⑤ واحد الہامی کتاب جو لاکھوں انسانوں کو یاد ہے

ہر قوم کو اپنی مذہبی کتب سے بہت عقیدت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو جو عقیدت قرآن کریم سے
 ہے وہی عقیدت عیسائیوں کو اناجیل سے ہوگی، ہندوؤں کو اپنے دیدوں سے ہوگی۔ سمجھ کر یاد ہے
 کہ دنیا میں کوئی ایسا ہندو نہ ملے گا جسے کوئی ایک دیدِ ربانی یاد ہو۔ کوئی ایسا سکھ نہ ملے گا جسے کوئی
 حصہ گرتھِ ربانی یاد ہو۔ کوئی ایسا عیسائی نہ ملے گا جسے کوئی ایک انجیلِ ربانی حفظ ہو۔ اس کے برعکس
 دنیا کے ہر خطے میں سیکڑوں مسلمان ایسے ہیں جو قرآن مجید عربی زبان میں پورا یاد کیے ہوئے ہیں۔
 اور اسلامی ممالک میں تو ایسے لوگ لاکھوں پائے جاتے ہیں جو قرآن کریم کے حافظ ہیں۔
 پھر مسلمانوں میں ایک ایسا مہینہ آتا ہے جس میں ان حفاظ کرام کا ملی امتحان ہوتا ہے۔ جب
 وہ پورا رمضان تراویح میں اپنے اس خطہ کا مظاہرہ کرتے ہیں اور چھپے پھڑے ہونے والوں میں بھی
 حفاظ ہوتے ہیں جو اس کی کسی جھول پر اسے روکتے ہیں۔ سو قرآن پاک واحد الہامی کتب ہے جو اپنی
 اصل زبان میں لاکھوں انسانوں کو حفظ ہے۔ گو وہ عربی زبان والے نہ ہوں۔

⑥ واحد الہامی کتاب جس میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں

جس طرح اناجیل اور عہد میں مولف اناجیل اپنی زبان میں بات کرتے ہیں اور حضرت مسیح علیہ
 کی تعلیمات اور ان کے حالات احادیث کی صورت میں بیان کرتے ہیں تو اوت پُرانے عہدِ نئے کی پہلی
 پانچ کتابوں کو کہتے ہیں ان کا مصنف حضرت مسیح کو بتایا جاتا ہے ان میں بار بار آتا ہے موسیٰ نے
 کہا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پُرانے مصنفین اپنے نام سے کتاب کو شروع کرتے تھے اس کے برعکس
 قرآن پاک میں ایک جملہ انسانی کلام کا نہیں پایا جاتا۔ یہ سارے کا سارا کلام الہی ہے بے شک یہ سورتوں

میں منقسم ہے مگر ہر سرت کلام الہی ہے۔ پارہ ہنر اور پر علیحدہ لکھا جاتا ہے اور رکوع کے نشانات حاشیے پر ہوتے ہیں۔ یہ بے شک کلام الہی نہیں مگر جو کھٹے کے اندر جو عبارت ہے وہ ہمہ تن کلام الہی ہے۔

④ واحد الہامی کتاب جو پیش کر نیوالے سے متواتر منقول ہے

قرآن کریم کو دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور آپ سے سینکڑوں لوگوں نے اسے پڑھا اور سنا پھر ان سینکڑوں سے لاکھوں انسانوں نے اسے پڑھا اور سنا اور اس وقت سے لے اب تک کہ چودھویں صدی کا اختتام ہے ہر دور میں اتنے لوگوں نے اسے التماس سے پڑھا اور سنا کہ کسی مستشرق اور غیر مسلم کو بھی اس سے انکار نہیں کہ یہ وہی کتاب ہے جسے اس پیغمبر عرب نے دکھانے کرایا تھا۔

اس کے برعکس موجودہ اناجیل اپنے مصنفین سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ وید اپنے دیوتاؤں سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں۔ اوستا درشت سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں تورات پر کئی غلطی کے دود گزرے یہ کسی صاحبِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا میں واحد الہامی کتاب جو اپنے پیش کرنے والے سے متصل اور متواتر طور پر منقول چلی آ رہی ہے صرف قرآن ہے۔

⑤ واحد الہامی کتاب جس کی نظیر لانے سے دُنیا عاجز ہے

نورِ قرآن کے دفت سے ہی قرآن کا یہ دھولے جلا آ رہا ہے کہ اگر یہ کلام انسانی اختراع ہے تو تم ایک ایسی سُرَت بنا لاؤ۔ تاریخ گواہ ہے کہ کوئی اس کی مثل کلام نہ لاسکا اور نہ مسلمانوں کے مخالف کسی حلقہ مشرکین میں اس کی شہرت ہوئی۔ تحریریں کہ سب عرب برابر، غے اور اس دین میں بڑے بڑے شہر تھے۔ اپنے ادب و بلاغت پر آئیں ناز تھے۔ ہاں ہمہ سب کے سب قرآنِ کریم کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔

اور تو اور خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرایہ بیان بھی قرآنِ کریم کے سسائل کا نہ تھا جس نے مسلمانوں کے حدیث، تفسیر، فطری اور بھیز نے قرآنِ کریم کو بھی دیکھا۔ اس نے خود اعتمادی سے

کہا کہ یہ دو پیرائے کسی ایک زبان سے نکلے نہیں ہو سکتے۔ آگے چل کر اعجاز القرآن میں ہم اس پرادر بحث کریں گے۔

⑨ واحد الہامی کتاب جو عبادت اور سیاست کی جامع رہی

دیگر الہامی کتابیں اپنے پیش کرنے والوں کے نزدیک صرف الہی ربط کا سامان ہیں جو بندہ کو خدا کے ساتھ ہوتا ہے یہ تعلق عبادت ہے اور اسی پر یہ مضمون مرتب ہوتا ہے کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے اور جو بادشاہ کا ہے وہ بادشاہ کو دے دو۔ دین و دنیا کی یہ تقسیم اسلام کے سوا ہر مذہب میں موجود ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم جس بندے کو عبدیت کی دہلیز پر لاتا ہے اسے خدا کے آگے جھکا تا ہے اسی طرح وہ بندہ کی تدبیر منزل اور مدنی سیاست اور دائرہ معاشرت میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ خلافت اور ریاست کے پورے آداب بتاتا ہے۔ عبادت اور سیاست میں خلط متلا کہ کا قائل نہیں۔

مستشرق نکلسن لکھتا ہے :-

Islam allows no distinction between church and state; it is impossible to treat with the politics apart from religion.

The literary history of Arabs.

ترجمہ اسلام عبادت گاہ کو سیاست سے فاصلے پر رکھنے کی اجازت نہیں دیتا

⑩ واحد الہامی کتاب جو تاریخ میں انقلاب آفرین رہی

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد نبوت کن حالات میں ختم ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات وادی تیار میں ہوئی جہاں ان کی قوم اپنے چالیس سالہ دور حرمان کو پورا کر رہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف انہیں سولی کی سزا دینے کے لیے مقدمہ چل رہا تھا کہ ان کا عہد نبوت ختم ہو گیا۔ یہ حالات کس قدر انقلاب آفرین ہوں گے یہ آپ خود اندازہ کر لیں لیکن قرآن کریم نے اپنی دعوت انقلاب سے چند گنتی کے سالوں میں عرب کی کاپیٹل کو رکھ دی اور خلافت راشدہ

میں دیکھتے دیکھتے تمام قریب کے ممالک میں اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا۔ سو یہ واحد الہامی کتاب ہے جو ایک قلیل امت میں سحر انگیز حد تک انقلاب آفریں رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کتاب کے بارے میں فرمایا :-

ان الله يرفع بهذا الكتاب اقواما ويضع به آخرين
ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے قوموں کو اٹھاتا ہے اور کچھ قوموں کو بٹھاتا ہے۔

⑪ واحد الہامی کتاب جس نے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا

وانزلنا اليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب مهيما عليه۔

(پہلا المائدہ ۴۸)

ترجمہ اور ہم نے تیری آپ کی طرف کتاب سچائی کے ساتھ یہ تصدیق کرتی ہے کہ ان کتابوں کی جو اس سے پہلے تھیں اور ان کی یہ نگہبان ہے۔

اس کتاب کو پہلی کتابوں کا مصدق بتا کر اسے ان کا نگہبان ٹھہرایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کتابوں کے اب وہی مضامین باقی رہنے والے ہیں جن کا کمال یہ کتاب کرے باقی سب منسوخ۔
ذولتے ہیں ہم جو چاہیں منسوخ کریں اور جو چاہیں بھلا دیں۔ اب پہلے لوگوں کے پاس اصل کتابیں نہیں رہیں :-

يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله فويل لهم مما كتبت
ايديهم وويل لهم مما يكتبون۔ (پہلا بقرہ ۷۹)

ترجمہ وہ اپنے ہاتھوں کتابیں لکھ لیتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ماننح من آية او نمنها فأت بخير منها۔ (پہلا بقرہ ۱۲۶)

ترجمہ جو آیت ہم منسوخ کر دیں یا اسے بھلا دیں ہم اس کے بدلے اس سے بہتر لے آتے ہیں۔

لے رواہ مسلم عن عمر بن الخطاب عن النبي

حضرت یوسف علیہ السلام خدا کے پیغمبر ہیں حضور کی رسالت کے دور میں ان کی بھی پیروی نہیں چلی سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے پیغمبر برحق ہیں مگر اس دور میں ان کی پیروی کی بھی اجازت نہیں وہ خود بھی اگر تشریف لے آتے تو انہیں حضور کی پیروی پر چلنا پڑتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوَ اَتَاكُمْ يَوْسُفُ وَاَنَا فِيكُمْ فَاتَّبِعُوهُ وَتَرَكُونِي
لَضَلَّالَةٌ ۖ

ترجمہ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارے پاس یوسف علیہ السلام آجائیں اور میں تم میں موجود ہوں تم ان کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو رات کا مطالعہ کر رہے تھے حضورؐ نے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور فرمایا :-

لَوْ كَانَ مَوْسَى حَيًّا مَا دَسَّهَ الْاِتْبَاعُ رِوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ عَرَبٍ ۖ
ترجمہ۔ اگر موسیٰ بھی (اس دنیا میں) زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی سے چارہ نہ تھا۔
لَوْ بَدَا لَكُمْ مَوْسَى فَاتَّبِعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَّالَتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا
اَدْرَاكُمْ بَنُو قِيْلَ لَا تَتَّبِعُونِي ۖ

ترجمہ۔ اگر موسیٰ تمہارے پاس آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ وہ خود بھی (یہاں) زندہ ہوتے اور میرا دورِ نبوت پالیتے تو میری پیروی کرتے۔
اس کے آگے ہے :-

اَتَمَّ حَقِّي مِنَ الْاَمَّةِ وَاَنَا خُطُّكُمْ مِنَ النَّبِيِّينَ ۖ

ترجمہ۔ انہوں میں میرے حصے میں تم آئے ہو اور نبیوں میں تمہارے حصے میں میں آیا ہوں۔

⑫ واحد الہامی کتاب جس کا اپنا تعارف اس میں پورا ہے

۱۔ بھیجنے والے کا نام؟

وانزل الله عليك الكتاب. (پک الشفاء ۱۱۳)

تنزيل الكتاب من الله العزيز العليم. (پک المؤمن ۱)

من الله العزيز الحكيم. (پک الزمر ۱)

من الرحمن الرحيم. (پک حم سجدہ ۲)

ان سب آیات کا حاصل ہے کہ اس کا بھیجنے والا اللہ ہے جو عزیز ہے علیم ہے حکیم ہے

اور رحیم ہے۔

۲۔ اسے آپ پر کون لایا؟

نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين. (پک الشفاء ۱۶۳)

نزل به روح القدس من ربك بالحق. (پک النحل ۱۰۲)

نزل به على قلبك باذن الله. (پک البقرہ ۹۸)

اسے لانے والا روح القدس فرشتہ ہے وہ اپنے طور پر نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے

لے کر آتا ہے۔

۳۔ یہ کتاب کس زبان میں ہے؟

بلسان عربیٰ مبين. (پک الشفاء ۱۹۵)

كتاب مصدق لسانا عربياً. (پک الاحقاف ۱۱)

اس کی زبان ایک ہے اور وہ عربی مبین ہے۔ یہ کتاب کئی زبانوں میں نہیں۔

۴۔ یہ کتاب کس پر اتاری گئی؟

نزل على محمد وهو الحق من ربهم. (پک محمد ۱)

یہ کتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے اور وہ حق ہے پچھرب کی

طرف سے۔

۵۔ جس پر اتاری گئی ہے اس کا منصب؟

آتٰكُمُ لِنُؤْمِنَ بِالْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (پک یسین ۳)

آپ رسولوں میں سے ہیں کوئی عہدی نوع نہیں جو اور رسولوں سے مختلف ہو۔
۶۔ کتاب کی حدود دعوت کہاں تک؟

نَزَلَ الْفُرْقَانُ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ (پک الفرقان ۱)

اس کتاب کی دعوت پوری دنیا کو شامل ہے جب تک یہ جہاں میں۔

۷۔ یکب آتا ہے؟

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔ (پک البقرہ ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ تھا جس میں وہ اتارا گیا۔

۸۔ کتب انسانی و برتر و سے محفوظ رہے گی؟

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ مُجِيدٍ۔

(پک حم سجدہ ۴۲)

اِنَّا مَخْنُوعُونَ نَزَّلْنَاهُ لَا ذِكْرًا لِيَاخُذُوا۔ (پک النحل ۹)

ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کتاب کے نام کیا کیا ہیں؟

۹۔ قرآن فرقان النور الذکر الکتاب الیقین

سب سے زیادہ مشہور نام قرآن ہے۔

اِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يُعْذِرُ لِقَوْمِیَ الَّذِیْنَ هُمْ اَبْرَارٌ لَّکِنِ الْمَکْرُ هُوَ الْبَاطِلُ۔ (پک بنو اسرائیل ۹)

نوٹ: دوسری کسی الہامی کتاب میں اس کا اپنا تعارف اس تفصیل سے موجود نہیں ہے

ضویدوں میں ان کا اپنا تعارف، نہ بائبل میں، نہ اوستا میں اور نہ کسی دوسری کتاب میں۔

۱۰۔ لاکھ ستارے اک طرف غلٹ شب جہاں جہاں

اک طلوع آفتاب کوہ و دمن سحر سحر

⑬ واحد الہامی کتاب جس کی تعریف غیر مسلموں نے بھی کی

اپنی کتاب کی تعریف تو سمجھی کہ تے ہیں لطف یہ ہے کہ دوسرے اپنی کتاب کی تعریف کریں۔
الفضل ما شهدت به الاعداء۔

ہم گھبراہٹ سے یورپ کے چند اقوال قرآن کریم کے بارے میں پیش کریں گے۔
دمی لاکھ یہ مجدی ہے گواہی تیری۔ یہاں ہم صرف چند نام دیے دیتے ہیں۔

⑭ واحد الہامی کتاب جو دو تاریخ سے تعلق رکھتی ہے

دیگر الہامی کتابیں زمانہ قبل از تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں ان ادوار میں کھنڈے پڑنے کا شوق نہ تھا
نابھی کاغذ تیار ہوا تھا۔ ویدوں کا دور کئی ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ تورات کی تختیاں حضرت موسیٰ
علیہ السلام کو چھروں پر لکھی ہوئی ملی تھیں آپ پڑھ تو سکتے تھے لکھ نہ سکتے تھے۔ بھی ثقافت نے ترقی
دہی تھی۔ تاریخ اس وقت ایک تاریک دور سے گزر رہی تھی۔

جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو زمانہ تمدن کی ایک کڑھ لے چکا تھا۔ یہ دور
تاریخ کا آغاز ہے اور کاغذ کو کیاب تھا مگر جو میں آچکا تھا۔ حضرت زکریا کی اوستا بھی زمانہ قبل از
تاریخ سے تعلق ہے۔ قرآن کریم واحد الہامی کتاب ہے جو دو تاریخ سے تعلق رکھتی ہے۔

⑮ واحد الہامی کتاب جس نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو عزت بخشی

قرآن کریم میں سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم حضرت اخیوت حضرت یعقوب۔ پھر حضرت داؤد
حضرت سلیمان حضرت ایوب حضرت یوسف۔ اور پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون۔ پھر حضرت زکریا
و حضرت یحییٰ۔ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس۔ اور پھر حضرت اسماعیل حضرت ابراہیم حضرت یونس اور

حضرت لوط علیہم السلام کا ذکر آیت ۸۲ سے ۸۶ تک مسلسل آتا ہے۔

اور پھر فرمایا ان کے آباء ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں سے بھی ہم نے اپنے بندے بننے انہیں صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی اور انہیں کتاب و حکم اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔
پھر فرمیں فرمایا :-

اولئک الذین ہدی اللہ فہد اہم اقتدہ ۵۔ (پ الانعام ۹۰)

ترجمہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ پر لگایا آپ بھی انہی کے رستے پر لگے رہیں۔

قرآن کریم نے جس شاندار پیرائے میں حضرت سے پہلے کے مذہبی پیشواؤں کو تکمیل بخشی ہے اس قسم کا کوئی تسلسل نہیں دوسری الہامی کتابوں میں نظر نہیں آتا۔ بائبل میں پہلے انبیاء کا ذکر جس دلائل دار پیرائے میں کیا گیا ہے اسے نقل کرتے ہوئے طبیعت پر بہت بوجھ آتا ہے مثلاً :-

① کنان کے باپ عامر نے اپنے باپ (حضرت نوح) کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی۔

② کتاب پیدائش میں یہ بھی ہے :-

انہوں نے رات اپنے باپ کو نئے چلائی اور پہلو ٹھٹھی اندر گئی اور اپنے باپ (حضرت لوط علیہ السلام) سے ہم آغوش ہوئی اس پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیتی اور کب اٹھ گئی اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلو ٹھٹھی لے چھوٹی سے کہا سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے معاملہ ہوئیں۔

③ حضرت یعقوب علیہ السلام کو کہا گیا :-

تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہو گا کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی۔

بھلا کوئی خدا سے زور آزمائی کر سکتا ہے ؟ اور پھر نبی یہ آپ سوچیں۔

④ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلایا وہ اس کے پاس آئی اور اُس نے اس سے

محبت کی... پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت عالم ہو گئی۔ سراسر نے

داد کے پاس خبر بھیجی کہ میں عالم ہوں۔

ہم ان چار حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہمارے قارئین جان چکے ہیں کہ بائبل اپنے سے پہلے مذہبی پیشواؤں کا کس طرح ذکر کرتی ہے اور قرآن کریم اپنے سے پہلے انبیاء کا کس اکرام سے ذکر کرتا ہے۔ اب آئیے اس پہلو سے ذرا مقدس دیدوں پر بھی نظر ڈالیں۔

ہندو اپنے دین کا بڑا پیشوا برہما کو سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چاروں دید پر معشر کا کلام ہیں اور وہ عالم ظاہر میں برہما کی زبان سے ظاہر ہونے میں شراstran دیدوں سے ماخوذ ہیں۔ ہندو دھرم میں مذہبی پیشواؤں کا مقام کیا ہے اسے ان کے لٹریچر میں دیکھئے:

مہا بھارت کے پہلے باب میں ہے:-

”برہما سارے دیوتاؤں کا استاد ہے۔ مہادیو (بڑا دیوتا) برہما کے دونوں ابروؤں سے پیدا ہوا۔ برہما نے ہی کام دیو کو بنایا۔ کام دیو کا ظہر شہوت کی صورت میں ہوا اور محل شہوت (عورت) بھی برہما نے بنایا۔ کام دیو نے برہما سے بخشش مانگی کہ وہ جس کے دل میں جا گئے اس کی نقل ماری جائے۔ کام دیو کو یہ مقام دے دیا گیا۔“

بھگوت گیتا میں ہے:-

”پہلے برہما نے سارستی اپنی بیٹی بنائی اور کام دیو کو بھی بنایا۔... کام دیو برہما کے دل میں جا گھا اور برہما کی عقل ماری گئی اور شہوت غالب ہوئی یہاں تک کہ خود اپنی بیٹی سے جماع کا قصد کیا۔ سارستی شرم و حیا کی وجہ سے ایک طرف کو پھر گئی۔ اس طرف برہما کی صورت میں ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور نظر نہ کرنے لگا۔ سارستی چھپے کو ہو گئی اس طرف برہما کا ایک اور منہ ظاہر ہو گیا اور وہ سارستی کو اس منہ سے سے گھونڈ لے لگا۔... برہما کے چار منہ اس وقت سے ہیں اور اسی وجہ سے برہما کو چتر لکھ کہا جاتا ہے۔“

سارستی زمین غائب ہو کر بھاگنے لگی جب باہر نکل کر دوڑی برہما بھی اس کے پیچھے
 بھاگا... جب دیوتاؤں میں اس کے چرچے ہوئے تو مہادیو نے اس گناہ کے
 بدلے برہما کا ایک سرؤپر کا کاٹ دیا۔ اس گناہ کی شامت سے برہما کی پوجا
 موقوف ہوئی اور دوسرے دیوتا پڑجے جانے لگے پر برہما کو پوجا نہیں جاتا۔
 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک بار برہما نے پارپتی سے جو مہادیو کی بیوی تھی ہشتنانی
 کی تھی... سارستی نے پارپتی کی صورت اختیار کر لی (جو کبھی ظاہر ہوتی اور کبھی
 غائب ہو جاتی ہے)۔

اور میتھ پران میں ہے :-

برہما نے اپنی مٹی کو جو رہنا کر ستر برس تک رکھا۔

نہر ہی پیشہ اول کا یہ نعتہ عمل جو دیدوں میں ملتا ہے انتہائی حیا سوز ہے۔ دنیا میں ندیاں
 دین پر ہی ابھرتی ہیں اور پھر کچھ خاصوں پر زمین میں ہی جذب ہو جاتی ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق
 یہ برہما کی مٹی سارستی ہے جس نے ندی کا روپ دھار لیا تھا اور کہیں چھپی اور کہیں ظاہر ہوتی تھی اب
 اس کی توجہ جابوئی لیکن برہما کی پوجا نہیں کیونکہ وہ کام دیو کے گناہ کا شکار ہو گیا تھا۔
 ہندوؤں کے مان پران کی یہ عبارت بھی دیکھیں :-

برہما نے مہادیو کے ذکر کی انتہا نہ پائی اور جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے مہادیو کے تنگ
 کی مقدار دریافت کر لی ہے اس وجہ سے اس کی عبادت موقوف ہوئی بلکہ

گرو پاؤجا جانے کے لائق وہی ہے جو مہادیو کے تنگ کی انتہا کو پا چکا ہو۔ ہندوؤں خدا کی خدائی
 معلوم کرنے کے لیے کیا یہی مہاراہجنا نہ تھکے؟

ہندوؤں نے یہ بھی لکھا ہے کہ :-

برہما شراب پیتا تھا ایک رات اپنے... کو ناپنے لگا اور جب اس کی انتہا نہ
 پائی تو برہما نے جان لیا کہ یہ میرا مالک اور خالق ہے جس کی انتہا نہیں اور اس
 کی پوجا شروع کر دی۔

قارئین! یاد رکھیے کہ ہندوؤں میں لنگ پر جا نہیں سے شروع ہوئی تھی اس قسم کی باتیں جب مسلمان ان کی کتابوں سے پڑھتے ہیں تو بسا اوقات ہندو پنڈت کہتے ہیں کہ برہما سارم تھی تھا اور سارم تھی کو گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ سارم تھی کا معنی انتہائی بلند و بالا ذات کے ہیں جو بڑا قدرت والا ہوا اور کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو۔

اس پر ہم ان پنڈتوں سے پوچھنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ اگر برہما واقعی سارم تھی تھا اور اپنی بیٹی سے زنا کرنے میں واقعی قصور وار نہ تھا تو پھر مہادیو نے اس کا ایک سر کیوں کاٹ دیا تھا اور پھر اس کی پوجا کیوں موقوف کر دی گئی تھی۔

اس وقت ہمارا موضوع دیدوں ہشستروں اور پڑاؤں کی ترویج نہیں ہم یہاں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن کتابوں میں خدا کے فرستادہ رشیوں کا یہ تعارف ہو گیا وہ کتابیں آسمانی کتابیں بھی جاسکتی ہیں۔ وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم دی ہے کبھی اس بات کو باور نہیں کر سکتے کہ برہما بڑا دینی پیشوا بھی ہوا اور اپنی بیٹی کے بارے میں اس کے دل میں کام دو گھسا ہوا ہو اور وہ رات سوئے اپنے... کی پیمائش کرتا رہتا ہو۔

یہ وصف قرآن کریم ہے جس میں انبیاء کرام اور خدا کے بھیجے دیہتاؤں کا ذکر پوری پاکیزگی سے ملتا ہے گناہ سے نہایت نیچے کا ایک لفظ خطا ہے یہ اس صورت گناہ کا نام ہے جس میں نیت شامل نہ ہو۔ اسلام میں پیغمبروں سے کوئی خطا ظاہر ہو تو وہ اس پر بھی باقی نہیں رکھے جلتے عصمت نبوت انہیں اس سے بھی پاک کر دیتی ہے وہ حضرات خود گنہگار کیسے ہو سکتے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ خود سببی نوع انسان میں اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل چاہتے ہوں اور حضور پیغمبر اسلام تو صاحب شفاعت کبریٰ ہیں۔ دوسروں کی شفاعت وہی کر سکتا ہے جو خود گناہگار نہ ہو۔ سو عقیدہ شفاعت کو عقیدہ عصمت نبوت لازم ہے۔ یہ اسلام میں نبوت کا مقام ہے۔

فضائل قرآن قرآن کی روشنی میں

- ① الم - ذلک الکتاب لاریب فیہ ہدی للمتقین۔ (پ البقرہ ۱)

ترجمہ۔ اس کتاب میں کچھ شک نہیں، راہ بناتی ہے ڈرنے والوں کو۔

- ② ان ہذا القرآن یمدی للقی ہی اقوم ویبشّر المؤمنین الذین یعلمون الصلّٰت ان لہم اجرًا کبیرا۔ (پ بنو اسرائیل ۹)

ترجمہ۔ یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں اچھے کہ ان کے لیے ثواب ہے بڑا۔

- ③ ہدی للناس ربینت من الہدی والفرقان۔ (پ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ قرآن ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیل روشن راہ پانے کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی۔

- ④ ونزل من القرآن ما ہو شفاء ورحمۃ للمؤمنین۔ (پ بنو اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں جس سے بیماریاں دور ہوں اور رحمت ہو ایمان والوں کے لیے۔

- ⑤ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول توئی اعیینہم تقیض من الاعم مع ما حوزوا من الحق۔ (پ المائدہ ۶۵)

ترجمہ۔ اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اتر رسول پر تو دیکھ گمان کی آنکھوں کو ۲ سنوئیں سے اُلتی اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

- ⑥ قل ہو للذین امنوا ہدی وشفاع۔ (پ عم سجدہ ۲۳)

ترجمہ آپ کہیں کہ یہ ہدایت ہے ایمان والوں کے لیے اور ہے بیماریوں کو دور کرنے والی۔

القرآن هو الدّٰوٰء۔ (المجامع الصغیرہ) یہ دوا امراض روحانیہ اور جسمانیہ دونوں پر اثر کرتی ہے۔ (فیض القدیر جلد ۴ ص ۵۱۳)

④ قد جاءكم من الله ذرور كتاب مبين يهدي به الله من اتبع رضوانه.

(پک المائدہ ۱۶)

ترجمہ: بیشک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب اس ایک سے اللہ ہدایت کرتا ہے اسے جو تابع ہوا اس کی رضا کے۔

⑤ هو الذی یُنزل علی عبدہ آیات بیّنات لیخرجکم من الظلمات الی النور.

(پک المائدہ ۹)

ترجمہ: وہ اُتار دیتا ہے اپنے بندے پر آئین صاف صاف کہ وہ نکال لائے گمراہیوں اور صیروں سے اُجلائے میں۔

⑥ وانزلنا هذا القرآن علی جبل لوائتہ خاشعاً متعدهً هاماً خشیہ اللہ.

(پک العنکبوت ۲۱)

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے وہ دب جاتا اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔

⑦ کلاتما تذکرہ فمن شاء ذکرہ فی صحف مکتومہ مرفوعہ

مطلوۃ باید عی سفرہ کرام برورہ. (پک عبس ۱۲)

ترجمہ: یوں نہیں ہے یہ توضیح ہے پھر جو کوئی چاہے اسے یاد کرے لکھا ہے عزت کے درخوں میں۔ اوسے رکھے ہر نئے صاف ستھرے ان لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو بڑے درجہ کے نیکو کار ہیں۔

⑧ رسولاً من اللہ یتلوا صفحاً مطہراً فیہا کتب قبیلہ. (پک البینہ ۲)

ترجمہ: ایک رسول ہے اللہ کا جو پڑھتا ہے درق پاک لکھی ہیں اس میں کتابیں محفوظ۔

⑨ ولم یأمن للذین آمنوا ان تحشع قلوبہم لذلک اللہ وما نزل من الحق. (پک المائدہ ۱۶)

ترجمہ: کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں پر کہ گڑ گڑا پڑیں ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اس سے جو اُترا سچا دین۔

فضائل قرآن احادیث کی روشنی میں

- ① حضرت ابو سعید الخدریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 فضل کلام اللہ علی سائر الکلام کفضل اللہ علی خلقہ ۔
 ترجمہ اللہ کا کلام دوسرے ہر کلام پر وہی فضیلت رکھتا ہے جو اللہ کی فضیلت
 اس کی ساری مخلوق پر ہے۔
- ② اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں یہ اللہ کی صفت کلام کا ظہور ہے۔
 سیدنا حضرت عثمانؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ ۔
 ترجمہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور وہ جو قرآن
 پڑھائے۔
- ③ صحابہ کرامؓ نے اپنے اگلوں کو قرآن پڑھایا وہ خیر امت ہو گئے خیر القرون کہلائے اور پھر
 جن جن خیر آگے بڑھا لوگ تدریجاً خیر القرون بنتے رہے۔
- ④ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-
 ان لكل شیء شرقاً یقباہون بہ وان بہما امتی وشرھا القرآن ۔
 ترجمہ ہر شے کا ایک شرف ہوتا ہے جس پر اس کے رکھنے والے فخر
 کرتے ہیں اور میری امت کی رونق اور اس کا شرف قرآن میں ہے۔
- ⑤ حضرت جابرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 القرآن شافع ومشفع وما حل مصدق من جملہ امامہ فادہ الی الجنتہ
 ومن جملہ خلف ظہرہ ساقطہ الی النار ۔
 ترجمہ قرآن وہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت سنی جائے وہ مناظر ہے
 جس کی بات مانی جائے جو اسے آگے رکھے گا اسے یہ جنت میں لے جائے گا

اور جو اسے پشت پیچھے رکھے اسے اتنا ہی وہ آگ میں گرائے گا۔
حضرت امام ابوحنیفہؒ تو یہاں تک آگے گئے ہیں کہ پشت پیچھے (مقتدی) کسی کو قرآن نہ پڑھنے دو اس کو آگے رکھو یہ صرف امام کا مقام ہے کہ وہ قرآن پڑھنے منظور ظرف کے تابع ہے مقتدی کا قرآن پڑھنا قرآن کو مقتدی کرے گا۔ اس کتاب کی نشان ہے کہ یہ امام رہے مقتدی نہ بنے۔ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اپنے وقت میں امام تھی۔ من قبلہ کتاب موسیٰ اماما درجہ اور قرآن ہمیشہ کے لیے امام ہے۔

⑤ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
انکم لا ترجعون الی اللہ بشیء افضل بآخر ج منه یعنی القرآن۔ بلکہ
ترجمہ تم اللہ کے حضور اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لے جا سکتے سوا اس کے جو اس
سے صادر ہوئی اور وہ قرآن ہے۔

⑥ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
ما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یقولون کتاب اللہ ویتدارسونہ
بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ وغشیتہم الرحمۃ وحففتہم الملائکہ و
ذکرہم اللہ فیمین عندہ۔ بلکہ
ترجمہ مسجد واریں سے کسی مسجد میں جب بھی لوگ قرآن پڑھنے کے لیے اکٹھے ہوتے
اور اس کے سبق پڑھے قرآن پر اللہ کی طرف سے سکینہ اترا رحمت الہی نے انہیں
ڈھانپ لیا اور فرشتے انہیں اپنے دامن میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان
کے پاس ان کا ذکر کرتے ہیں جو اس وقت اس کے حضور حاضر ہوں۔
قرآن پاک کی تلاوت بندے کو اس مقام پر لے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا فرشتوں میں ذکر
فرماتے ہیں۔

⑦ حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا :-
کتاب اللہ فیہ نباء ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم ہو الفصل لیس بالحرل

لہ رواہ المحکم والردود فی سیرہ سہ رواہ سلم

من تركه من جبار قومه الله ومن ابتغى الهدى في غيره أضله الله
وهو جبل الله المتين وهو الملك الحكيم وهو الصراط المستقيم هو الذي
لا تزيف به الاواء ولا تلتبس به الالسنه ولا يشيع منه العلماء ولا يخلق
عن كثرة الرد ولا ينقض عجايبه ۔

ترجمہ: اللہ کی کتاب اس میں پہلوں کی خبریں اور آئندہ آنے والوں کے حالات ہیں۔ جو
بات قسم میں اختلاف میں ہو اس کا اس میں حکم موجود ہے یہ فیصلہ کرنے والی کتاب ہے
یہ نہی نہیں جو زیادتی کرنے والا اس سے چھوٹے گا اللہ اسے توڑے گا اور جس نے اس
کے سوا کہیں اور ہدایت ڈھونڈی اللہ تعالیٰ اسے سستے سے جھٹکا دیں گے یہ اللہ
کی مضبوط رسی ہے اور سختہ ذکر ہے یہ سیدھی راہ ہے جو ہشات اس سے ٹیڑھی
نہیں ہوتیں اور زبانیں اس سے کسی القباس میں نہیں پڑتیں علماء اس سے سیر
نہیں ہوتے اور یہ بار بار پڑھنے سے پُرانی نہیں ہوتی اور اس کے عجائب کبھی
ختم نہیں ہوتے۔

⑧ حضرت ابوسریہؓ کہتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

واعملوا بالمعکم وامنوا بالمتنابہ واعتبروا بالامثال ۔

ترجمہ: اس کی حکم باتوں پر عمل کرو اور متنابہات پر صرف ایمان رکھو ذکر یہ اللہ کی
نادر کردہ ہیں اور اس کی امثال سے زندگی کے سبق پاؤ۔

⑨ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الله اهلين من الناس قالوا من هم يا رسول الله قال هم اهل القرآن اهل

الله وخاصته ۔

ترجمہ: لوگوں میں بے شک وہ بھی ہیں جو اللہ والے ہیں وہ کون ہیں؟ اہل القرآن۔
اللہ والے اور اس کے مقبولین۔

⑩

فضائل قرآن صحابہ کرام کی نظر میں

① یہ پہلا ماخذ علم ہے امت کے فیصلے پہلے اس سے ہوئے چاہئیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-

فمن عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في مكتب الله له
ترجمہ تم میں سے جسے کوئی مقدمہ پیش آئے اسے چاہیے کہ (پہلے) اللہ کی کتاب سے
فیصلہ لے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کہا اور آپ نے اسے منظور فرمایا:-
اقض بكتاب الله. ^۱
میں پہلے فیصلہ کتاب اللہ سے لیا کروں گا۔

② احادیث کی پرکھ کی کسوٹی

حضرت عمرؓ نے حدیث بیان فرمائی اطلبوا الفضل بالباء اللہ کا فضل نکاح کی راہ سے طلب
کر دو آپ لے اس پر قرآن کریم کی یہ اہمیت پڑھی:-
ان يَكُونُوا اقراء فيهم الله من فضله. ^۲
ترجمہ اگر وہ تنگ دست ہوں گے اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:-

ليست ترض عن هذا القرآن من بين اظهركم دیری علی فی لیلة فلا یقی
فی قلب عبد منه ولا مصحف منه شیء و یصبح الناس قضا کالہما نمر
ترجمہ یہ قرآن تم سے لے لیا جائے گا تم پر ایک رات آئے گی کہ کسی بندے کے دل
میں اس کی یادداشت نہ رہے گی اور نہ کسی تحریر میں اس کا نشان رہے گا اور لوگ
بیشمل میدان ہو کر رہ جائیں گے جیسے جو پائے گھر سے ہیں۔

اس پر آپ نے یہ اہمیت پڑھی :-

وَلَنْ شَتَا لَنْذَهَبَنَّ بِاللَّهِ اَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ بِهِ عَلَيْنَا وَكَيْلًا

(پچ ہذا اسرائیل ۸۶)

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں وہ جو ہم نے آپ کی کی طرف دجی بھیجی اور

پھر آپ کسی کو ہم پر کام کرنے والا نہ پائیں

آپ نے ایک دفعہ یہ حدیث پڑھی :-

هَدَيْتُ شَهَادَةَ الزُّورِ بِالْشُّرْكِ بِاللَّهِ ۖ

ترجمہ: جھوٹی شہادت کو ہی شُرک کے برابر شمار کی گئی ہے۔

اور اس پر یہ اہمیت پڑھی :-

فاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (پک الحج ۲)

ترجمہ: بر جو قوم بتوں کی بجا ست سے اور جو جھوٹی بات کہنے سے۔

⑤ غیبی خبروں کا مخزن

حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

اِنْ اَنَا مَا كَانُوا يُوْخَذُوْنَ بِالْوَحْيِ فِى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَ اِنْ الْوَحْيِ قَدْ انْقَطَعَ وَ اِنَّمَا نَاخِذُكُمْ الْاَنْ بَاظَهَرْنَا مِنْ اَهْمَالِكُمْ ۖ

ترجمہ: حضورؐ کے زمانے میں لوگ وحی کے ذریعہ بھی پکڑے جاتے تھے لیکن اب

وحی کا سلسلہ منقطع ہے اور اب ہم تمہیں تمہارے ظاہری اعمال سے پکڑیں گے

جو ہمیں معلوم ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو اور آپؐ پر آنے والی وحی غیر مشدد و نازل کو غیبی

خبروں کا مخزن سمجھتے تھے اور جو بات ان ذرائع سے معلوم ہوا اس پر فیصلے بھی ہو جاتے تھے کیونکہ حضورؐ

جس بات کی خبر دیں اس علم میں قطعیت ہے۔

⑤ دلوں کو نرم کرنے کا سبب

أَلْعَبَانُ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَضَعُوا قُلُوبَهُمْ لَذِكْرِ اللَّهِ وَمَا تَقُولُ مِنَ الْحَقِّ

(پہلے الحمد ۱۶)

ترجمہ: کیا بھی ایمان والے دلوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے کلام کے نکلے جبکہ جائیں اور جو اترتا ہے اللہ کی طرف سے اس کے آگے۔

حضرت جعفر طیارؑ نے شاہ حبش کے دربار میں سورہ صافات کی چند آیات پڑھیں تدریجاً : جبکہ بادشاہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بند ہو گئی۔

حضرت عمرؓ نے حالت کفر میں اپنی بہن سے سورہ الحمد کی آیات نہیں تو آپ پر رقت طاری ہو گئی جب بہن آیت آمنوا باللہ در سولہ پر پہنچیں تو آپ بے اختیار پکار اٹھے : اشهد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدؐ رسول اللہ۔

⑤ زہر کا اثر دور کرنے کا ذریعہ

حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ وسلم نے فرمایا :-

الْقُرْآنُ هُوَ الدَّوَاءُ ۔

فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۴ ص ۵۶۲ میں ہے کہ قرآن ہر مرض روحانی اور بعض جسمانیہ دروزوں کے لیے نسخہ شفا ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہیں تشریف فرما تھے قریب کی بیعت میں کسی شخص کو سانپ نے ڈس دیا۔ وہ لوگ حضرت ابوسعیدؓ کے پاس آئے آپ نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ صبح بخاری میں ہے : خیر ما وہ شفا یاب ہو گیا۔

⑥ جادو کا اثر دور ہونا

بید بن اہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور ایک ناست کے تار میں گیارہ گڑھیں لٹکا کر اسے ایک کنز میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں :-

اللہ تعالیٰ نے دو سو تین نازل فرمائیں جن میں گیارہ آیتیں ہیں۔ آپ ہر ایک گڑھ پر ایک آیت چڑھ کر ایک ایک کو کھولتے رہے یہاں تک کہ سب گڑھیں مل گئیں اور آپ سے اچانک ایک بوجھ اُتر گیا (یہ سب روایتیں تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)۔

زہر انسان میں مادی ضرر پیدا کرتا ہے اور جادو ایک غیر مرئی چیز ہے۔ وہ سحر زدہ میں اپنا اثر دکھاتی ہے۔ قرآن کریم بطور شفا ان دونوں کی کاٹ ہے۔ مادی مرض ہو یا روحانی قرآن کریم کے اثر سے جادو بھی ٹوٹتا ہے اور سہاگت کا زہر بھی مٹتا ہے۔ مٹ اور ملا میں یہ دونوں باتیں آپ کے سامنے آچکیں اس پر ہم آئندہ انشاء اللہ العزیز علاج بالقرآن کے عنوان سے مستقل تبصرہ کریں گے۔
واللہ هو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ۔

فضائل قرآن محمدین کی نظر میں

امام محمدؒ (۱۸۹ھ) نے موطا میں کتاب التفسیر درج کیا ہے۔ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) نے فضائل القرآن لکھی ہے۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے صحیح میں کتاب فضائل القرآن لکھی ہے۔ ۱۰ اور اس میں ایک پورا باب کتاب التفسیر درج کیا ہے۔
صحیح مسلم جلد اول میں دیکھیے ایک مستقل کتاب کتاب فضائل القرآن وما يتعلق بہ کے نام سے طے کی جاتے۔

جامع ترمذی میں دیکھیں ابواب فضائل القرآن مترہ ابواب پر مشتمل طے کا بکے
سنن دارمی میں بھی دوسری جلد ص ۵۱ پر آپ کو کتاب فضائل القرآن طے کی۔
ابو عبد القاسم بن السلام لکھی (۷۲۲ھ) نے بھی ایک کتاب فضائل القرآن لکھی۔

۱۔ معارف القرآن جلد ۸ ص ۸۲ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۲ ۳۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۶ ۴۔ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۱

سنن ابن ماجہ میں فضل من قدام القرآن وعلہ وسلم دیکھیں۔ ان سنن نے قرآن کریم کو ہمیشہ اپنے مقام پر رکھا ہے اور حدیث کو اس کے تابع کیا ہے۔

ابوالعباس جعفر بن محمد تغفری السنی (۴۲۲ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی۔ اسی دور میں عبد بن احمد البرہوی (۴۲۴ھ) نے کتاب فضائل القرآن لکھی۔ ابوالحسن علی بن احمد الواحیدی (۴۶۴ھ) نے بھی فضائل القرآن پر ایک مستقل کتاب لکھی۔

حافظ ضیاء الدین القدوسی (۶۶۶ھ) نے فضائل اعمال صالحہ میں ایک مستقل رسالہ فضائل القرآن درج کیا ہے۔ علامہ سندھی (۶۵۶ھ) نے الترغیب والترہیب میں کتاب قرآۃ القرآن میں فضائل قرآن کی کئی روایتیں بیان کی ہیں۔ علامہ نووی (۶۷۶ھ) بیاض الصالحین میں کتاب الفضائل کے تحت باب فضل قرآۃ القرآن میں کئی روایات لائے ہیں۔

اس وقت سے لے کر اب تک یہ سلسلہ بیان برابر جاری ہے۔ اس آخر دور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری شمس کی کتاب فضائل القرآن آج تقریباً ہر مسجد میں پڑھی اور سننی جا رہی ہے۔ یہ مقبولیت قرآنی قبولیت الہی کا ایک کھلا نشان ہے۔

ان الفاظ قرآن سب مقدس ہیں۔ ان میں تاثر اشرب العزت کی نسبت سے قائم ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے اس کی مخلوق نہیں تکلیف کے وقت کسی مخلوق سے نسبت قائم کرنا اس سے بہت مختلف ہے۔ جو بندہ اشرب العزت کی طرف رجوع بجالائے کلمات الہیہ سے نسبت خدا سے ہی نسبت ہے اور ان میں اثر اسی کے حکم سے آتا ہے ان الفاظ کا زبان پر لانا بھی ببادت ہے اور ان پر عمل کرنا عین مقام عبدیت ہے۔

کسی مخلوق کا کلام زبان پر لانا علم و معرفت تو ہو سکتا ہے عبادت نہیں جن علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تلاوت بھی عبادت ہے وہ غلطی پر ہیں جس طرح کوئی مخلوق لائق عبادت نہیں مخلوق کی صفت کی بھی عبادت نہیں کی جاسکتی۔ افسوس کہ بعض المجاہدین علماء حدیث کی تلاوت کو بھی عبادت سمجھتے ہیں ان کے ایک مولوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

آپ نے چونکہ اس قول سے اختلاف نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مخلوق کی عبادت کی بھی کوئی راہ کل سکتی ہے۔

سوال: بعض بزرگوں سے مصائب کے وقت صبح بخاری کا ختم کرنا منقول ہے کیا یہ کلام مخلوق کی تعبدی شان کا اقرار نہیں کیا کسی مخلوق کا کلام درجے میں آسکتے ہیں؟

جواب: ایسے موقعوں پر صبح بخاری کا ختم برکت کے لیے کیا جاتا ہے عبادت کے طور پر نہیں۔ برکت بے شک مخلوق میں آسکتی ہے۔ بیت المقدس کے گرد برکتیں ہی برکتیں اُتری ہیں قرآن کریم میں ہے۔ بارکنا حوالہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے مبارک کیا ہے جعلنی مبارکاً اینما كنت (پ) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ معاذ اللہ عبادت کے لائق ہو گئے تھے۔

محدثین نے حدیث کی کتابوں میں کتنے مقامات پر حدیثوں پر قرآنی آیات سے باب باندھے ہیں امام نسائی اپنی سنن میں جہاں یہ حدیث لائے ہیں کہ امام کے چھپے قرآن پڑھا جائے مقتدی قرأت خلف الامام نہ کرے تو آپ نے اس حدیث پر اس آیت سے باب باندھا ہے۔

وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِالْعِلْمِ تَوْحِيدِ (پ الاعراف)

اس سے پتہ چلا کہ محدثین ہمیشہ قرآن کو ساتھ لے کر چلے ہیں اور مسکین حدیث جو یہ کہتے ہیں کہ جمع حدیث قرآن کے خلاف ایک عجی سازش تھی یہ بالکل غلط ہے۔ اگر حدیث امت کو قرآن سے دور کرے کی ایک سازش ہوتی تو محدثین اس طرح ساتھ ساتھ قرآن لے کر نہ چلتے۔ مسکین حدیث کی یہ چال خود قرآن کے خلاف ایک سازش ہے کہ اسے حدیث سے جدا کر کے ایک بے معنی کتاب بنا کر رکھ دو۔

استغفر اللہ العظیم

نزول قرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى (آداب)
 قرآن کریم کی پہلی منزل لوح محفوظ تھی۔ کلام باری کے پہلے نقوش اسی ام کتاب میں ابھرے۔
 ام کتاب عالم وجود کی سب سے پہلی لوح ہے جس میں قرآن کے نقوش ابھرے۔
 نحو. والکتاب المبیین. انا جعلناه قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون۔ وانه
 فی امر الکتاب لدینا العلیٰ حکیم۔ (سجۃ الزخرف)
 ترجمہ۔ قسم ہے واضح کتاب کی ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی تاکہ تم سمجھ سکو
 اور بے شک یہ لوح میں بہا ہے پاس ہے برتر اور حکم
 انا لقرآن حکیم۔ فی کتاب مکنون۔ لا یمسہ الا المقطعون۔
 (سجۃ الواقعة ۷۷)

ترجمہ۔ بے شک یہ ہے قرآن کریم ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا اس کو بغیر
 پاکوں کے اور کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔
 بل ہو قرآن مجید۔ فی لوح محفوظ۔ (سجۃ البروج ۲۱)
 ترجمہ۔ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں لکھا ہوا۔
 ایک مبارک رات تھی۔ بڑی مبارک رات جب رب العزت نے اس کا نزول مبارک کیا
 اس رات تقدیروں کے فیصلے صادر ہوتے ہیں یہ غالباً شعبان کی پندرہویں رات تھی۔
 نحو. والکتاب المبیین. انا انزلناه فی لیلۃ مبارکۃ۔ (سجۃ الدخان)
 ترجمہ۔ قسم ہے اس واضح کتاب کی ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل
 فرمایا (اس کا نزول مقدر فرمایا)۔

ما قال اتدی ما ام الکتاب قلت الله ورسوله اعلم قال فانه کتاب کتبہ الله قبل ان یخلق السموات والارض
 ان یخلق الارض۔ (جامع ترمذی الباب القدر جلد ۱ ص ۱۱۱)

رمضان کا مہینہ اور قدر کی رات تھی ہزاروں مہینوں سے بہتر رات تھی جب قرآن مجید پورے
سلاطین اور بروج محفوظ سے پہلے آسمان پر نازل ہوا۔ یہ پہلا نزول اور قرآن پاک کی دوسری منزل
تھی۔

شہد رمضان الذی انزل فیہ القرآن۔ (رب البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ۔ رمضان کا مہینہ تھا جس میں کہ قرآن اتارا گیا۔

اتما انزلناہ فی لیلة القدر۔ (نب القدر)

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اسے لیلة القدر میں اتارا ہے۔

قرآن پاک تقدیر الیلة مبارکہ میں اور عملاً لیلة القدر میں پہلے آسمان پر نازل ہوا اب یہ
پہلے آسمان پر ایک مخفی خزانہ تھا اور اس ترتیب سے تھا جس شکل میں آج ہم اسے دیکھ
رہے ہیں۔ سورتوں کے فرائض و مقاطع اور پہلی سورت کے آخر کا دوسری سورت کے اول
سے لطیف ربط اس ترتیب کے سادگی ہونے کی ایک شہادت ہے۔

اب اس وحی الہی کے چشمے ایک پُر نور سینہ بشری سے بھرتے ہیں اور قرآن پاک
اس معنی و مصطفیٰ مبینہ قلب میں اترتا ہے جسے فیضان الہی سے اس کے تحمل کی استعداد مل چکی
ہو۔ یہ قرآن پاک کا دوسرا نزول اور اس کی تیسری منزل تھی۔ یہ نزولی ترتیب وقتی ضرورت
ہنگامی حالات اور عصری مناسبات کے مطابق تھی جسے لینے کے بعد باعلام الہی اسے
اصل ترتیب پر نوادیا جاتا۔ اور اسی حقیقی ترتیب پر قرآن مجید لکھا جاتا۔ یہ نزول مقصوراً
مقصوراً اور تدریجاً عمل میں آتا رہا۔ یہ دوسرا نزول تقریباً تیس سال میں اتمام پذیر ہوا۔
وقرآننا فرقنہ لتقرأہ علی الناس علی مکث و نزلنہ تنزیلاً۔

(فتح مکی اسرئیل ۱۰۶)

انزل القرآن اولاً جملة واحدة من اللوح المحفوظ الى السماء الدنيا ثم نزل علی حسب المصلح
قاله الطیبی کما فی الاتقان ص ۱۴۷ عن ابن عباس قال انزل الله القرآن الى السماء الدنيا
فی لیلة القدر (المستدرک للحاکم)

ترجمہ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے رکھا تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے
ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور ہم نے اسے اتار تے اتار تے اتارا۔
انا نحن نزلنا عليك القرآن تنزیلاً رطباً

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ پر قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

وقال الذين كفروا لولا نزل عليه القرآن جملة واحدة كذلك
لنثبت به فؤادك ورتلناه قسماً (رطب قرآن ۴۲)

ترجمہ: کافروں نے کہا کہ سارا قرآن اکٹھا کیوں نہ اتارا گیا۔ اسی طرح اتارا
تاکہ تم اس سے آپ کا دل ثابت رکھیں اور ہم نے اسے سنایا ٹھہر ٹھہر کر

قرآن پاک کے لیے عموماً تنزیل کا ذکر ہے انزال کی تعبیر کہیں کہیں ہے۔ تنزیل
بتدریج اتارے کو کہتے ہیں اور انزال اکٹھا اور یکجا اتارنا ہے قرآن پاک کا پہلا نازل ہوا لوح
محفوظ ہے آسمان دنیا پر تھا وہ بے شک اکٹھا اور یکجا تھا۔ انا انزلناه فی لیلۃ القدر
لیکن ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تدریجاً نازل ہوا۔ ہاں پہلی امتوں کے لیے سابقہ کتابیں
یکجا صورت میں ملی تھیں۔

نزل عليك الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه وانزل التوراة و
الانجيل من قبل هدهد للناس۔ (پ آل عمران)

ترجمہ: تھوڑا تھوڑا کر کے اتاری آپ پر کتاب سچی تصدیق کرنے والی
پہلی کتابوں کی۔ اور اکٹھا اتارا تورات اور انجیل کو اس سے پہلے اس
وقت کے لوگوں کی ہدایت کے لیے۔

قاضی بیضاویؒ یہاں نزل کے معنی سبھا علیحدہ علیحدہ اور تھوڑا تھوڑا نازل کرنے
کے اور انزل کے معنی جملہ اکٹھا اور یکجا کرنے کے کرتے ہیں۔ یہی ان الفاظ کے حقیقی معنی
ہیں اس کے خلاف تعبیر مجاز پر محمول ہے۔

وحی الہی کا تحمل

وحی الہی کے تحمل کے لیے پروردگار عالم جسے چاہیں اس کی دُعا و عزت اور ریاضت و محنت کے بغیر اسے خود انتخاب فرماتے ہیں۔ ہاں شرفِ ہیکلانی سے پیشتر اس میں تحمل وحی کے مناسب ہر طرح کی استعداد اور صلاحیت پیدا کر دی جاتی ہے۔

اللہ اعلم حیث يجعل رسالته . (پہلا انعام ۷۷)

ترجمہ۔ اللہ ہی جانتا ہے کہاں وہ اپنی رسالت رکھے

واللہ یختص برحمته من یشاء . (پہلا بقرہ ۱۰۵)

ترجمہ۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر دے۔

رب العزت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیم اور طبع مستقیم عطا فرمائی تھی۔ آپ کا مزاج سلامتی اور اعتدال کے سلسلے میں اس طرح دُھلا تھا کہ آپ کی عفت و امانت اور عدالت و دیانت کو ہمہ گیر شہرت حاصل تھی۔ جوں جوں عطا کئے وحی کا زمانہ قریب آتا گیا رب العزت کا آپ کی یہ خصوصی تربیت فرمانا اور رنگ لانا رہا۔ یہاں تک کہ آپ کی پوری پہلی

لے قال ابن حبان من ذهب الى النبوة مكشبة لا تنقطع او الى ان الولي افضل من النبي فهو زنديق يجب قتله لتكذيب القرآن وخاتم النبيين۔ (دقائق ۲ ص ۸۵) ومن انواع النوع الثالث من المقصد السادس او جوده اكتسابها والبلوغ بصفاء القلب الى مرتبتها كالنفاسفة وغلاة المصوفة وكذا لك من ادعى منهم انه يوحى اليه وان لم يدع النبوة فهو زاع المذکور دون كلامهم كفار محكوم بكفرهم وملخصاً من شرح الشفاء للعلامة الحنفی ج ۲ ص ۸۵) ومثل في شرح اللآلئ ص ۱۰۱ فلا يبلغها احد بعلمه ولا يستحقها بكسبه ولا ينالها من استعداد ولا يتنه بل يخلص بها من يشاء ومن زعم انها مكشبة فهو زنديق (شرح عقيدة السفارینی ص ۸۵) وها تان المسئلان من جملة ما كفر به بتجويز النبوة بعد النبي الذي اخبر تعالى انه خاتم النبيين وقولهم انها تنال بالكتب (صحيح الاغثنی ۱۳ ص ۸۵) پس یہ کہنا کہ انسان خدا اور اس کے رسول اکرم کی اطاعت سے مرتب نبوت پا سکتا ہے یا یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی سے ملی تھی اور انہوں نے اپنی اس محنت سے مرتبہ نبوت پایا تھا ایک کھلا الحاد اور کفر ہے۔

زندگی آئندہ کی زندگی کے لیے صحت و سلامتی کی ایک مستقل دلیل بن گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا:-

قَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ صَمْرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (پاپیوس)

ترجمہ: میں نزولِ قرآن سے پہلے بھی مدتوں تمہارے درمیان رہ چکا ہوں کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

غور کیجئے کہ اس ذاتِ قدسی صفت کی وہ زندگی جو وصولِ وحی سے پہلے کی تھی قرآن اسے کس طرح محبت اور حسد کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اب بھلا وہ زندگی جو فیضانِ وحی سے برابر بہہ رہی تھی محبت اور حسد نہ ہوگی؟

املاہن نبوت کے بعد جب آپ کو قوم کی بے لوث راہنمائی کا صلہ ”ساحرِ مبین“ کے الفاظ میں دیا گیا تو فخرینِ حادث نے اسی تمہیدِ نبوت — آپ کی پہلی زندگی — کو ان الفاظ میں پیش کیا جن کی تلاذگی آج بھی بعینہ محسوس ہو رہی ہے۔

قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيكُمْ غَلَا مَّا حَذَا أَرْضَاكُمْ فِيكُمْ وَاحِدًا فَكَمْ حَدِيثًا
وَاعْظَمَكُمْ أَمَّا نَأْتِي حَتَّى إِذَا رَأَيْتُمْ فِي صَدْعِهِ الشَّيْبَ قُلْتُمْ سَاحِرٌ
وَاللَّهِ مَا هُوَ سَاحِرٌ بَلْ

ترجمہ: جب محمد تم میں فوٹیز تھے تو اسے قریش مکہ تمہارے نزدیک سب سے پسندیدہ تھے سب سے زیادہ سچے اور تم میں سب سے بڑے امین تھے (بے پردائی کے) اس زمانہ میں تو حال یہ تھا اور اب جب کہ ان کے بال سفیدی لارہے ہیں اور وہ تمہارا پاس خدائی پیغام لے کر آئے ہیں تم نے انہیں جادوگر کہہ دیا۔ بخدا وہ جادوگر نہیں ہیں۔

جب تربیت پذیری کے جوہر صداقت و امانت میں اعترافِ عام بن گئے تو آپ کا

طبی میلان تجرد و غلو کی طرف ہو گیا۔ کیسوی کی رغبت جذب الہی اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کی تکمیل کرنے لگی۔ نور بشریت میں نور ملکیت و ولایت ہوا وہ وقت آگیا جو عطلے وحی کے لیے علم الہی میں مقرر تھا۔ آپ کی عمر شریف قمری حساب سے چالیس سال سات ماہ اور شمسی حساب سے اترالیس سال تین ماہ اور سولہ دن کی منزل سے گزر رہی تھی اور آپ غار حرا میں تھے کہ اچانک وحی الہی سے سرفراز ہوئے بخاری شریف میں ہے:-

حتیٰ فحسبہ الحق وهو بفارحرا۔

آپ غار حرا میں تھے کہ اچانک بغیر کسی توقع کے وحی الہی آ پہنچی۔

اتر کر مرا سے سوئے قوم آیا

اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

مکہ سے منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو فاران کہتے ہیں اس میں ایک غار غار حرا کے نام سے موسوم ہے آپ اس غار میں تشریف فرما تھے کہ حیرتیں این تارے اور آپ سے کہا:-

اخذاء (پڑھئے)

آپ نے کہا۔ ما النا بقادی۔ (میں پڑھا ہوا نہیں)

حضور اکرمؐ پڑھنے سے انکار نہیں فرما رہے اپنی حالت کا اظہار فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ ابھی یہ حقیقت نہ کھلی تھی کہ جو کچھ پڑھنا ہے وہ بھی حضرت جبریل ہی بتائیں

لہذا غلط فہمی اس تجرد اور غلو کی وجہ یہ کہتے ہیں۔ لما یرامہ علیہ من الضلال المبین من عبادة الاوثان والوجود للاصنام کہ آپ قوم کی کھلی گمراہی کو دیکھ کر کہ وہ بت پرستی میں مبتلا ہے اور بتوں کے سامنے سجدہ گزار ہیں بہت کڑھتے تھے اس لیے قوم سے علیحدگی میں یہ وقت گزارتے تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۵۳) پس یہ سمجھا کہ آپ حملِ نبوت کے لیے ریاضت کرتے تھے یہ درست نہیں۔

لہذا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا معنی لکھتے ہیں۔ جاء بقعة علی غیر موعدا (البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۵۳) امام احمد کی ایک روایت میں بخارہ الوسی کے الفاظ ہیں۔ پس اس جگہ حق سے ملر دھجی ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۵۲ بحاشیہ فتح البیان)

گئے پھر حضرت جبریل نے آپ کو زور سے دایا اور سینے سے لگا کر بھیجا اور چھوڑ دیا۔ پھر کہا اقرار (پڑھیے) آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ حضرت جبریل آنحضرت کو بار بار اٹکے لگا رہے تھے تاکہ شانِ مکی اور طبعِ بشری میں ایک مناسبت پیدا ہو جائے اور حضور فرشتے کی وساطت سے وحی الہی کی تلقین کر سکیں اور باری تعالیٰ کے کلام کو وصول فرما سکیں ایسا تین دفعہ ہوا اور تیسری دفعہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے وہ وحی پیش کی جس کے پڑھنے کے لیے آپ کہہ رہے تھے یہ سب سے پہلی وحی تھی جب حضرت جبریل نے سورۃ اقرار کی پانچ آیتیں حضور تک پہنچا دیں تو گھر واپس ہوئے۔ آپ کے دل مبارک پر اس واقعہ کا بڑا اثر تھا۔ آپ نے حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھے کھل اڑھا دو۔ جب کچھ سکون ہوا تو آپ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چھیرے بھیلی جناب درقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ ہل کتاب کے بڑے جید عالم تھے انہوں نے بتایا کہ یہ وہی ناموس (راز دار رسالت) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔

حضور اکرمؐ نے حضرت خدیجہ کو صرف واقعہ بتایا تھا ان سے اس واقعہ کی حقیقت معلوم کرنا نہ چاہتے تھے اور نہ ان سے آپ نے یہ کہا تھا کہ درقہ بن نوفل کے پاس چلیں یہ سب حضرت خدیجہ کا اپنا اقدام اور اپنی شفقت کا ایک اظہار تھا اور نہ اس وقت حضور اکرمؐ کو وحی الہی میں تردد ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہوا تھا۔ اور نہ آپ کو اس میں کسی قسم کا شک تھا پہلے کی کیفیت اس عجیب واقعہ کے محض طبعی اثرات تھے اور آپ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ درقہ بن نوفل کے پاس چلے آنا اور ان سے یہ سننا کہ یہی ناموس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی آیا کرتا تھا محض ایک تسکینِ قلب کا سامان ہے اور یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ رب العزت بعد میں بھی انبیاء گزشتہ کے واقعات بیان فرما کر حضور اکرمؐ کی تالیفِ قلب فرماتے رہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ وحی الہی میں حضور اکرمؐ کو ایک لمحہ کے لیے بھی تردد نہیں ہوا۔

درقہ بن نوفل نے حضور اکرمؐ سے یہ واقعہ سننے کے بعد یہ کہا۔

يَا لَيْتَنِي فِيْهَا جِذْعًا يَّالِيَتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا اِذَا يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَعَالٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او منخرجی ہم قال نعم لم یات رجل
قط بمثل ما جئت به الا عودی۔ ۱۰

ترجمہ: کاش کہ میں اس وقت تک جوان رہ سکتا جب آپ کو آپ کی قوم کو سے
نکال دے گی۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہو گا کہ وہ مجھے مکمل دیں
انہوں نے جواب دیا کہ آپ جو کچھ لے آئے ہیں وہ جو کوئی بھی لے کر
آیا اس کے ساتھ یہی ہو کہ عداوت کی گئی۔

اس کے بعد تقریباً تین سال تک کوئی وحی نہ آئی۔ پھر آپ کو وہی فرشتہ نظر آیا اور
آپ پر پھر یہییت طاری ہو گئی۔ اس وقت سورۃ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس
کے بعد وحی کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔

وحی کا نزول اکثر کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا عام طور پر
تین تین چار چلے آتے اترتے۔ لیکن کبھی کبھی ایک لمبی مقدار بھی آپ پر نازل ہوتی۔ آپ کا تہل
کو بلا کہ ہر وحی کو اس کی متعلقہ سورت میں لکھوا دیتے۔ بعض اوقات کئی کئی سورتیں بیک وقت
زیر تدوین رہتیں اور بعض اوقات پہلی سورتوں کے دوران تکمیل ہی نئی سورتوں کا
آغاز ہو جاتا اور آپ انہیں علیحدہ لکھنے کا حکم دیتے۔

کیفیت نزول وحی

کوئی بشر اپنی منضری ساخت اور موجودہ قوی کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا۔
کہ رب العزت مشافہۃ (اس کے سامنے سے ہو کر) اس سے کلام فرمائے اور وہ تحمل کروائے
اس لیے کسی انسان سے یہ کلام ہونے کی یہ تین سورتیں ہی ہو سکتی ہیں۔
① اللہ تعالیٰ فرشتے کے واسطے سے کلام فرمائے مگر فرشتہ سجدہ ہو کر آنکھوں کے
سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے دل پر نزول کرے اور نبی کو دل سے ہی فرشتہ اور

۱۰۔ وفی بعض الروایات الا اذ ذی فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۳۴

۱۱۔ عینی شرح بخاری جلد ۱ ص ۲۱۵ فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۱۵

اس کی آواز کا اور اک ہوا اس طریق نزول میں آپ کو پہلے ایک گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی اور پھر حضرت جبریل امین وحی الہی کے ساتھ آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے۔
قال اللہ تعالیٰ :

نزل به الروح الامين على قلبك باذن الله۔ (پل الشعراء ۱۸۴)

ترجمہ: اس کو لے کر اتر رہا ہے ایک معبر فرشتہ آپ کے قلب مبارک پر۔

فانہ نزلہ علی قلبك باذن الله۔ (پل البقرہ ۹۷)

ترجمہ: بے شک جبریل نے اُتار رہا ہے یہ کلام آپ کے قلب مبارک پر اللہ کے حکم سے۔

قلبک کے نقطہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ اور اندر ہی اندر وجود پذیر ہوتا ہے بغیر کے وجود کے باہر خارجی طور پر کوئی ہستی نظر نہ آتی۔ لغت میں وحی کا لفظ اخفاء اور اشارہ سرلہ پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ وحی کا حقیقی مصدر نزول وحی کا یہی پیرایہ اخفاء ہے چنانچہ نزول وحی کی مختلف کیفیات میں اس کیفیت اخفاء کو خصوصیت سے وحی (اشارہ سرلہ) سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ انداز اخفاء حضور پیغمبر خاتم کے احساس پر شدید گزرتا تھا اور بیشتر وحی قرآنی غالباً اس صورت میں آتی رہی۔ اس احساس شدت کی وجہ محققین یہ لکھتے ہیں کہ اس حالت حضور پیغمبر خاتم کو بشریت سے مکمل کر ملکیت کی طرف جانا پڑتا۔ گویا اس وقت آلات جسد منفری کو بالکل ایک طرف کر کے صرف روحی قوتوں اور قلبی حواس سے کام لیتے تھے دل کے کانوں سے وحی کی آواز سننے اور دل کی آنکھوں سے ہی فرشتے کو دیکھتے تھے۔ دل کی الہی قوتوں سے ہی ان علوم کی تلقین فرماتے اور یہ کیفیت اندر ہی اندر پوری ہوجاتی۔ بشریت سے ملکیت کی طرف آنے میں احساس پر گزرتی۔ ہاں تیسری صورت وحی میں جب آپ کو نہیں بلکہ فرشتے کو ملکیت سے بشریت کی طرف اپنا پڑتا اور حضرت جبریل خود انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تو اس میں آنحضرت کے لیے کوئی وجہ شدت نہ تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں ایک قوت بشریہ

اور دوسری قوتِ ملکیت۔ ہاں کچھ کرام جب ان نفوسِ قدسیہ پر نازل ہوتے ہیں جو فائزِ نبوت ہیں تو انہیں ظلمتِ بشری سے نکل کر عالمِ نور میں آنے کی وجہ سے ایک احساسِ شدت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس میں ان کے حواس بہت متاثر ہوتے ہیں۔

بما الصلصلة فحقیقتها ان الحواس اذا صادها تاثر قوي
فتوشيت فتشولش قوة البصر ان يرى الوانا الحمره والصفرة و
الخصرة ونحو ذلك وتشولش قوة السمع ان يسمع اصواتا مبهمه
كالطينين والصلصلة والمهملة فاذا اتقوا الاثر حصل العلم
ترجمہ رہا مسلسل (یعنی دو سخت چیزوں کا ٹکراؤ اور گھنٹی کی سی آواز) حواس
کی حقیقت یہ ہے کہ حواس سے جب کوئی قوی تاثر لگتا ہے تو ان میں
تشویش و اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ قوتِ باصرہ کی تشویش یہ ہے کہ مختلف قسم
کے رنگ دکھائی دینے لگیں اور قوتِ سامع کی تشویش یہ ہے کہ مبہم قسم
کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے طنطنہ ہٹ اور گھنٹی کی آواز اور ہر قسم
وغیرہ جب یہ اثر تمام پذیر ہوتا ہے تو پھر علم کا تحقق ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اس کیفیت کو باب الایمان بعضات اللہ میں اظہارِ حواس (حواس
کا مغلوب ہو جانا) سے تعبیر فرماتے ہیں۔

جہتِ بشری اور جہتِ ملک کی کا یہ تقاضا حواسِ ظاہری میں تو تشویش پیدا کرتا تھا لیکن
اوپر کی روحی قوتیں اور باطنی احساسات اس قدر قوی ہو جاتے تھے کہ آپؐ وہ کچھ سننے جو
دوسرے ہرگز نہ سن سکتے اور حقائق و معارف کا وہ ادراک ہوتا کہ طائر قوتِ بشریہ کی پرواز
وہاں تک ممکن نہ تھی۔

اس طنطنہ ہٹ یا گھنٹی کی آواز کا کوئی مبداء یا مقطع محسوس نہیں ہوتا تھا اور اس
اعتبار سے یہ آواز سرکب نہیں بلکہ بسیط ہوتی تھی شیخ اکبر علامہ ابن العربیؒ اس اندازِ وحی کی وجہ

خبر یہ بیان کرتے ہیں کہ جس طرح گھنٹی کی آواز اور تھنناہٹ کے لیے کوئی خاص جہت معین نہیں ہوتی بلکہ وہ تمام اطراف و جہات سے سنائی دے رہی ہوتی ہے اسی طرح وحی کی آواز کے لیے بھی کوئی خاص جانب یا جہت معین نہ ہوتی تھی یہ وجہ تشبیہ بہت لطیف ہے۔

② نزول وحی کی دوسری کیفیت

اللہ تعالیٰ بلا واسطہ کسی نورانی پردے کے پیچھے سے کلام فرماتے نبی کی قوتِ سامعہ استماع کلام سے براہِ راست لذت اندوز ہو لیکن آنکھوں کے آگے تجلیاتِ حاصل رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہ بطورِ پراسی انداز کی وحی میں کلام ہوا اور حضورِ خاتم کے ساتھ بھی معراج کی رات اسی انداز میں کلام ہوا بلکہ آپ کے سامنے نور کے جلوے کے سوا اور کوئی پردہ دامن پھیلائے نہ تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

③ نزول وحی کی تیسری کیفیت

کلام الہی کے نزول کی تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متعبد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا تعالیٰ کا کلام اور پیغام پہنچائے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے اس صورت میں آنکھیں فرشتے کو اس کی ظاہری صورت میں دیکھتی تھیں اور کان اس کی آواز سننے تھے بلکہ پاس بیٹھنے والے بھی گفتگو سن لیتے اور بات کو سمجھ سکتے تھے۔

کسی انسان کے رب العزت سے یہ کلام ہونے کا عام ضابطہ یہی ہے اور اسی پیرایہ میں آنحضرتؐ پر بشیرِ قرآن پاک نازل ہوا۔ قرآن پاک خود کہتا ہے :-

وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او مرسل
رسولا فینوح بلاذنه ما یشاء اللہ علیٰ حکیم۔ وکذلک
اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنتم تدری ما الکتاب لا الایمان
ولکن جعلناہ نورا ھدیک بہ من نشاء من عبادنا و انک
لتہدی الی صراطٍ مستقیم۔ (پہ شوری ۵۳)

ترجمہ۔ اور کسی انسان کو طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے ہمکلام ہو مگر اشارے ہی اشارے میں (نزول علی القلب) یا پردے کے چھپے یا بھینچے اللہ تعالیٰ کسی پیغام لسنے والے (فرشتہ) کو پھر اس کی طرف جو چلے جایا فرمائے بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بلند حکمتوں والا ہے اور اسی (ضابطہ) کے مطابق ہم نے قرآن پاک آپ کی طرف بھیجا ہے آپ تو جانتے ہی نہ تھے کہ کیا ہے کتاب اور کیا ہیں تفصیل ایمان لیکن ہم نے ہی اسے نور بنایا ہے اور ہم ہی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہدایت دیتے ہیں اور آپ بیشک مدارِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں۔

نزول قرآن کی ان کیفیات ثلاثہ میں سے دوسری صورت بالکل نا دور رہی لیلیۃ المعراج میں یہی مہنہ واجی تھا یہ صورت واجی دستور عام نہ بن سکی اور بیشتر قرآن پاک پہلی اور تیسری کیفیت کے مطابق ہی نازل ہوتا رہا پہلی کیفیت کو واجی اور تیسری کیفیت کو ایسا سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ یہ واجی اور وسیعہ کا تقابل ہے کسی چیز کو اپنی قسم کو اس کا قسیم نہیں بنایا جا رہا اور نہ کسی چیز کا اپنے آپ سے مقابلہ ہے واجی بلا واسطہ ہے اور ایچہ بالواسطہ ہے۔

پہلا بلا واسطہ سے مراد یہی ہے کہ پیغمبر کے وجود کے باہر کوئی ہستی دکھائی نہ دے اور عالم ہیلہ ی یا نیند میں قلب پر ہی القاء ہو رہا ہو ورنہ صحیح بخاری میں اس صورت میں بھی فرشتے کے لے لے کر تفریح ہو جو ہے ہاں فرشتہ متعجب ہو کہ سامنے نہ آتا بلکہ ایک اشارے ہی اشارے میں اس کا آپ کے قلب مبارک پر نزول ہو جاتا۔ اسی القاء فی القلب اور نفث فی الرورع کو اس مقام پر واجی (اشارہ شریعیہ) کہا گیا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت میں جب آپ سے کیفیت نسل واجی کے بارے میں پوچھا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے نادانہ وجود اندازہ سیکھائی رکینیات ثلاثہ میں سے دوسری کیفیت کو دستور عام نہ ہونے کی وجہ سے ذکر نہ فرمایا اور یہی ارشاد فرمایا:-

لے مشکلات القرآن للعلامہ الانور ص ۲۲۲

لے دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۵۔ بدر الخلق۔ فرامد القرآن للعلامہ الشافعی ص ۲۲۲

احیانا یتبى الوحى مثل حاصلۃ الجریں وهو اشدہ حلی فیفصم
عقوبہ وکعبت عنہ ما قال و احیانا یتمثل فی الملک رجلا فیکلمنی
فامی ما یقول ۛ

ترجمہ کبھی تو وحی میرے پاس اس طرح آتی ہے کہ ایک گھنٹی کی سی آواز
سنائی دیتی ہے اس کا احساس مجھ پر شدید گزرتا ہے پھر یہ دباؤ مجھ
سے اٹھ جاتا ہے اور جو کچھ فرشتے نے کہا ہوتا ہے میں محفوظ
رکھ لیتا ہوں اور کبھی فرستہ متجدد ہو کر انسانی شکل میں مجھ سے مکالم
سہوتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں۔

حضرت ام المؤمنین کہتی ہیں کہ میں نے کئی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت بڑی
کے دان وحی اترتی محسوس کی اس طرح کہ اس کا دیاؤ آپ سے اترتا اور آپ کی پیشانی مبارک
سے پسینہ ٹپک رہا ہوتا۔ (رواہ البخاری)

نبی گراف کے سلسلہ تار میں تن تن کی آواز بغیر اس کے کہ کسی بولنے والے کی صورت
نظر آئے ایک پورے سلسلہ کلام کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتی ہے گھنٹی کی آواز اس
روایت میں ادائے رسالت کے لیے نبی گراف سے نفقات ہیں۔ حاصلۃ اصل میں اس آواز
کو کہتے ہیں جو لوہے کے ایک ٹکڑے کو دوسرے پارے سے پیدا ہوتی ہے پھر اس کا اطلاق
اس آواز پر ہونے لگا جس میں مطلقاً سہٹ اور نفقات ہوں اس آواز وحی میں الفاظ کا پورا تعین
اور امتیاز ہوتا کہ تنطق کی منزل انہیں بعد میں ملتی ہیں اس کلام کو revealed کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔
ابتداء وحی کے زمانہ قدرت کے تین سال چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً بیس
سال قرآن اترتا رہا۔ دس سال کو مظہر اور دس سال مدینہ منورہ کے اس وحی الہی کی تکمیل میں
صوف ہوئے اس کے بعد ہمیشہ تک کے لیے وحی الہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اب محال ہے۔

ۛ بخاری جلد ۛ

ۛ حاصلۃ المحوس ہذا کنفقات التلغوات للاداء الرسالۃ۔ مشککات القرآن للشیخ (۲۴۴)
محفرت کے معنی رکھنے کے ہیں ان تین سالوں میں وحی کا سلسلہ رک گیا تھا یہ زمانہ قدرت وحی کا زمانہ کھلا تھا ہے۔

کہ حضرت جبریلؑ یہ پیرایہ وحی رسالت زمین پر کبھی نزول فرماتیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمادیا :-

قد انقطع الوحی وتو الدین۔^۱

ترجمہ وحی منقطع ہو چکی ہے اور دین مکمل ہو گیا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے بھی یہی اعلان فرمایا :-

ان الوحی قد انقطع۔^۲

ترجمہ بے شک وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

شیخین کریمین کے سامنے القاب وحی کی یہ تقریر بھی ہوئی :-

ان الوحی قد انقطع۔^۳

وحی کی حقیقت

وحی کے لغوی معنی دوسروں سے چھپا کر چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں لیکن شریعت اسلام میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کو کہتے ہیں جس میں کسی انسان کو کسی قسم کی نفوذ فکر اور محنت و کتاب کے بغیر محض فضل ربانی اور لطف رحمانی سے کسی بات کا کو قطعی اور یقینی علم حاصل ہو جائے۔ یہ علم خواہ احکام سے متعلق ہو یا حقائق و معارف پر مشتمل ہو۔ پھر وہ احکام خواہ جدید ہوں یا ان میں پہلے احکام کا ہی البقاء و اجراء ہو یہ سارا علم وحی شریعت ہے اور شریعت اسلام میں اسے قطعیت اور یقین کا قانونی درجہ حاصل ہے۔ یہ وحی شریعت حضور پیغمبر خاتم کے بعد منقطع ہے۔ وحی کا لفظ اب شریعت سے اتنا خاص ہو چکا ہے کہ اب اسے

۱۔ مشکوٰۃ ص ۲۵۶

۲۔ بخاری جلد ۱ ص ۳۶

۳۔ ابن ماجہ ص ۱۱۹

لکھ ابو ذریب کہتا ہے۔ فقال لما وذا وحت الیہ۔ الا للہ انک ما حققت۔ ابوالحق کہتا ہے۔ اعلام فی خفاء۔ کسائی کہتا ہے۔ هو ان تکلم بکلام تخفیہ من غیرہ۔

مذہب قائم النبیوں کے بعد اپنے کسی لغوی معنی میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ قرینہ کی موجودگی کے سوا جہاں بھی دجی کا لفظ استعمال ہوگا وہاں دجی شریعت کے اصطلاحی معنی ہی مراد ہوں گے۔

دجی اور الہام کا فرق

دجی اور الہام میں یہ بات تو مشترک ہے کہ دونوں حصولِ علم کا ایک فیسی ذریعہ ہیں لیکن دونوں میں مبداءِ علم کا انداز مختلف ہے دجی میں اس علم کا مبداء یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے لیکن الہام میں تعین نہیں ہوتا کہ اس کا مبداء کیا ہے ؟ (۲) الہام صاحبِ الہام کو ایک وجدان کی طرح محسوس ہوتا ہے مگر دجی صاحبِ دجی کے لیے ایک روشن بُرہان کی حیثیت رکھتی ہے۔ (۳) الہامی علوم ظن کے درجہ میں ہوتے ہیں لیکن علوم دجی قطع و یقین کا درجہ رکھتے ہیں (۴) الہام نبی اور غیر نبی کے لیے عام ہے لیکن دجی صرف انبیاء کے لیے خاص ہے پیغمبر کے سوا کسی کو علم کا یہ ذریعہ فیسی حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں انبیاء کرام کی روح صدرِ پوچھ ہر طرح کے دخل شیطانی سے پاک اور معصوم ہوتی ہے۔ اس لیے ان کا الہام بھی بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا۔ صاحبِ نور الانوار لکھتے ہیں :-

یست ترك فيه الاولياء ايضا وان كان الها مہم یحتمل الخطاء والصلوب
والهام لا یحتمل الا الصواب بلہ

ترجمہ۔ الہام میں اولیاء بھی شریک ہیں اگرچہ ان کے الہام میں خطا اور صواب دونوں کا کھسکا رہتا ہے لیکن نبی کا الہام بجز صواب کے اور کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا۔

لعل بل غلیظۃ لحدہ القطع فلا یجب علینا اتباعہ وما شیعہ نور الانوار لمرادنا علیہ السلام (مکتبہ النبی) اولیاء اللہ کے وہ بلند پایہ افراد جو محدث کے مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے بھی الہام قطعیت کا درجہ نہیں رکھتے۔ حافظِ مستطانیؒ لکھتے ہیں حتیٰ ان المحدث منهم اذا تحقق وجودہ لا یحکم بما وقع عنده بل لا بد له من عرض علی القرآن (فتح الباری جلد ۲، مکام ربانی تیدنا محمد الف ثانیؐ) فرماتے ہیں ”الہام و کشف بظہیر حجت نیست“ (مکتوبات دفتر اول ص ۸۶) لعل نور الانوار ص ۱۴۴ مجتہائی

علامہ محمد بن عمر حرام الدین پیغمبر کے الہام کے بارے میں لکھتے ہیں :-
 فانہ حجة قاطعة فی حقہ وان لم یکن فی حق غیرہ ہذہ الصفة .
 ترجمہ: وہ اس کے حق میں ایک قطعی حجت ہے گو دوسروں کے لیے وہ اس
 طرح حجت نہ ہو سکے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ وحی میں ایک متحدی ہوتی ہے اور الہام جب کہ وہ غیر پیغمبر
 کا ہو دوسرے کے سامنے حجت اور سند نہیں ہو گا۔ نبوت کے باطنی قویٰ اس قدر مضبوط ہوتے
 ہیں کہ علم کا تحقق پہلے ان میں ہوتا ہے عالم حس اس کا مظہر بعد میں بنتا ہے بکلیات الی البقا میں
 شیخ بوعلی سینا سے منقول ہے :-

نحن نرى الاشياء بواسطة الحس والنبي يرى الاشياء بواسطة القوى
 الباطنة ونحن نرى ثم فعله والنبي يعلم ثم يدري۔

ترجمہ: ہم چیزوں کو حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے دیکھتے ہیں اور نبی ان چیزوں
 کو باطنی قوتوں کے ذریعہ سے دیکھتا ہے ہم پہلے دیکھتے ہیں اور پھر جانتے
 ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے اور پھر دیکھتا ہے۔

یہ باطنی قوتیں علوم نبوت کا ادراک کرتی ہیں۔ ہاں دنیوی امور میں پیغمبر کی زندگی دائرہ
 اسباب سے وابستہ ہوتی ہے۔

وحی کے وجود پر ایک عقلی اعتراض اور مشاہدہ عیانی سے رفع استبعاد

انبیاء علیہم السلام روزِ مہرہ کی زندگی اور نفسِ انسانیت میں باقی بنی آدم کے ساتھ شریک
 ہیں اور ان کا بیٹھنا اسی طبقہ انسانی سے مربوط ہے جو عالمِ اکسباب سے وابستہ ہے پیغمبروں پر
 جب وحی آتی ہے تو پاس بیٹھنے والوں کو بھی ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی چیز خارج سے ان
 کے قلب پر اتار رہی ہے۔ پس جب صاحبِ وحی اس کے خارج سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے تو
 عقل تعارض کرتی ہے کہ ہم اسے آنے جانتے کسی نہ کسی صورت میں کیوں نہ محسوس کریں۔

الجواب:

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ آفتاب کی کرنیں مٹی، پتھر اور لوہے وغیرہ پر برابر پڑتی ہیں مگر یہ اجسام آفتاب کے اس فیض کو اپنی اپنی استعداد کے مطابق قبول کرتے ہیں یہ زیادتی اور کمی ان اجسام سے خارج نہیں کسی طرح آتی یا جاتی محسوس نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ مشاہدہ عیانی اس حقیقت کی منزل بلقی شہادت ہے کہ آفتاب عالم تاب کا جو فیض آئینہ قلعی دار اور لکڑی آتش شیشے کو حاصل ہے وہ باقی اجسام کو نہیں۔

دوسرے کا وقت ہے آفتاب ٹھیک نصف النہار پر ہے۔ لنگیاں بسنگریزے درخت کی شاخیں، زمین کی ریت، سمندر کا پانی اور لوہے کے کالے کالے ٹکڑے، غرض دنیا کی سب کچھ دن بھر اوروں چیزیں اس کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ سورج کی روشنی میں ہر ایک شے ان میں سے الگ الگ دکھائی دیتی ہے اور ہر ایک میں دھوپ کی کچھ نہ کچھ گرمی بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن ان ہی مختلف الانواع اشیاء کے بیچ میں اور ان ہی کالے سیاہ آہن پاروں کے قریب ایک شخص بیٹھا ہے جس کے ہاتھ میں آتش شیشے اور دوسرے میں کوئی سیاہ یا بنر چادر ہے اور جب وہ اپنے شیشے کو سورج کے روبرو کر کے چادر کو اس کے مقابلہ پر لاتا ہے تو اسی وقت چادر میں آگ شعلہ گر دھواں اٹھنے لگتا ہے اور جب آتش شیشے کو سورج کے یا چادر کے شیشے کے سامنے سے سرکا دیتا ہے تو وہ تاثیر آتشیں باقی نہیں رہتی۔

یہ سارا تعجب انگیز ماجہ جب ہم ایک انتہائی درجہ جاہل اور متعصب آدمی سے بیان کرتے ہیں تو بغیر کسی استعجاب کے اس کو تسلیم کرنے لگتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ بہت افسوسناک بے باکی کے ساتھ محال سمجھ کر متحیر اڑانے کو جائز رکھتا ہے جب ہم اس سے یہ کہتے ہیں کہ:

ایک خشک اور بے آب و گیاہ ریگستان میں جہاں بہت سے ایسے مختلف المذہب مختلف الطباع اور مختلف الاران لوگ جمع تھے جن کے پتھر لیے معبودوں کی مانند سخت اور سیاہ دلوں پر آفتاب کمالات کی شائیں بھی اپنا گہرا اثر نہ لواتی تھیں جن کے تہ بہ تہ مادی کائناتوں کے نیچے ان کی لطیف، روحانیت نے اپنے کو چھپا رکھا تھا اور جہالت آئینہ جڑتوں

اور غافلانہ بد مستیوں سے دنیا کے اخلاقی مرتفع کی اصلی صورت، ایسی بگر گئی تھی کہ پہچانی نہ جا سکتی تھی۔

وہاں پر ایک ایسا صفا کیش اور رکشن ضمیر انسان ظاہر ہوا جس کے قلب میں فطری طور پر کمالات الہی سے استفادہ کرنے کی پوری استعداد و ولایت کی گئی تھی اور جس نے ہوش نبھالنے ہی بغیر کسی ظاہری معلوم کے تمام گرد و پیش کے خیالات سے علیحدہ ہو کر ایسی روش اختیار کی جو سیدھی معبود حقیقی تک پہنچانے والی تھی۔ اس پاکیزہ سرشت انسان کو اپنے حبلی اخلاق اور برگزیدہ ملکات کی بدولت جو وہ بطنِ مادہ سے اپنے ساتھ لایا تھا اس منبع الکمال خالق سے ایک خاص الخاص نزدیکی اور مناسبت قائم ہو گئی اور جس وقت وہ خدا کا پاک طینت بندہ تمام خافی تعلقات کو فراموش کیے ہوئے دل سے توجہ صادق کے ساتھ خدا کے ذوالجلال کے جناب میں متوجہ ہو کر بیٹھا تو نہ معلوم کس غیر محسوس راستے سے ایک ایسی گرم روشنی اس کے قلب کی تہ میں اُتری کہ پھر جو دل بھی سامنے آیا اس کی ساری کدورتوں اور آلائشوں کو ہلا کر گندن بنا دیا۔

کیا کوئی عقل و انصاف کا حامی ان دونوں واقعوں میں جو ہم نے ذکر کیے مادیت اور روحانیت کے فرق کے سوا اور کوئی فرق ہم کو ایسا بتا سکتا ہے جس سے ایک واقعہ تو ہمارے احمق مخاطب کے نزدیک قابل تسلیم ٹھہرا اور دوسرے کی محال اور ناممکن سمجھ کر سنی اُڑائی گئی۔

بائیں ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو صحابہ کرام اس کے کچھ نہ کچھ اٹھ اٹھ کر مشاہدہ کر لیتے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیان ہے کہ:-

جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کی طبیعت میں کچھ اضطراب سا پیدا ہو جاتا۔ آخر میں ایک واضح تبدیلی آجاتی اور آپؐ اسی وقت سر مبارک ہچکا لیتے۔ آپؐ کے صحابہؓ جو اس وقت پاس ہوتے سب کے سب اپنے سر نیچے کر لیتے اور وحی کے تمام ہونے پر آپؐ پھر سر مبارک اٹھا لیتے۔

صفوان بن یعلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت یعلیٰؑ کی خواہش تھی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھ سکیں حضورؐ کو ایک دفعہ موضع پھر لڑ میں تھے کہ ایسا موقع پیدا ہو گیا آنحضرتؐ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی حضرت یعلیٰؑ کو پتہ لگا حضرت یعلیٰؑ کہتے ہیں کہ :-

فإذا هو محتر الوجه يخطك ذلك ساعة ثم سري عنه بلة

ترجمہ حضورؐ کا چہرہ مبارک سُرخ تھا اور سانس بھی تیز تھا کچھ وقت تک یہی حالت رہی پھر یہ کیفیت دُور ہو گئی۔

حضرت امام غزالیؒ بمقام المراد میں لکھتے ہیں :-

أما الوحى والالهام فالنفس الناطقة إذا كانت قوية بحيث لم يكن اشتغالها بالبدن ما تخاف من الاتصال بالمبادئ القدسية وكانت المتخيلة قوية بحيث تقوى على استخلاص الحس المشترك عن المحواس الظاهرة اتصلت حالة اليقظة بالعقول المجردة والنفس السماوية وحصل لها ادراك المخبئات على وجه كلي ثم المتخيلة تتحكمها بصورة جزئية مناسبة لها وتنزل الى الحس المشترك فتصير مشاهدة محسوسة .

ترجمہ وحی اور الہام کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قدرت حاصل کر لے کہ بدن سے مشتغل رہنے کے باوجود وہ مبادی قدرتی سے اتصال پیدا کر سکے اور قوت تخیلہ اس قدر قوی ہو جائے کہ جس مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجرکہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اسے غیب کی باتوں کا ادراک بطور اسرکی ماحصل ہو جاتا ہے ۔ پھر قوت تخیلہ ایک جزئی

۱۔ کہ سے دس میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے ۔ ۲۔ بخاری جلد ۵ ص ۴۷

۳۔ مقاصد المراد جلد ۵ ص

۴۔ ایک ایک جزئی کا ادراک ضروری نہیں امر کلی کے طور پر ایک پورا نقشہ کھج جاتا ہے ۔

کی صورت جو اس کے مناسب ہو پیدا کر لیتی ہے اور یہ صورت جس مشترک میں
اُن کو مشاہدہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

ہم اس تفصیل سے پورے متفق نہیں تاہم اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ
وحی کا وجود کوئی ایسا اسرار حال ہرگز نہیں کہ عقل اس کی کوئی صورت تجویز ہی نہ کر سکے۔ مشکلیں اسلام
نے عقل کے پرستاروں کی تقریب ذہنی کے لیے ایسی کئی تعبیرات اختیار کی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ
یہ معاملہ ہرگز خلاف عقل نہیں گو بالائے عقل ہے ہمارا طائر فکر وحی کی بندیوں تک پر وار نہیں کر
سکتا۔ ہم وحی کی ان صفات پر جو کتاب و سنت میں منقول ہیں ایمان لاتے ہیں اور باقی تفصیلات خدا
کے سپرد کرتے ہیں۔ واللہ علی ما نقول شہید۔

وحی کی آواز

آنحضرت پر جب قرآن نازل ہوتا تو آپ ایک گھنٹی کی سی آواز سُنتے۔ اس کی تفصیل پہلے
ہو چکی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس کی آواز تھی۔ جبریل امین کی آواز تھی یا خود رب العزت
کی آواز تھی یا یہ کہ یہ وحی کی اپنی آواز تھی۔

حضرت امام بخاری نے فرقہ جمعیہ کی تردید میں خود رب العزت کے لیے بھی آواز کا ثبوت
بہم پہنچایا ہے اس صورت میں تشریح یہ ہوگی کہ جس طرح رب العزت کی ذات بے چون و مثل
ہے۔ اسی طرح اس کی آواز بھی بے چون و مثل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:-

اِذَا تَكَلَّمَ اللَّهُ بِالْوَحْيِ سَمِعَ اَهْلُ السَّمَوَاتِ شَيْئًا خَاذًا فَرَجَ عَنْ
قُلُوبِهِمْ وَسَكَنَ الصَّوْتُ عَرَفُوا اِنَّهُ الْحَقُّ ۝

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ جب وحی کے لیے کلام فرماتے ہیں تو اسے آسمانوں والے
کچھ سُن لیتے ہیں جب ان سے خوف و ہراس دُور ہو جاتا ہے اور آواز
ٹھہر جاتی ہے تو وہ پہچان لیتے ہیں کہ وہ حق ہے۔

سَمِعَ اَهْلُ السَّمَاءِ لِلسَّمَاءِ صَاصِلَةً ۝

ترجمہ آسمان والے آسمان میں ایک گھنٹی کی سی آواز سنتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے نزدیک وہ آواز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی سینا میں سنی تھی وہ بھی رب العزت کی ہی آواز تھی یہ حضرت امام بخاریؒ کا مسلک ہے جو اصول توحید سے ہرگز متصادم نہیں لیکن جمہور اہل اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ یہ آواز فرشتہ وحی کے پرول کی تھی یا یہ فرشتہ کی زبانی وحی کی آواز تھی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

ایک لطیف واقعہ

حضرت شاہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ عالم ارواح میں ان کی روح عہد است لیے جانے کے لیے ایک مثالی جسم میں داخل کی گئی اس وقت روح کو جسم میں داخل ہونے کا جو حکم ہوا اس کلام الہی کو خود ان کی روح نے سنا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ کے کلام کا لہجہ تک یاد ہے روح اسی لذت میں مست ہو کر جسم میں داخل ہو گئی تھی۔ اس واقعہ پر عارف شہیر شیخ فرید الدین عطارؒ کے کلام سے ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ع قول او را سخن نے آواز نے

ترجمہ۔ اس کے قول کا نہ لہجہ ہے نہ آواز۔

حکیم الامت شیخ متافویؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس وقت حق تعالیٰ کے کلام کی تجلی مثالی ہوئی تھی اس تجلی مثالی میں کلام الہی صوت سے متعزن تھا اور یہ ایسی ہی تجلی تھی جیسے شجرہ طور پر تجلی مثالی ہوئی تھی جس کی وجہ سے درخت سے آواز ہونے لگی وہ صوت بھی کلام الہی کی نہ تھی بلکہ کلام الہی کی تجلی مثالی کا اثر تھا کہ شجرہ میں آواز پیدا ہو گئی مگر ظاہر ہے کہ اگر تجلی مثالی عین صفت

سَلَّمَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَضَعَ اللَّهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرِبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنَحَتِهَا خُضْعًا نَأْلًا لِقَوْلِهِ كَانَ هَٰذَا سُلْسَلَةٌ عَلَى صِفْوَانٍ حَتَّىٰ إِذَا خَرَجَ عَنْ قُلُوبِهِمُ الْحَدِيثُ.

(صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۵۳)

نہیں مگر اس کو صفت الہی سے بہ نسبت دوسرے حوادث کے ایک خاص
تعلق ضرور ہے تو اس کو مجازاً کلام الہی کہنا صحیح ہے امداس میں بہت سے
اثار حقیقی کلام الہی کے موجود ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہ اثر بھی ہے کہ اس
میں لذت ہے جدہوتی ہے کہ نہ کہ اس کو کلام الہی حقیقی سے غایت درجہ
قرب ہے بلکہ

وحی رسالت اور وحی قرآن میں فرق

وحی رسالت اور وحی قرآن میں عموم خصوص کی نسبت ہے۔ ہر وحی قرآن وحی رسالت
ہے لیکن ضروری نہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وحی ”وحی قرآن“ ہی ہو۔ حضور اکرمؐ پر
قرآن کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا رہا۔ وحی کی کسی قسم کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ اسی صنف
وحی میں آنحضرتؐ پر معانی اترتے تھے۔ الفاظ اس میں حضورؐ کے اپنے ہوتے ہیں۔ کلام اللہ کا
عنوان بے شک قرآن کے لیے ہی زیادہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ رب العزت نے
قرآن کے علاوہ بھی آنحضرتؐ کو شرف وحی سے نوازا ہے۔ آپ قطعی انداز میں جوبات بھی کہہ
دیں سب خدا کی وحی ہے۔

وما یطق عن اھلوی ان ھو الا وحی یوحی۔ (پک انجم)

وحی رسالت، وحی قرآن سے عام ہے اور قرآن کے علاوہ اور بھی کئی مواقع کی وحی کو
مشتمل ہے اس کے شواہد قرآن کریم میں بھی موجود ہیں گو وہ اصل وحی وہاں مذکور نہیں۔ قرآن
پاک ایک خبر ربانی کی حکایت کہتا ہے اور وہ اصل خبر ربانی (محکم غنہ) قرآن پاک میں موجود نہیں
اصل وحی کا مذکور نہ ہونا اور اس کی حکایت کا موجود نہ ہونا ایک قرآنی شہادت ہے کہ حضور اکرمؐ
صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی رہی اور یہ کہ وحی رسالت ہر دو قسم کی وحی
کو شامل ہے۔

وحی رسالت عام ہونے پر قرآن کی پہلی مشہدات

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے چپکے سے ایک بات کی حضرت حفصہؓ نے اسے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دی کہ آپؐ کی ایک بیوی نے اس بات کو دوسری پر ظاہر کر دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس بیوی کو اس خبر کا کچھ حصہ بتلایا اور کچھ حصے سے درگزر کی۔ وہ حیران ہو کر کہنے لگیں کہ آپؐ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ بات کر دی ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ مجھے اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

قرآن پاک میں اس خبر ربانی اور وحی خداوندی کی حکایت تو موجود ہے کہ واقعی ایسی وحی حضور اکرمؐ پر آتی تھی لیکن وہ اصل وحی قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں حکایت تو موجود ہے۔ لیکن محکمۂ کتب کہیں مذکور نہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حکایت اور محکمۂ کتب دونوں علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور ان میں تغاثر ضروری ہے۔ حکایت عن نساء صدقہ محال ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

وَإِذَا سَأَلَكَ الرَّسُولُ الْإِلَهَیْهِ مِنْ شَيْءٍ فَقُلْ عَسَىٰ أَنُحَدِّثَ بِهِ ۖ وَلَا تَطْرُقُ عَلَیْهِ ذِکْرٌ

عَرَفَ بَعْضُهُ ۖ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا بَيَّنَّاهُ لَهُ مَا جَاءَهُ قَالَتْ مَنَ أَمْنًا

هَذَا قَالَتْ بَلَّغْ عَلَیْهَا الْخَبَرَ (سُورَةُ التَّحْرِیمِ ۲)

ترجمہ۔ اور جب نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بات علیحدگی میں کی پھر جب اس نے خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبیؐ پر ظاہر کر دیا تو نبیؐ نے کچھ بات بتلا دی اور کچھ ٹلا دی پھر جب اس نے اپنی بیوی کو یہ بات بتلائی تو اس نے پوچھا آپؐ کو کس نے بتایا؟ آپؐ نے فرمایا مجھے اس ذات نے خبر دی ہے جو علیم و خبیر ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جو خبر دی تھی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے وہ اصل خبر کہاں ہے قرآن کریم میں تو وہ موجود نہیں ہے پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ قرآن کریم کے علاوہ بھی آنحضرتؐ پر وحی ہوتی۔ سو وحی رسالت وحی قرآن اور وحی غیر متلو دونوں کو

شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے قلعہ بند یہود کے متعلق عبادت فرمائی کہ ان کے کچھ درخت کاٹ دیتے جائیں اور باغ برباد کر دیئے جائیں تاکہ اس درد میں وہ باہر نکل پڑیں نیز کھلی جنگ کے وقت درختوں کی کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ چنانچہ کچھ درخت کاٹ دیئے گئے۔

قرآن کریم میں ہے :-

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لَيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ اَصْوِلِهَا يَخَادِنُ اللّٰهُ
(پٹا ہنسرہ)

ترجمہ۔ کھجور کے درخت جو تم نے کاٹ ڈالے تھے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تھا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا۔

سوال یہ ہے کہ وہ حکم الہی کہاں ہے کہ یہ درخت کاٹ ڈالو اور یہ اپنی جگہ رہنے دو قرآن میں تو یہ حکم کہیں موجود نہیں، ہاں اس حکم کی خبر اور اس اذنِ باری تعالیٰ کی حکایت پوری طرح سے موجود ہے۔

جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کو درخت کاٹ دینے کی یہ اجازت وحی غیر متلو سے ملی تھی جو وحی قرآن کے علاوہ ایک دوسری قسم کی وحی ہے پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ وحی رسالت وحی قرآن سے عام ہے اور وحی غیر متلو کو بھی شامل ہے۔

وحی رسالت کے عام ہونے کی ایک اور شہادت

وَلَا قُلْنَا لَكَ اَنْ تَبْلُكَ اِحَاطَ بِالنَّاسِ۔ (پٹا بنی اسرائیل ۶۰)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے کہہ دیا تھا تجھے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو۔

قرآن کریم کی اس اہمیت میں ایک وحی کی حکایت ہے کسی وقت اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ بے شک تیرے رب نے لوگوں کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے وہ اصل وحی قرآن کریم میں نہیں

مٹی وہ ایک وحی غیر متلو محی جس کی یہاں حکایت کی جا رہی ہے۔ رب العزت یہاں سابق کہی گئی بات کو یاد دلار ہے جس وہ سابق کہی گئی بات بے شک وحی رسالت ہے مگر یہ حقیقت ہے۔ کہ وہ وحی رسالت یقینی طور پر وحی قرآن نہیں ہاں اگر ماضی ماضی کے معنی میں نہ ہو بلکہ تحقیق وقوع کے لیے مبالغہ ہو تو یہ امر دیکھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وحی رسالت کے عام ہونے پر قرآن کریم کی ایک اور شہادت

آنحضرت پر معراج کی رات بہت سے رموز و اسرار منکشف ہوئے اور اللہ رب العزت نے آپ کو اس قدر حقائق و معارف وحی فرمائے کہ کلام کی بلاغت تفصیل کرنے سے اپنا دامن سمیٹتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے۔

خادجی الخ عبده ما اوحی۔ (پکڑا انجم ۱۰)

یہ اشعار و اجمال اس بات کی ایک قوی شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات آپ پر وحی قرآن کے علاوہ اور بھی کئی اسرار وحی فرمائے۔ آنحضرت کو اس رات جو پانچ نمازوں کا حکم ملا تھا وہ بھی وحی قرآن کے علاوہ رہا اور یہ وحی غیر متلو محی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قرآن کریم میں اور بھی کئی مثالیں ملیں گی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کسی سابق کہی گئی بات کی تفسیر توجہ دلائی اور وہ اصل وحی قرآن پاک میں نہ پائی گئی یہ ایک اشارہ ہے جو قرآن پاک میں پایا گیا۔ اس لیے سب سے چارہ نہیں کہ آپ کی وحی رسالت قرآن پاک میں محدود نہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو سے آپ سے کلام فرمایا۔ گویا وہ کتنا ہی لطیف اشارہ کیوں نہ ہو۔

جمع القرآن

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى اما بعد :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس برس کی عمر میں جب آپ مکہ میں مقیم تھے قرآن پاک منازل ہونا شروع ہوا۔ پہلی وحی قدار میں آئی طریق نزول یہ تھا کہ حضرت جبریل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نزول فرماتے یا انسانی شکل میں متجسد ہو کر سامنے حاضر ہوتے اور حضور کو آیات قرآنی پڑھ کر سناتے آنحضرت مسنے جاتے اور آپ کو وہ یاد ہوتا چلا جاتا تھا۔

نزول وحی کے پہلے دنوں میں حضرت جبریل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آنحضرت بھی اسہٹکی سے پڑھتے رہتے تاکہ اسے جلد لے لیں مبادا جبریل چلے جائیں اور وحی قرآن اچھی طرح محفوظ نہ ہو سکے اور بعد میں اسے لکھوانے اور جمع کرنے میں کوئی دقت پیش ہو۔ اس میں آنحضرت کو کافی مشقت اور دقت کا سامنا ہوتا۔ قرأت قرآن کے آداب بھی جلد ہی کے حق میں نہ تھے اس پر اللہ رب العزت کا ارشاد ہوا :-

لَا تَحْمِلْهُ بِهٖ لِسَانُكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ . اِنْ عَلَيْنَا جَمْعُهٗ وَقِرَآءَتُهٗ . فَاِذَا

قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قِرَآءَتَهٗ ثُمَّ اِنْ عَلَيْنَا مِثْلَآءَ (دکھالیا قیامہ)

ترجمہ قرآن پاک پڑھے جانے پر آپ اپنی زبان مبارک کو بالکل حرکت نہ دیں کہ آپ اسے جلدی سے لے لیں۔ اس کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جلدی کرنا یہ بے شک ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم (فرشتہ کی زبان سے) قرآن پڑھ رہے ہوں تو آپ اسی قرأت کے تابع رہیں پھر اس قرآن کو کھول کر بیان کرنا بھی یقیناً ہمارے ذمہ ہے۔

رب العزت نے آنحضرت کو تسلی دی کہ قرآن پاک کا حرف حرف آپ کے قلب مبارک میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان مبارک سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے آپ اس کی فکر بالکل نہ کریں جس دقت جبریل امین قرآن پڑھ رہے ہوں تو ہم تن گوش رہیں اور خاموشی

سے سنتے باتیں مچھراس کا یاد کرنا، اس کے علوم و معارف کا آپ پر کھول دینا اور پھر آپ کی زبان مبارک سے اسے جاری کر دینا۔ ان سب امور کے ہم ذمہ دار ہیں۔

اس حکم ایزدی نے ہمیں ادبِ قرآن کے ایک نہایت اہم پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جا رہا ہو تو اس کی عظمت و رفعت کا تقاضا ہے کہ جنہیں سنایا جا رہا ہے وہ ہمدن گوش بنے رہیں۔ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:-

فاستمع له وانصت .

ترجمہ: آپ قرآن کو سنتے رہیں اور خود بالکل غاموش رہیں۔

فكان رسول الله بعد ذلك اذا اتاه جبريل استمع فاذا انطلق جبريل قرأه النبي كما قرأه .

ترجمہ: اس کے بعد جب بھی آپ کے پاس حضرت جبریلؑ آتے آپ ان کی طرف کان لگا کر سنتے، جب جبریل چلے جاتے تو آپ سے اسی طرح ٹپھ دیتے جس طرح کہ جبریل نے آپ کے پاس پڑھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ادبِ قرآن کو ایک شعل حکم بھی قرار دیا، فرمایا:-

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پہلے الاعراف)

حضرت کا یہ بھی ایک معجزہ ہوا کہ ساری وحی سنتے رہے اس وقت زبان سے ایک حرف بھی نہ دہرایا لیکن فرشتے کے جانے کے بعد پوری وحی لفظ بہ لفظ کامل ترتیب کے ساتھ ہدوں ایک زیر و زبر کی تبدیلی کے فر فر سنادی۔

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن پاک کا جمع کرنا رب العزت نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جسے اس نے اپنے پیغمبرِ برحق کے ذریعے شانِ تکمیل بخشی یہ امر بھی ذہن نشین ہونا چاہیے کہ یہ جمع و تدوین صرف زبانی حفظ کی شکل میں ہی نہ تھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پال میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا حکم کتابی شکل

میں ہی نہ بھی بلکہ اسے ساتھ ساتھ تحریر بھی کر لیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہی کئی مقامات پر تصریح کی ہے کہ میرا کلام کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصریح کئی اور مدنی دونوں قسم کی آیات میں ملتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

① الز۔ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر (پہلے ہود کی)

ترجمہ۔ یہ کتاب ہے جس کی آیات نہایت مضبوط و محکم ہیں اور پھر انہیں خوب کھول کھول کر سمجھایا گیا ہے ایک حکیم و خیر ذات کی طرف سے۔

② القصص۔ کتاب انزل الیک۔ (پہلے الاعراف کی)

ترجمہ۔ یہ کتاب آپ پر اتاری گئی ہے۔

③ الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولہ یجعل لہ عوجاً۔ (پہلے الکہف مدنی)

ترجمہ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھی اس میں کسی قسم کی کجی۔

④ قالوا اساطیر الاولین اکتتبہا۔ (پہلے فرقان کی)

ترجمہ۔ کافروں نے کہا کہ یہ قرآن پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں اس پیغمبر نے از خود لکھ دیا ہے۔

یہ یعنی قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی اور معنوی ہر حیثیت سے نہایت عجیبی ہیں نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے کسی ایک حرف پر کچھ چینی ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ ان الفاظ کی قبامعانی کی قیامت پر نہ ذرا ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و مستحکم ہیں کہ زمانہ کئی ہی پٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں ان تمام حکیمانہ غریبوں کے باوجود معاش و معاد کی تمام مہیات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے یہ نہیں کہ اجمال و اسباب سے اصل کتاب معمر بن کر رہ جائے۔ یہ کتاب ابتداء نزول سے ہی عمل کے پیر میں اتار دی اور کبھی اس میں عکاسی کر کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی۔

⑤ اَلْقَدْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ . (رپ البقرہ ۱)

ترجمہ۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

⑥ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْهِ . (رپ آل عمران کی ۳)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے اُنڈی ہے آپ پر کتاب بھی۔ تصدیق کرنے والی اگلی کتابوں کی۔

④ رَسُوْلٌ مِّنْ اللّٰهِ يَتْلُوْا صَحُفًا مَّطْمَرَةً . (رپ البینہ مدنی)

ترجمہ۔ اللہ کا رسول ہے پڑھتا ہوا پاک اوراق جس میں لکھی ہیں مضبوط تحریریں۔
قرآن پاک کے ابتداء سے ہی کتابی شکل میں ہونے کی یہ بات نئی اور مدنی قرآنی
شہادتیں ہم نے پیش کر دی ہیں۔ قرآن پاک اگر حضرت کے عہد مبارک میں صرف زبانی حفظ کی شکل
میں ہی ہوتا تو قرآن پاک بار بار اپنے آپ کو کتابی شکل میں پیش نہ کرتا حقیقت یہ ہے کہ حضور
نے قرآن لکھوانے کا بالکل ابتداء سے ہی التزام کر لیا تھا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ کی بیٹی حضرت
ام خالدہ کہتی ہیں :-

سب سے پہلے بسم اللہ میرے باپ نے لکھی تھی۔

پیش نظر ہے کہ حضرت خالد بن سعیدؓ پانچویں مسلمان تھے اور اس وقت آپ کا قرآن
لکھانے کا پورا اہتمام تھا۔ ارشادات نبوت میں بھی کئی جگہ قرآن پاک کے کتابی شکل میں ہونے
کا تذکرہ ملتا ہے۔

۱۔ حضرت نے مختلف مواقع پر قرآن پاک کا اس طرح ذکر کیا گو یا کہ یہ ایک تحریری سرمایہ
ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :-

اِنَّ مَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عَلَمًا عَلِيْمًا وَ
نُشْرَةً وَوَلَدًا اَصَالًا تَرَكَهُ وَمَصْحُفًا وَرَثَةً اَوْ مَسْجِدًا اَبْنَاهُ... الحديث۔

۲۔ ضرورت گریہ مستقل کتاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو عمدہ کتابیں آپؐ کی ہیں ان سب کے ضروری حصے
اس کتاب میں درج ہیں۔ (فوائد القرآن)

۳۔ استیعاب جلد ۱ ص ۱۵۵۔ ۴۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۲۷ عن ابی ہریرۃؓ

ترجمہ مومن کو اپنی موت کے بعد جن اعمال اور نیکیوں سے حمد ملتا رہتا ہے وہ یہ ہیں۔ ۱۔ علم جو اس نے سکھایا اور پھیلایا۔ ۲۔ جو نیک اولاد چھوڑی۔ ۳۔ لکھا ہوا قرآن جو اس کی وراثت میں کسی کو ملا۔ ۴۔ مسجد جو اس نے بنائی۔ ۵۔ کوئی نہر جو اس نے جاری کی۔ ۶۔ وہ صدقہ جاریہ جو اس نے اپنی صحت اور زندگی میں دیا۔ اگر قرآن پاک آنحضرتؐ کے سامنے کتابی شکل میں نہ ہوتا تو آپ تیسرے نمبر پر مصحف کی وراثت کا ذکر نہ فرماتے۔ یہ روایت سنن بیہقی میں بھی موجود ہے۔ کثر اعمال میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:-

قَرَأْتُكَ نَظَرًا تَضَاعَفَ عَلَيَّ قَرَأْتُكَ ظَاهِرًا الْعِضْلُ الْمَكْتُوبَةُ عَلَى النَّاخِلَةِ.

ترجمہ بہتمہارا قرآن دیکھ کر پڑھنا، یاد پڑھنے سے اسی طرح فضیلت رکھتا ہے جیسے فرض نماز نفل پر فائز ہے۔
آنحضرتؐ نے ایک دفعہ قرآن پاک کی تحریریں کسی جگہ لکھتی ہوئی دیکھیں تو فرمایا:-
لَا تَقْرَنُكُمْ هَذِهِ الْمَصَاحِفُ الْمُحَلَّقَةُ. ۱؎

ترجمہ اے لوگو! یہ لکھائے ہوئے مصاحف تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دیں
و کہ تم سمجھو ان کا یہی احترام کافی ہے اصل مقصد ان پر عمل ہے)
سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:-

هَلَىٰ أَنْ يَسَافِرَ بِالْقُرْآنِ إِلَىٰ أَرْضٍ الْعَدُوِّ وَمَخَافَةِ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ. ۲؎

ترجمہ آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ قرآن پاک لے کر دشمن کی سرزمین میں جاؤ اندیشہ ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔
آنحضرتؐ نے مولود کعبہ سیدنا حکیم بن حزامؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت فرمائی:-
لَا تَمْسُقِ الْقُرْآنَ إِلَّا وَانْتَ ظَاهِرٌ. ۳؎

ترجمہ قرآن کو ہاتھ مت لگانا مگر اس حال میں کہ تم باطن ہارت ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک واقعی کسی کتابی صورت میں ان دونوں لوگوں کے پاس موجود تھا تبھی تو حکم ہوا کہ اسے بغیر وضو نہ پھوڑو۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:-

تَوَدُّوا صَحْفَكُمْ أَنْ يَخْلُجَ لَهَا إِنْ السَّرَابِ مِبَادِلُ طَبَعِ

ترجمہ لکھے ہوئے قرآن (کی سیاہی خشک کرنے کے لیے) اس پر مٹی ڈال

لیا کرو۔ کیونکہ مٹی پاک اور مہلک ہے۔

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں ہی کتابی صورت اختیار کر چکا تھا۔ کفار کے سامنے بھی اس کی کتابی صورت ظاہر ہوتی۔ قرآن پاک نازل ہونے سے پہلے بھی لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ پہلے آسمان پر بھی مکتبی صورت میں اُترا تھا۔ آنحضرتؐ پر وحی اُترتی تو آپ بھی اسے باقاعدگی سے تحریر کر لیتے۔ اس وقت سے کراچ تک یہ کتابی شکل میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گوہر دور میں لاکھوں سینے بھی اسے محفوظ رکھتے چلے آئے لیکن ماسوائے لمحات نزول کے کبھی اس سے کتابی صورت جدا نہیں ہوئی۔

نزولی ترتیب لوح محفوظ کی اصولی ترتیب سے مختلف تھی اس کی وجہ یہ بھی کہ قرآن پاک روزِ مہرہ کے کسی باقاعدہ نظام نزول کی بجائے مختلف ضرورتوں اور مختلف موقعوں کے حسبِ حال نازل ہوتا تھا اس کا خاص فائدہ یہ تھا کہ فہم قرآن میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جب یہ نازل ہو جاتا تو آنحضرتؐ اسے نزولی ترتیب کی بجائے اسی اصولی ترتیب پر لکھواتے جس ترتیب سے کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا۔ آپؐ کا تہوں کو ہدایت فرمادینے کے یہ اہمیت فلاں صورت میں فلاں مقام پر لکھ لی جاتے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں:-

انزل القرآن أولاً جملة واحدة من اللوح المحفوظ الى السماء الدنيا

ثم نزل على حسب المصالح ثم اثبت في المصاحف على التاليف

النظم المثبت في اللوح المحفوظ. ۱۱

۱ سنن ابن ماجہ ص ۲۹۱ ۲ دیکھئے جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۳۲ ۳ دہلی ص ۳۹۸ لکھنؤ

۴ الاتقان ص ۱۳۶ مصر

ترجمہ قرآن پاک پہلے لکھا اور بحفظ سے پچھے آسمان پر نازل ہوا پھر ضرورت کے مطابق نازل ہوتا رہا پھر اسی ترتیب کے مطابق مصاحف میں لکھا جاتا رہا جو ترتیب لوح محفوظ میں موجود تھی۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واقفوا يومئذ یقرعون الی اللہ نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ اس آیت کو البقرہ کی دوسرا سی آیتوں کے بعد لکھائیں۔^۱

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ترتیب نزولی کے بعد ترتیب اصولی کی طرف رجوع یہ بھی لازم الہی سے تھا اور یہ کہ موجودہ نظم ۲ آیات در سورہ توقیفی ہے۔

کاتبین وحی

آپ نے قرآن پاک لکھنے کے لیے بعض خاص صحابہؓ کو منتخب کر رکھا تھا ان میں حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی المرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کاتبین وحی تھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوالدرداءؓ، البرزہؓ، ابوالویب انصاریؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبادہ بن صامتؓ، متیم داریؓ، سالم مویؓ ابی منذرؓ، امیر معاویہؓ، عقبہ بن عامر الجعفیؓ، سعد بن حبیدہؓ، عبداللہ بن ارقمؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ مشہور محدث ابن سید الناس (المتوفی ۴۴۴ھ) نے اڑتیس صحابہؓ کی فہرست پیش کی ہے۔^۲ السیرۃ الجلبلیہ میں بیس کاتبان وحی کا انتخاب درج ہے۔^۳

حافظ ابن حزم اندلسی (۵۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ کاتبین وحی میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بعد دوسرا نمبر حضرت امیر معاویہؓ کا ہے۔ آپ کی یہ منزلت فتح مکہ کے بعد قائم ہوئی فتح مکہ کے بعد ان دونوں حضرات کا کتابت وحی اور اس کے علاوہ حضورؐ کی اور کتابت کے سوا اور کوئی کام نہ تھا۔

كان زيد بن ثابت من الزعماء الناس لذلك شغلناه معاوية بعد الفتح فكان
ملازمين للكتابة بين يديه صلى الله عليه وسلم في الوحي وغير ذلك
لا عمل لهم غير ذلك .

ترجمہ: زيد بن ثابت اس پر سب سے زیادہ پابند تھے پھر فتح مکہ کے بعد ثانی
معاویہ ہیں یہ دونوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی اور
اس کے دوسرے خطوط وغیرہ کی کتابت کے لیے ملازم تھے ان دونوں کا
اس کے سوا کوئی کام نہ تھا۔

پھر خطیب تبریزی (۴۳۳ھ) صاحب مشکوٰۃ اپنی کتاب الاکمال میں حضرت امیر معاویہ کے
ذکر میں لکھتے ہیں :-

وهو احد الذين كتبوا الرسول صلى الله عليه وسلم الوحي .
ترجمہ: آپ ان لوگوں میں سے ایک تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
کاتبین وحی تھے۔
حافظ ابن کثیر (۷۴۴ھ) بھی لکھتے ہیں :-

ان معاوية كان من جملة الكتاب بين يدي رسول الله صلى الله عليه
وسلم الذين يكتبون الوحي .

ترجمہ: معاویہ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
سامنے وحی لکھتے تھے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا۔
اگر وہ مختلف تقریرات میں کیوں نہ ہو وہ دس تھے۔ مہاجرین میں حضرت عثمانؓ، حضرت
علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سر فہرست ہیں۔

عہد نبوی میں قرآن پاک کے مرتب نسخے

مہاجرین میں سے ان صحابہ کرامؓ نے عہد نبوی میں ہی پورا قرآن جمع کر لیا تھا۔
 کان من جمع القرآن علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو
 سخی عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ
 من المهاجرین۔

ترجمہ جن لوگوں نے عہد نبوی میں ہی قرآن جمع کر لیا ان میں حضرت عثمانؓ،
 حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم مہاجرین میں سے تھے۔
 انصار مدینہ میں سے جن صحابہ کرامؓ نے پورا قرآن جمع کر لیا تھا ان میں سے پانچ کے
 نام صحیح بخاری میں ملتے ہیں۔

۱۔ ابی ابن کعبؓ (۱۹ھ) ۲۔ معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) ۳۔ زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)
 ۴۔ البرزخیؓ (۵۰ھ) ۵۔ ابو الدرداءؓ (۳۲ھ)

حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ اور حضرت سعد بن عبیہؓ کے لکھے ہوئے دو نسخوں کا پتہ
 حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ ابن عبد البرؒ کے بیانات سے ملتا ہے کہ
 ابن ندیمؒ لکھتے ہیں کہ میں نے ابو یعلیٰ حمزہؒ کے پاس ایک قرآن دیکھا تھا جو ان کے خاندان
 میں متواتر چلا آ رہا تھا۔ یہ نسخہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

پیش نظر ہے کہ ابن ندیمؒ کا زمانہ چوتھی صدی کا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ چوتھی
 صدی تک وہ نسخہ موجود تھا۔ مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا
 ایک اور نسخہ سورۃ ہود سے آخر سورۃ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے۔ چڑے پر
 خط کوفی میں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے آخری صفحے پر لکھا ہے۔

۱۔ الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۸۵ وکذلک فی ازالة الخفاء جلد ۲ ص ۲۸۳ ۲۔ جامع بخاری جلد ۲ ص ۲۸۸، دہلی
 ۳۔ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۳۳، الاستیعاب جلد ۲ ص ۵۲۵ ۴۔ الفہرست ص ۲۸۵ ۵۔ مشاہدہ
 ذاکر اقبال مندرجہ اور سنٹیکس کالج میگزین ۱۹۳۵ء

کر دیتے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں:-

فاذا فرغت قال اقروا فاقروا فان كان فيه سقط اقامه له
ترجمہ: جب میں لکھ چکا تو آنحضرتؐ فرماتے اب پڑھو پس میں پڑھتا اگر
کہیں غلطی ہوتی تو آپؐ اسے درست فرما دیتے۔

سارا قرآن متفرق ادراق میں لکھانے کے باوجود اُسے یکجا نہ کرنے کی وجہ

علامہ خطابی (۲۸۸ھ) لکھتے ہیں:-

انما لم يجمع القرآن صلى الله عليه وسلم في المصحف لما كان يترقبه من
دورود ناسخ بعض احكامه وتلاوته. ۱

ترجمہ: آنحضرتؐ نے قرآن پاک کو ایک ہی مصحف میں یکجا اس لیے نہیں کیا کہ
کسی تکم یا ہیت کے منسوخ ہونے کا احتمال آخری میں موجود تھا۔

علامہ خطابی کی اس توجیہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ الاسلام علامہ مینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:-

فلما انقض نزوله بوفاته صلى الله عليه وسلم اجمع الله الخلفاء
الراسخين ذلك وفاء لوعده الصادق لضمان حفظه على هذه
الامة المحمدية فكان ابداً ذلك على يد الصديق بمشورة عمرؓ.

ترجمہ: جب آپؐ کی وفات پر قرآن کا نزول ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاء
راشدینؓ کے دل میں یہ بات ڈال دی تاکہ اس کا وہ سچا وعدہ جو اس امت
محمدیہ کے لیے قرآن پاک کو محفوظ رکھنے کا تھا پورا ہو۔ حفاظت قرآن کے
وعدہ کو پورا کرنے کی یہ ابتداء حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھوں حضرت عمرؓ کے
مشورہ سے ہوئی۔

۱۔ مجمع الزوائد جلد ۵، حضرت زیدؓ کے کاتب دجی ہونے کا بیان بخاری جلد ۲، ص ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳،
ترذی جلد ۲، ص ۹۱، لکھنؤ میں دیکھئے ۱۔ اتقان ۵۵۵ ۲۔ عمدۃ القاری جلد ۵۔

قرآن پاک کے عہدِ نبوی کے متعدد مصاحف کی خدمت عہدِ خلافت میں

یکجا ہونے کی خدمت عہدِ خلافت میں

قرآن پاک آنحضرت کے عہدِ مبارک میں پورے کا پورا ضبطِ تحریر میں آچکا تھا اور اکثر صحابہ کرام کے پاس اس کی متعدد نقلیں موجود تھیں۔ تاہم ہر ایک نسخہ متعدد مصاحف پر مشتمل تھا اور آنحضرت کی وفات شریفہ تک قرآن پاک نے ایک شیرازے کی صورت اختیار نہ کی تھی، آنحضرتؐ نے یہی پاک صحیفے جن کی ہر سورت گویا ایک مستقل کتاب تھی امت کے سامنے پیش فرمائے (رسول من اللہ يتلوا صحفا مطهرة فيها كتب قيمة) (نپا، البیضاء) ترجمہ: خدا کا یہ پیغمبر وہ پاک صحیفے پڑھے رہا ہے جن میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں۔

یہ متعدد مصاحف جن کا مجموعی نام قرآن تھا کس کس چیز پر لکھے گئے؟ اس کے لیے دیکھنا چاہیے کہ ان دنوں کس چیز سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا۔

① ادیم (چمڑا)

تحریر کے لیے چمڑے کا استعمال عہدِ جاہلیت سے چلا آتا تھا۔ چمڑے پر قلم کے نقوش دیر پا ہوتے تھے۔

② عیب (شاخِ خرما)

کعبہ کی ان شاخوں کو جن پر انھی پتے نہ آئے ہوں گوند وغیرہ سے چکنا بنا کر لکھنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔

③ لکھ (سنگ سفید)

سفید پتھر کی پتلی تختیاں۔ یہ اہم تحریریں اور قانونی وثائق کے لیے عرب میں استعمال ہوتی تھیں۔

لکھ قرشِ کبیر کہتا ہے: لا دار قفر والرسوم۔ قرش فی ظہر الادیم قلم۔ محبوب کا مکان اگرچہ دیوان ہو چکا ہے تاہم نشانات ایسے موجود ہیں جیسے چمڑے پر قلم کے نقوش ہوں۔

۴) کتب

آؤٹ یا بکری کی چڑی ہڈیاں جو لکھنے کے لیے صاف کٹی جاتی تھیں۔

۵) قتب (پالان کی لکڑی)

بعض اوقات ان پر یادداشتیں لکھ لی جاتی تھیں۔

۶) کاغذ

کاغذ کیاب تھا مگر کہیں کہیں استعمال ضرور ہوتا تھا۔ اہم تحریروں کے لیے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس عہد میں کاغذ کے استعمال پر خود قرآن کریم کی یہ شہادت موجود ہے۔

ولو نزلنا علیک کتابا فانی قرطاسا فلیسوا بہ لغال الذین

کفر وان هذا الاصحح میں۔ (پاک الانعام ۷)

ترجمہ: اگر ہم آپ پر کاغذ میں لکھی کتاب اتار دیتے کہ لوگ اسے اپنے

ہاتھوں سے پھولیں تو پھر بھی کافر یہی کہتے کہ یہ تو کھڑا ہوا جادو ہے۔

۲۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حضرت علی المرتضیٰؓ کو کاغذ لانے کے لیے کہا تھا تاکہ کچھ وصیت فرمادیں اسے حدیث قرطاس کہا جاتا ہے۔ اس روایت سے بھی اس دور میں کاغذ کی دستیابی کا پتہ چلتا ہے۔

قرآن پاک کاغذ کے علاوہ بعض دوسری چیزوں پر بھی لکھا جاتا رہا۔ یہ قرآنی مصاحف حضرت کے عہد تک ایک شیرازے میں یک جا نہ ہوئے تھے گو پڑھنے کے اعتبار سے سارا قرآن مرتب تھا مگر ابھی تک اس نے یک جا ہونے کی کتابی صورت نہ پائی تھی۔ آپ کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ کی تحریک اور کاتبین وحی کے تعاون سے اسے ایک شیرازے میں جمع کیا۔ تمام قرآنی رسائلے یکجا ہو کر ایک کتابی صورت میں آگئے۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتبان وحی میں ممتاز مقام رکھتے تھے خلافت کی طرف سے اس خدمت کے لیے مامور کیے گئے اور قرآن پاک کے جمع و تدوین کی یہ دوسری منزل پوری ہوئی۔ قرآن پاک عہد مدینہ میں ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:-

تَدْعُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي الْقُرْآنِ بِأَنَّهُ مُجْمَعٌ فِي الصَّحْفِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى
يَتْلُو صَحْفًا مَطْهُرًا ۖ أَلَا يَذْكُرُ الْقُرْآنَ مَكْتُوبًا ۚ فِي الصَّحْفِ لَكُنْ كَانَتْ
مُفَرَّقَةً ۖ فَجَمَعَهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ كَانَتْ بَعْدَهُ مَحْفُوظَةً إِلَى أَنْ أَمْرُ عُمَانَ
بِالنَّخْلِ مِنْهَا فَتَنَخَّ مِنْهَا عِدَّةُ مَصَاحِفَ وَأَرْسَلَ بِهَا إِلَى الْأَمْصَارِ ۖ
رَجَعَهُ بَنُو ثَرَكٍ إِلَى الْإِمَامِ نَعِيمٍ فِي قُرْآنٍ عَمِيدٍ فِي تِلْكَ يَوْمَ كَمَا أَنَّ عَمِيدٍ
مِنْ جَمْعِهِ ۚ وَرَبِّ الْقُرْآنِ أَنْ عَمِيدٍ فِي لُكْهُمَا هُوَ أَتَمَّ لَكِنْ يَرِيبُ صَحِيفَةً مُتَفَرِّقَةً
أَوْ عَلِيَّةً عَلَيْهِ تَحْتِ بِسُورَتِ الْبُكْرَةِ ۚ نَعِيمٍ جَمْعٌ كَرِّمٌ أَنْ كَرِّمٌ يَرِيبُ
بِرَبِّهِمْ فَظَاهِرٌ بِهَا أَنْ كَرِّمٌ عَمِيدٌ ۚ نَعِيمٍ كَرِّمٌ كَرِّمٌ كَرِّمٌ كَرِّمٌ
عَلَا قَوْلٍ فِي مَجْهَدٍ ۚ

مشہور مشرق ولیم میور لکھتے ہیں :-

لیکن اس بات کے ماننے کی ذبردست وجہ موجود ہیں کہ رسول کی زندگی
میں متفرق طور پر لکھے ہوئے قرآن کے نسخے صحابہ کے پاس موجود تھے
اور یہ کہ حضور کے دعوتِ نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فنِ تحریر باقاعدہ
رایج ہو چکا تھا اور مدینہ جا کر پیغمبر اسلام نے مراسلات کے لیے کئی
صحابہ کو مقرر کیا ہوا تھا اور ایک قرآن لکھا ہوا موجود تھا اس میں بھی
کوئی شک نہیں کہ جو لوگ جنگِ بدر میں گرفتار ہوئے ان سے اس شرط
پر آزاد کرنے کا عہد کیا گیا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھادیں ۚ

یہ مختلف صحیفے جن سے حضرت صدیق اکبرؓ نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں
جمع کیا ایک ہی سلسلہ کتب کے متفرق اجزاء تھے جن کی تقدیم و تاخیر اور ایک دوسرے
سے نسق و ربط کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں
ہی قرآن پاک کے متعدد نسخے تیار ہو چکے تھے۔ اگر ایک نسخہ کا ایک حصہ ایک سختی پر اور
دوسرے کسی دوسری چیز پر لکھا ہوا ہوتا تھا تو ضروری نہ تھا کہ دوسرے نسخے کے اجزاء بھی

انہی مقداروں میں علیحدہ علیحدہ لکھے ہوں ایک نسخے کے دو مختلف اجزاء کا دوسرے نسخے میں ایک جا ہو جانا اور پھر اس دوسرے نسخے کی عبارت جہاں ختم ہوتی ہو پہلے نسخے کے آئندہ جزو میں اس عبارت کا اپنے مانعہ سے متصل ہو جانا ان سارے اجزائے متفرقہ کے ایک سلسلہ کتاب ہونے کی کافی شہادت تھے۔ پھر حضرت جبریل جب آنحضرتؐ سے ہر سال قرآن پاک کا دور کرتے اور پھر آنحضرتؐ نمازوں میں قرآن پاک کو متواتر پڑھتے تو اس سے قرآن پاک واضح طور پر ایک مربوط سلسلہ کتاب کی صورت میں پیش ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ کے عہد مبارک کے صحیفے اگر ایک ہی نسخہ قرآن پر مشتمل ہوتے تو پھر ہو سکتا تھا کہ ان سب اجزاء کا ایک سلسلہ کتاب ہونا موجب دقت ہوتا یا اس کے لیے کسی خارجی شہادت کی ضرورت پڑتی لیکن قرآن پاک عہد نبوت میں جب متعدد نسخوں میں لکھا جا چکا تھا اور ہر ایک کے اجزائے متفرقہ مختلف مقداروں میں مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے ملتے تھے تو یہ صورت واقعہ اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ قرآن پاک عہد نبوت میں ہی ہر اعتبار سے جمع تھا صرف یکجا ہی نہ تھی جو عہد خلافت میں پوری ہوئی۔

پھر مختلف تحریروں منتشر رقعوں اور علیحدہ علیحدہ ٹکڑوں کو یک جا کرنے کی کوششیں بھی آنحضرتؐ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گئی تھیں تاہم کامل یکجا فی حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں عمل میں آئی۔ حاکم نے حضرت زید بن ثابتؓ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بخاری و مسلم کی شرطوں پر صحیح بتایا ہے :-

كنا عند رسول الله نؤلف القرآن من الرقاع
ترجمہ ہم لوگ حضورؐ کے سامنے ہی قرآن کو مختلف ٹکڑوں سے لے کر یکجا
کیا کرتے تھے بلکہ

یہ کوششیں بجائے خود بڑی مفید رہیں لیکن ان کا انفرادی پہلو اور پھر خود تسلسل نزول وحی ان صحیفوں کو ایک کامل یکجا صورت میں نہ لاسکا اور یہ کامل یکسوئی پوری احتیاطی تدابیر اجتماعی کوششوں اور سرکاری اہتمام سے عہد خلافت میں ہی عمل میں آئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ

نے جب حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا تو حضرت زیدؓ کہتے ہیں :-

فَتَتَّبَعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعَهُ مِنَ الْعُسْبِ وَالْخُفَّاءِ وَصَدُورِ الرِّجَالِ
الْحَدِيثِ . ۱۰

ترجمہ میں نے قرآن پاک کو کھجور کی شاخوں ، پتھر کی تختیوں اور عافلوں کے
سینوں سے جمع کرنا شروع کیا۔

حضرت زیدؓ تالیف قرآن کے لیے اس کے اجزاء کا صرف لکھا ہوا ہونا ہی کافی نہ
فردی سمجھتے تھے کہ ہر تحریر پر دو گواہ شہادت پیش کریں کہ واقعی یہ آنحضرتؐ کے سامنے ہی لکھی
گئی تھی۔ پھر اس حصہ قرآن کے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے سُنے ہوئے ہونے پر شہادت
لی جاتی تھی اور یہ تمام کوششیں اس حقیقت پر مستزاد ہیں کہ حضرت زیدؓ خود حافظ قرآن تھے۔
آنحضرتؐ کے مقرر کردہ کاتب وحی تھے اور خود عہد نبوت میں تالیف قرآن کے لیے جدوجہد
کرتے رہے تھے۔

حضرت زیدؓ اس کام کی اہمیت کے پیش نظر کام کی عظمت اور وقت اور محنت کو ان
الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

فَوَاللَّهِ لَوْ كُنْتُ فُتِيَ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا
أُمِرْتُ بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ . ۱۱

ترجمہ۔ خدا کی قسم اگر حضرت ابوبکرؓ اور صحابہ کرامؓ مجھے کسی پہاڑ کے اپنی جگہ
سے سرکلانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر اتنا گراں نہ ہوتا جتنا وہ حکم تھا جو حضرت
ابوبکرؓ نے قرآن کجیا کرنے کا مجھے دیا۔

بہر حال قرآن پاک پورے اہتمام سے ایک شیرازے میں جمع ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ
نے اپنے آخر وقت میں قرآن پاک کا یہ نسخہ حضرت فاروق اعظمؓ کے سپرد کیا اور انہوں نے اپنے
آخری وقت میں بدیں وجہ کس وقت تک غلیفہ ثالث کا انتخاب عمل میں نہ آیا تھا اسے اپنی
صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں دے دیا۔

اس وقت تک کل قلمرو اسلام میں قرآن پاک کے لیے صحابہ و تابعین کی سینہ بسینہ نقل ہی کافی سمجھی تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن پاک کی حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا اور مختلف دیار و اصصار میں آپ کے قرآن خوب پھیلایا۔

خلافت فاروقیؓ قرآن کریم کی اشاعت

حضرت فاروق اعظمؓ نے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوالدرداءؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ابوالیوب الفزاریؓ کو بلا کر حکم دیا کہ شام کے علاقہ میں تعلیم قرآن کے لیے نکل جائیں۔ آخر الذکر دونوں بزرگوں نے کچھ اپنی مجبوریاں پیش کیں اور پہلے تین بزرگ اس عظیم القدر ہم پر نکلے پہلے یہ حضرات حمص پہنچے۔ حضرت عبادہؓ وہیں ٹھہر گئے اور قرآن پاک کی تعلیم جاری کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ دمشق کو اور حضرت معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کی طرف نکل گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا طریق تعلیم یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ جاتے اور قرآن پڑھنے والے سب وہیں بیٹھ جاتے انہیں دس دس کی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور ہر ایک ٹکڑی پر حضرت ابوالدرداءؓ کا کوئی ایک خاص شاگرد مقرر ہو جاتا تھا ایک دن معلقہ درس میں شامل ہونے والوں کی تعداد معلوم کی گئی تو پتہ چلا کہ سولہ سوطالب علم اس معلقہ درس میں شامل ہیں۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایسے معلمین بھی مقرر کیے ہوئے تھے جو خانہ بدوش بدویوں میں پھر کر انہیں قرآن پاک کی جبری تعلیم دیتے۔ بدویوں کو بیدار کرنے کے لیے یہ انداز ضروری تھا پھر امتحان کے لیے کسی دوسرے استاد کو بھیجا جانا تھا جسے قرآن پاک کی کوئی آیت یاد نہ ہوتی اسے حکومت کی طرف سے سزا ملتی تھی۔ عمال کو ہدایت تھی کہ معلموں اور قاریوں کی تنخواہیں مقرر کی جائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب فوجی افسروں کو لکھا کہ اپنے معلقہ کے حفاظ قرآن کو یہاں بھیج دو تاکہ انہیں تعلیم قرآن کے لیے مختلف دیار و اصصار میں بھیج دیا جائے تو صرف حضرت سعد بن

اپنی وقاص کی فوج میں سے ہی تین سو حفاظ قرآن بکھلے بلے

اشاعت قرآن کے اس اہتمام کے باوجود قرآن پاک کے عام تحریری نسخے ایک ہجری گری
اصلاح کے محتاج تھے انہیں عہد صدیقی کے مرکزی نسخے سے منطبق رکھنا ضروری تھا سید برہید
مخطوطات و اشاعت زیادہ دیر تک تحریری مصاحف کے لیے قوت حاکمہ نہ رہ سکتی تھی ضرورت وقت
نے سیدنا حضرت عثمان بن عفان کو عہد صدیقی کے مرکزی انکسالی نسخے کی باضابطہ نقل و اشاعت
کی طرف متوجہ کیا اور غیر مخطوط تحریری مسودے سب ناپید ہو گئے حفاظت قرآن کے وعدہ الہی
کی تکمیل حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی اور یہ سعادت فیصلہ ازل میں جن کے نام تھی
انہی کے نام سے منعمہ شہود پر آئی۔

عرب میں مختلف قبائل آباد تھے زبان بے شک سب کی عربی تھی مگر بولیاں مختلف
تھیں سب سے زیادہ اختلافات حمازی، یحیدی اور یمنی بولیوں dialects میں تھا ہر علاقہ
اور ہر قبیلہ کے اپنے محاورات تھے الفاظ کے علاوہ مخارج حروف، اعراب، لہجات اور ازلان
میں کافی اختلافات تھے ایک قبیلہ حتی کا تلفظ عشی کہتا تھا اور بنو تمیم میں علامت مصارع فتح
کی بجائے کسر سے پڑھی جاتی تھی وہ اَيَّاكَ نَعْبُدُ كَرِ اَيَّاكَ نَعْبُدُ پڑھنے میں مجبور تھے۔

عربوں کا سب سے بڑا ادبی، تجارتی اور قرضی اجتماع سوق عکاظ مکہ کے پاس ہی منعقد
ہوتا تھا یہاں تمام قریب و جوار کے اہل کمال، شعراء اور خطباء اپنے اپنے کمالات دکھاتے
اور اس سالانہ مرکزی اجتماع کے باعث قریش کی زبان خوب منجھتی چلی جاتی، قریش خانہ کعبہ کے
موتولی تھے اور ان کی زبان ارتقائی منازل سے گزر کر عین نقطہ کمال پر پہنچ چکی تھی یہ نزول قرآن
کا زمانہ تھا اور یہ عرب کے نامور شہرہ آفاق فصحاء و بلغاء ہی تھے جنہیں قرآن کریم کی ایک
سورت کی تفسیر لانے کے لیے دعوت مبارزت دی گئی تھی مگر تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کی
مشکل لانے سے سب کے سب عاجز رہے اور خدائی کلام اپنی پوری شان کے ساتھ انسانی کلام
سے ممتاز رہا۔

قرآن پاک لغت قریش میں نازل ہوا لیکن دوسرے قبیلوں کو بھی اپنے اپنے

لب و لہجہ اور اپنے اپنے اعراب میں پڑھنے کی اجازت تھی اور یہ وسعت خود شراح علیہ السلام کی طرف سے واضح کر دی گئی تھی :-

ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف .

ترجمہ :- بے شک یہ قرآن سات مختلف حرفوں پر نازل ہوا ہے۔

سات سے عدد معین مراد نہیں کثرت مراد ہے یہ محاورہ ہے پھر حروفِ سبعہ سے یہ مراد نہیں کہ ہر لفظ میں سات لغات یا اعراب ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک لفظ میں زیادہ سے زیادہ سات کے قریب لغات یا اعراب ہو سکتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصاء کیا ہے۔ زیادہ تر اختلافات اعراب یا لغات کے ہیں مترادف الفاظ کا اختلاف شاذ و نادر ہے کسی کسی عبارت میں دوسری قرأت زیادہ الفاظ پیش کرتی ہے۔ ان اختلافات سے نہ مفہوم کلام بدلتا ہے اور نہ اسے انسانی زیادتی کہہ سکتے ہیں :-

عن ابن عباس قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم ازل استزيده ويزيد حتى انتهني الى سبعة احرف قال ابن شهاب بلغني ان تلك السبعة الا حروف امانا هي الا لا تكون واحدا الا يختلف في حلال وحرام متفق عليه .

ترجمہ :- حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن ایک ہی حرف پر پڑھایا۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور برابر طلب زیادت کرتا رہا اور وہ بھی ایک حرف سے زائد پڑھتے رہے یہاں تک کہ یہ وسعتِ قرأت سات تک پہنچی۔ امام زہری کہتے ہیں کہ یہ سات طرزِ لغت یا اعراب دین میں ایک ہیں حلال و حرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

صحابہ کرامؓ میں بڑے بڑے حافظ اور قاری جو عامۃ الناس کے اختلافات درست

کرتے اور ان شکلات میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا یہ سات بزرگ تھے۔

حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ علاوہ ازیں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابن عباسؓ، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی عام استفادہ کیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی اکتسابِ علم کیا تھا۔ مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور پوری اسلامی دنیا میں جن لوگوں نے قرآن پڑھایا اور سکھایا اور وہ سب انہی دس بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد تھے اور آج قرآن کا سلسلہ اسناد انہی حضرات پر منبہتی ہوتا ہے۔

حضرت عثمان جامع آیات القرآن

اسلام کی دعوت جب عجمی ممالک میں پہنچی اور ملتِ اسلامیہ کا دائرہ وسیع تر ہو گیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پاک کو اس پہلی ایک ہی قرأت "لغۃ قریش" میں پھیلایا جائے اور سرکاری طور پر اہتمام کیا جائے کہ اختلافِ قرأت کہیں اختلافِ قرآن کی شکل اختیار نہ کر جائے پوری کوشش کی جائے کہ قرآن پاک کے نام سے کوئی غیر مختاطب تحریر شائع نہ ہونے پائے۔

قرآن پاک کی اس خدمت کی سعادت حضرت عثمانؓ کے نام لکھی تھی آپؓ نے قرآن پاک کو اسی ایک لغتِ قریش میں جمع کر دیا جو اس کی سب سے پہلی منزل تھی اور جس کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن کا مرکزی نسخہ لکھوایا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے سورتوں کو بھی کامل طور پر مرتب کیا جو عہدِ صدیقی کے مرکزی کسالی نسخے میں مختلف رسائل کی صورت میں جمع تھیں۔

حضرت عثمانؓ جب آمدِ بائبلان اور آرمینیا کی فتح میں مشغول تھے تو حضرت حذیفہؓ جو آنے والے واقعات اور اخبارِ قن پر امتیازی نظر رکھتے تھے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اختلافِ قرأت سے اندیشناک ہو کر بارگاہِ خلافت میں عرض کی۔

یا امیر المؤمنین ادرك هذه الأمة قبل ان يختلفوا في الكتاب
اختلاف اليهود والنصارى۔ ملے

ترجمہ: امیر المؤمنین! اس امت کو نہ مجال لیجئے بیشتر اس کے کہ وہ قرآن
پاک میں اسی طرح کا اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔

اس پر حضرت عثمانؓ نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرکزی نسخہ منگو کر
حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہد نبوت اور عہد صدیقی میں قرآن کی جمع و تدوین میں کام کر چکے
تھے اور جمع قرآن کی پہلی دو منزلوں میں معتد علیہ رہ چکے تھے حکم دیا کہ اس کی متعدد نقلیں کی جائیں
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، سعد بن عاصؓ اور عبدالرحمن بن عمارؓ حضرت زید کے معاون
مقرر ہوئے۔ حضرت زیدؓ جو کچھ قریش میں سے نہ تھے اس لیے حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ جب
متمم ہوا اور زید بن ثابتؓ کا کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان میں لکھو۔ کیوں کہ
قرآن کی پہلی تنزیل لسان قریش ہی اور وہ سب سے پہلے قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا تھا۔
حضرت عثمانؓ کے قرآن پاک کو قریش کی ایک قرأت پر جمع کرنے کے بعد وہ قرأت
جو آنحضرتؐ سے ثابت اور بعض صحابہؓ کی معمول و مختار تھیں صرف بطور روایت باقی رہیں اور
پوری امت اسلامیہ میں اس کا التزام ہو گیا کہ قرآن کا نمکسالی نسخہ صرف ایک رہے اور اسی
کی نقلیں سارے بلاد اسلامیہ میں رائج ہوں۔ حضرت امیر المؤمنینؓ کے حکم سے مکہ، یمن، بحرین
کوفہ، مصر اور شام وغیرہ میں اسی مرکزی نسخہ کی سرکاری نقول بھجوا دی گئیں۔ مدینہ منورہ کا
مرکزی نسخہ امام کہلاتا تھا۔

احوال مصاحف عثمانیہ

ساتویں صدی ہجری کے مشہور مؤرخ علامہ ابوالقاسم نجیبی کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ
نے قرآن پاک کی جو نقل شام بھجوائی تھی میں نے ۶۵۷ھ میں اس کی زیارت کی۔ شام کا
یہ مصحف دمشق کی جامع مسجد کے ایک محراب میں رکھا تھا۔ مکہ معظمہ کے مصحف عثمانی کو میں نے
۳۶ھ میں بخاری جلد ۲ میں مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں کہ میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانے تک دمشق میں یہ مصحف
موجود تھا۔ (مقالات شبلی ص ۲۳)

قلمرو اندلس میں دیکھا تھا اہل اندلس اس مصحف کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ وہی مصحف ہے جس پر شہید ہوتے وقت حضرت عثمان کا خون گرا تھا۔ اس میں اسیت فسبکفیکہ محمد اللہ پر خون کے نشانات موجود تھے۔

علامہ مقرر بنی کی کتاب الخطایں اس سے متعلق نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے جس نسخہ پر خون شہید کے قطرے گرے تھے وہ مدینہ منورہ کا مرکزی نسخہ تھا کہ معتمد و لا نفع نہ تھا۔ مصحف امام جو بوقت شہادت حضرت امیر المؤمنین کے پاس تھا مدینہ منورہ والا مرکزی نسخہ تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ نے اپنے مصحف کو مصحف امام سے مشابہ کرنے کے لیے اسیت مذکورہ پر خوشبو کے خون کے نشانات بنا لیے ہوں گے اور زمانے کے انقلاب کے ساتھ یہی قرآنی نسخہ پھر کسی طرح اندلس پہنچ گیا ہو گا۔ مسلمانوں کا پُرانا رواج ہے کہ آثارِ شریف کی یادیں نہایت عقیدت سے محفوظ رکھتے ہیں، ہو سکتا ہے انہوں نے اس عقیدے کے نشانات لگائے ہوں۔ ائمہوں مدنی کے مورخ عبد الملک کہتے ہیں کہ میں نے مکہ، مدینہ اور دمشق والے مصاحف عثمانی کی ۲۵، ۲۶ میں زیارت کی تھی ان مصاحف میں سے ایک مصحف خدا بانی کیوں کہ اندلس پہنچ گیا قرطبہ کی جامع مسجد میں ایک مدت تک یہ مصحف احترام و تکریم سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ وہی امام نامی مصحف جس پر خون شہید کے نشانات تھے میں نے بصرہ کی جامع مسجد میں دیکھا تھا۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ اب وہ مصحف ردس کے قدیمی مرکز میں موجود ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ان تاریخی حوالوں سے ہمیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن پاک کی جو نکالی نقل مختلف بلاد میں بھجوائی تھیں مگر جن ان قدیم نسخوں کی صدیوں تک نشاندہی کرتے رہے ہیں مرزا احمد سلطان گورگانی نے تصحیف کا تبیین کے شروع میں علامہ سمہودی کی کتاب دفاہ الوفاء ملاحظہ تفصیل کے لیے نفع الطیب جلد ۲۸۲ مطبوعہ مصر مطبوعہ مطبعہ یوسفی دہلی ۱۹۱۸ء

کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مصحف امام حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے دن ہی ضائع ہو گیا تھا۔ راقم الحروف کے نزدیک خادو گورگانی کا یہ خیال صحیح نہیں اور وہ ان کے اختلاف عقیدہ پر مبنی ہے۔ خادو صاحب کا استدلال اس روایت سے ہے :-

”حجاج بن یوسف نے قرآن پر اعراب لگوا کر اس کے نسخے بلاد اسلامیہ میں بھجوائے تو حضرت عثمانؓ کی اولاد کو یہ امر ناگوار گزرا ان سے یہ کہا گیا مصحف امام نکالو جو حضرت عثمانؓ پڑھا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ مصحف تو بروز شہادت امیر المومنینؑ ہی ضائع ہو گیا تھا۔“

ہمارے نزدیک اولاد عثمانؓ کا یہ جواب اس مصحف امام کو حجاج کے تولد کرنے سے بچنے کے لیے ہو سکتا ہے وہ اسے بغیر اعراب یا دگارسلف کے طور پر اپنے خاندان میں رکھنا چاہتے ہوں گے۔ نیز اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مصحف امام اس دن ضائع ہونے کے بعد پھر کسی اور موقع پر بھی ظاہر نہ ہوا ہو گا۔ علامہ سمہودیؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :-

”ابن قتیبہ (متوفی ۲۶۶ھ) کا بیان ہے کہ وہ قرآن پاک جو بوقت شہادت حضرت عثمانؓ کے پاس تھا ان کے بیٹے خالد کے پاس موجود تھا پھر اس کی اولاد میں رہا..... اب انہام کے بعض مشائخ نے بتایا ہے کہ وہ سرزمین طوس میں موجود ہے۔“

پھر علامہ ابو عبید القاسم بن سلام (متوفی ۴۲۴ھ) کی کتاب القرآن سے نقل کرتے ہیں کہ :-

”میں نے حضرت عثمانؓ کا مصحف خود دیکھا ہے اسے امام کہتے ہیں وہ بعض اسرار کے خزان میں محفوظ تھا جو مجھے دکھانے کے لیے لایا گیا میں نے اس پر امیر المومنینؑ کے خون کے نشانات دیکھے ہیں۔“

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مصحف امام حضرت امیر المومنینؑ کی شہادت کے

دن ضائع نہیں ہوا تھا اور مصاحف عثمانی کے تاریخی نسخے آٹھویں صدی ہجری تک عام دیکھے جاتے رہے ہیں۔

اجتماع العوام علی مصحف الامام

جن لوگوں نے آنحضرتؐ کی حیاتِ اولیٰ میں قرآنِ پاک کی متفرق نقلیں لے رکھی تھیں، انہوں نے ان میں لسانِ قریش کا التزام نہ کیا تھا اور مختلف جگہوں پر مختلف قراءت بھی درج تھیں اسی طرح عہدِ صدیقی میں قرآنِ پاک کی کئی کئی کے باوجود عوامی نسخے مختلف قراءت پر مشتمل تھے بعض بزرگوں نے کچھ تفصیلی نوٹ بھی ساتھ لکھ رکھے تھے۔ قرآنِ اول کے لوگ اس میں اشتباہ کا شکار نہ ہوتے تھے لیکن آنے والے دور میں اختلافات قراءت اور تفسیری لوٹوں سے وحدتِ ملی اور اعتقادی سلامتی کے نذر انتشار ہونے کا سبب اندیشہ تھا۔ بالخصوص جبکہ علمی لوگ حقوقِ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اور وہ متن اور شرح میں فرق کرنے پر ہرگز قادر نہ تھے۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ کی نظر بصیرت اس فیصلے پر پہنچی کہ پورے بلادِ اسلامیہ میں ایک بھی مصحف ایسا نہ رہے جو مدینہ منورہ کے نمکالی نسخے اور مصحفِ امام سے مختلف ہو جس نسخے پر تشریحی نوٹ یا اختلافات قراءت منسوخ آیات درج ہوں ان سب کو مرکزی معیاری نسخے سے ہم آہنگ کیا جائے اور مواقع اختلاف کو محو کر دیا جائے یا کھوج دیا جائے یا دھو دیا جائے تاکہ قرآن اور غیر قرآن میں کوئی اشتباہ پیدا نہ ہو اور نہ اختلاف لغات و اعراب ملت میں کسی انتشار کا سامان بنے۔

اس طرح تمام قلم و وسلا میہ کے عوام ایک مصحفِ امام پر جمع ہو گئے عوام کو محفوظ رکھنے کے لیے خواص کو بھی ان اختلافات کے باقی رکھنے کی اجازت نہ دی گئی مصحفِ امام مدینہ منورہ کے مرکزی نسخہ قرآن کی اُپشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی :-

هذا ما اجمع عليه جماعة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

من زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص

اس کے بعد کچھ اور صحابہ کے نام بھی اس میں تھے۔

مصحف امام جیسے صحیح اور غیر مشتبہ نسخوں کے سوا دوسرے مصاحف میں جو کچھ تغیری نوٹ، اختلاف قرائت اور منسوخ التلاوت آیات وغیرہ کے اندراجات تھے ان سب کے متعلق حکم صادر ہوا کہ ایسی تمام عبارات کو ہر صحیفہ اور مصحف میں سے کھرچ دیا جائے تاکہ مظنہ اشتباہ باقی نہ رہے۔

لہ
امربہا سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق۔
ترجمہ: حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ ہر صحیفہ یا مصحف میں سے جو کچھ قرآن کے ماوراء الکتاب ہے اسے پھیل دیا جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مُحَرَّق کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ اسے احراق (باب اغفال) سے مانا جائے اور اس کے معنی جلانے کے کیے جائیں۔ ۲۔ سے ثلاثی مجرد حَرَقَ مُحَرَّقٌ سے لیا جائے اور اس کے معنی کسی آلہ سے رگڑ کر چھیل ڈالنے اور کھرچ دینے کے کیے جائیں کلام عرب میں اس لفظ کے یہ معنی بھی عام ملتے ہیں۔ حدیث میں ہے:-

یُحَرِّقُونَ اِنِیَابَهُمْ غِیْظًا وَخَفْلًا

ترجمہ: اہل جہنم غصے اور گھٹن سے اپنے دانتوں کو رگڑتے ہوں گے۔

لہ بخاری جلد ۲ ص ۴۷، مجمع البحار ص ۲۵۱

عہ تاج العروس بشرح قاموس میں ہے حَرَقَ (ای الحدید بالبرد) یحرقہ حرقاً من حد ضربردہ وحک بعضہ ببعض (تاج العروس جلد ۲ ص ۴۷ مصر) لسان العرب میں ہے حرق نابہ یحرقہ ای صحفہ حتی یمسح لہ من لقی (لسان العرب جلد ۱ ص ۴۷) مجمع البحار میں ہے: انه غلی عن حرق النواة ہو بردھا بالبرد (مجمع البحار ص ۲۵۱) قاضی بیضاوی سورۃ طہ کی تفسیر میں یُحَرَّقُہ کی بحث میں لکھتے ہیں: او بالبرد علی انه مبالغہ فی حرق اذا برد بالبرد (بیضاوی ص ۴۹ مصر) لسان العرب میں ہے: قرء علی کبر اللہ وجہہ لئیلحرقہ احد لئیلردتہ (لسان العرب جلد ۱ ص ۴۷۱ ص ۴۷۲ ص ۴۷۳)

لسان العرب میں اس حدیث کے معنی یہ ہیں :-

وفي الحديث يَحْرُوقُونَ اَيْنا بضم غيظاً وحنفاً اى يحرقون بعضها بعضاً
صحیح بخاری کی اس روایت میں ان بحرِ قحط کے الفاظ البعضُ بعضُہم اور بعضہم کا یہ صیغہ
باب افعال اور ثلاثی مجرد دونوں سے آ سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اس صیغہ مومنین کے حکم میں
اصل مراد کیا تھی؟ وہ یہی ترمیمی کہ قرآن کے سوا جو کچھ لکھا ہے اسے تباہ دیا جائے۔
مجمع البحار میں ہے :-

لأن المحروق هو القرآن المنسوخ أو المختلط بغيره من التفسير أو
بلغة غير قريش أو القراءات الشاذة۔

ترجمہ :- جو عبارات پھیل گئی تھیں وہ وہی تھیں جو منسوخ التلاوات آیات
تھیں یا تفسیری نوٹوں سے محفوظ ہو گئی تھیں یا غیر قریشی کی لغات تھیں یا
شاذ قراتوں پر مشتمل تھیں۔

محروق ثلاثی مجرد کے باب سے ہے باب افعال سے مفعول مَحْرُوقُ آتا ہے پس
جلائے کی معنی صحیح نہیں جلائے کا معنی کرنے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ کسی کتاب سے غیر
مطلوب عبارتوں کو چھین ڈالنا ممکن ہے لیکن کتاب کو باقی رکھتے ہوئے بعض عبارتوں کو جلا کر
محو ممکن نہیں اس طرح تو ساری کتاب جل جائے گی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ کا یہ حکم قرآن کے سوا منسوخ التلاوات آیات یا تفسیری نوٹوں
وغیرہ پر مشتمل تھا قرآن کے پورے نسخے سے متعلق ہرگز نہ تھا اب یہ تو ممکن ہے کہ غیر مطلوب
عبارات کو کھرچ کر اصل کتاب کو محفوظ کر لیا جائے لیکن یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ بعض عبارت کو جلا کر
باقی کتاب کو بچایا جائے تعجب ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی جلائے کے کیسے کر دیئے یہ تو
کسی طرح تصور میں نہیں آ سکتا غالباً یہی وجہ ہے کہ اس روایت کے کسی صحیح طریق میں اُن بحرِ قحط
کے ساتھ بالنار وغیرہ کے الفاظ نہیں ملتے۔

لسان العرب جلد ۱ ص ۳۴۴ عہ اصل عبارت میں کاتب کی غلطی سے ”غیر“ کا لفظ لگایا تھا اسے ہم
نے صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۴۶ کے حواشی سے درست کر دیا ہے۔ مجمع البحار ص ۲۵۱

امام الامہ حضرت امام محمدؒ کی بلند پایہ کتاب سیر کبیر امام سرخسی کی شرح کے ساتھ بار بار جدول میں حیدر آباد کن سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس مسئلے کے ضمن میں کہ جب مسلمانوں کو میل نیت میں کوئی مصحف ملے اور یہ پتہ نہ چلے کہ اس میں کیا لکھا ہے کہیں تو رات و زبور تو نہیں اس کی بیع اور تقسیم بین الغائبین جائز نہیں حضرت امام محمدؒ لکھتے ہیں:-

ولا ينبغي له ان يحرق بالنار ذلك ايضا لانه من الجائز ان يكون فيه شيء من ذكر الله تعالى او مما هو كلام الله تعالى في اوراقه بالنار من الاستغاث ما لا يغني والذي يروى عن عثمان انه فعل ذلك بالصاحف المختلفة حين ارجع الناس على مصحف واحد لا يكاد يصح فالذبح ظهر منه من تعظيم المحرمه لكتاب الله تعالى والمداومه على تلاوته انا المليل والنهار دليل على انه لا اصل لذلك الحديث. مله

ترجمہ: امیر شکر کے لیے جائز نہیں کہ اس مصحف کو آگ میں ڈالے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں ذکر الہی یا کلام الہی میں سے کچھ ہو پس اسے آگ میں جلانے سے اس کی بے حرمتی ہے جو ظاہر ہے اور وہ جو حضرت عثمانؓ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کرنا چاہا تھا تو مصاحف مختلفہ ملا دیئے تھے سو یہ روایت صحیح نہیں حضرت عثمانؓ سے کتاب اللہ کی جو تعظیم و حرمت اور رات دن اس کی تلاوت اور اس پر مداومت منتقل ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے متعلق قرآن جلانے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے

حضرت امام محمدؒ کے اس فیصلے کی روشنی میں ہم صحیح بخاری کی روایت میں ان یحرق کے معنی کھڑچنے اور رگڑنے کے ہی کہیں گے جلانے کے معنی ہوں تو پھر اس روایت کی صحت تسلیم نہ ہوگی حالانکہ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور اسناد اہل کمال صحیح ہے جلانے کے معنی

کی صورت میں اس کا حضرت امام محمدؒ کے فیصلے سے کھلا تصادم ہوگا۔ پس ترجیح سے تطبیق اولیٰ ہے اور جہانے وغیرہ کے معنی یہاں ہرگز نہیں لیے جاسکتے۔

حضرت عثمانؓ کی یہ کاوش صرف اس لیے تھی کہ قرآن کریم کو غیر قرآنی اشتراط سے محفوظ کر لیا جائے نہ کہ قرآن کے سب سے پرانے نسخے ہی ضائع کر دیئے جائیں اس تحریک کا مقصد قرآن کی تجرید اور نسخہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ محدث عبدالرزاق اپنے ”مصنف“ میں ابواب عموم کے آخر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:-

جردوا القرآن لا تلحقوا به ما ليس منه .^۱

ترجمہ: قرآن پاک کو غیر قرآنی عبارات سے جدا رکھو اس میں ان ان جملوں کو نہ ملاؤ جو قرآن میں سے نہیں۔

ابراہیم حربی ”طریب الحدیث“ میں لکھتے ہیں کہ اس حکم تجرید میں دو احتمال ہیں: ۱۔ تجرید فی التلاوة . ۲۔ تجرید فی الخط . مشہور محدث حافظ ذیلیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔^۲

رفع اختلاف کا ایک اور انداز

صحیح بخاری کی روایت میں اَنْ يُحْرَقَ کے الفاظ مختلف فیہ ہیں بعض نسخوں میں اَنْ يُحْرَقَ کے الفاظ ہیں اور بعض نسخوں میں ان کی بجائے ان يُحْرَقَ کے الفاظ ملتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بڑے وثوق سے لکھتے ہیں:-

فی رواية الاكثر ان يحرق بالماء المعجونة وهو ثابت .^۳

ترجمہ: صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں سحرق کی بجائے یحرق ہے اور یہی باعتبار ثبوت پختہ ہے۔

یحرق کے معنی پھیل دینے اور الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں یہ معنی سحرق کے ان معنی

۱۔ المصنف لعبدالرزاق جلد ۳۔ ۲۔ نصب الراية فصل فی البيع جلد ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ مصر الثانی اولیٰ

۳۔ فتح الباری جلد ۹ ص ۱۹

کے بھی بہت قریب ہیں جو ہم نے پہلے بیان کیے ہیں اختلاف نسخہ کا قریب تبارک ہے کہ یحرق کے معنی بھی جلانے کی بجائے چھیل ڈالنے کے ہی کیے جائیں۔ محدث شہیر ملا علی قاریؒ مشکوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں :-

قد يروى بالمعجمة اى ينقض ويقطع ذكره الطيبي وقال العسقلاني
في رواية الاكثران يَحْرِقُ۔ لہ

ترجمہ۔ بخاری کی یہ روایت ان یحرق کے طور پر بھی مروی ہے اس کے معنی الفاظ کو توڑ دینے کے ہیں اکثر نسخوں میں اسی طرح ہیں۔
حضرت امام جعفر صادقؑ سے بھی منقول ہے :-

لا تحرقوا القراطيس ولكن امحروها وخرقوها۔ لہ

ترجمہ۔ پاک کاغذوں کو جلایا نہ کرو و الفاظ کو محو کر دیا کرو اور انہیں کاٹ چھیل دیا کرو۔

میش نظر رہے کہ مصاحف مقدسہ کو پہلے دھو ڈالنا اور پھر جلانا ہرگز موجب استغاثہ نہیں حضرت امام محمدؒ جس جلانے کو بے ادبی اور توہین قرار دے رہے ہیں وہ دھونے کے بغیر ہے۔ قاضی عیاضؒ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے بھی مصاحف محنتہ کو پہلے پانی سے صاف کر لیا تھا اس صورت میں اَنْ يُحْرِقَ کے معنی جلانے کے بھی کر لیے جائیں ترجمہ بخاری کی روایت حضرت امام محمدؒ کے فیصلے سے نہیں نکلتی۔
ما قضا ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :-

جزء عیاض بانہم غسلوها بالماء ثم احرقوها مبالغۃ فی اذہا بہا۔ لہ

ترجمہ۔ قاضی عیاضؒ بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ پہلے انہوں نے تحریرات کو پانی سے صاف کر لیا تھا اور پھر انہیں جلایا تھا۔

ملا محمد بن یعقوب الکلبینی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کرتے ہیں :-

هل تحرق بالنار شیء من ذکر الله عز وجل قال لا۔ تغتسل بالماء اولاً قبل

ترجمہ کیا وہ کاغذات ملائے جاسکتے ہیں جن میں اللہ کا ذکر ہو۔ آپ نے فرمایا
البتہ ملائے سے پہلے دھویا جائے۔

معلوم ہوا کہ دھو کر جلانا موجب اعتراض نہیں۔ پس دھولے کی روایت کو ان تمام روایات
میں مخدوف مانا جائے گا جو اس سے خالی ہیں قاضی عیاضؒ کو اس پر بڑا وثوق ہے۔
تحقیق یہ ہے کہ بخاری کی روایات میں ان یحرق کے معنی جلانے کے نہیں اور بخاری کی
اصل روایت ان یحرق کے الفاظ سے بھی نہیں علیٰ سبیل التمثیل دھولے کی قید بھی موجود ہے
جو ہر روایت میں ملحوظ ہوگی پس حضرت عثمانؓ کے اس عمل میں کوئی پہلو محل اعتراض نہیں ہے
یاد رہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کو فتنہ اختلاف سے بچانے کے لیے جو کچھ کیا
سب اکا بر صحابہؓ اس میں شریک تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:-

لَا تَقُولُوا فِي عُمَانَ الْأَخْيَارَ فَإِنَّ اللَّهَ مَاضِلٌ لِّذِهِ فَفَعَلَ بِالصَّاحِفِ
الْإِعْن مَلَأْنَا. ۛ

ترجمہ حضرت عثمانؓ کے حق میں سوائے نیکی کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم جو کچھ انہوں
نے مصاحف کے ساتھ کیا وہ ہم سب صحابہؓ کی موجودگی میں کیا یعنی ان
کی رضامندی سے کیا۔

بلکہ فرماتے ہیں:-

لَوْ كُنْتُ لَعَمَلْتُ بِالصَّحَفِ الَّذِي عَلَيْهِ عُمَانٌ. ۛ

ترجمہ اگر میں والی بنا دیا جاتا تو میں بھی قرآن پاک کے ساتھ وہی معاملہ کرتا
جو حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔

اب جو قرآن پاک ہمارے سامنے ہے وہ مصحف امام کے بالکل مطابق ہے مصحف امام
کی اصل مصحف صدیقی تھی اور مصحف صدیقی ہو بہو بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے وہی تھا جو آنحضرتؐ
نے اپنے سامنے مختلف چیزوں پر لکھوایا ہوا تھا اور جسے کہ آپ اور آپ کے اصحابؓ شب و روز
اپنی قرأت اور تلاوت میں محفوظ رکھتے تھے۔

سید بن غفر کہتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضیٰ کو کہتے ہوئے سنا
یا ایہا الناس لا تغلو فی عثمان ولا تقولوا لہ الا خیراً فی المصاحف احراق
لمصاحف فواللہ ما فعل الذی سے فعل فی المصاحف الا عن ملأ مناجیہاً
ترجمہ۔ اے لوگو! حضرت عثمان کے بارے میں کوئی زیادتی نہ کرو اور آپ کے بارے
میں نہ کہو خدا کی قسم آپ
نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ سے کیا تھا۔
اور فرمایا :-

رحمہ اللہ عثمان لو ولینہ لفعلت ما فعل فی المصاحف ۔
ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ حضرت عثمان پر رحم فرمائے اگر میں بھی والی بتایا گیا ہوتا تو مصاحف
کے بارے میں وہی کچھ کرتا جو آپ نے کیا ہے۔
اب پانچویں صدی کی ایک اجماعی شہادت حافظ ابن عبد البر مالکی (۳۶۸ھ) سے بھی لیں
آپ کہتے ہیں :-

واجمع العلماء ان ما فی مصحف عثمان بن عفانؓ دھوا الذی یبایذ المسلمین
فی اقطار الارض حیث كانوا هو القرآن المحفوظ الذی یجوز لاسدان یتجاوزہ
ولا یحل الصلوۃ لمسلم الا بما فیہ ۔
ترجمہ۔ اور اس پر سب علماء کا اجماع ہو چکا ہے کہ مصحف عثمان جو آج ساری دنیا
میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہی قرآن محفوظ ہے کسی
کے لیے یہ نہیں کہ اس سے تجاوز کرے اور مسلمان کی نماز اسی سے ہو سکتی ہے
جو اس میں ہے

ایک کتاب التہذیب محمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاشعری کی بھی ہے اس کا پورا نام کتاب التہذیب لایمان
فی متعل الشہید عثمانؓ ہے۔ اس میں یہ بھی ہے :-

کتاب المصاحف للابی داؤد سجستانی ۳۳۰ ھ ایضاً ۳۳۰ ھ تفسیر البرہان فی علوم القرآن جلد ۱ ص ۲۴
کتاب التہذیب لایمان فی الموطأ من المعانی والمسانید جلد ۴ ص ۱۴

فعل ذلك عثمان ولو كان منكرا لمكان على غيره لما صار الاموال اليه فلما لم

يغيره على ان عثمان كان مصيبا في ما فعل به

ترجمہ عثمان نے ایسا کیا کہ اگر یہ بات غلط ہوتی تو حضرت علیؓ جب غلیظ نہ ہوتے تو اسے

منزور بدل دیتے جب آپؐ نے اس ترتیب میں تبدیلی نہ کی تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ

اپنے عمل میں راستی پر تھے

اگر یہ کہا جائے کہ یہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ المرقضیؓ نے آپؐ کی مخالفت نہ کی لیکن حضرت عبداللہؓ

بن مسعودؓ نے تو آپؐ کی مخالفت کی تھی اور آپؐ کا ملی مقام کسی صورت میں کسی دوسرے صحابی سے کم نہ تھا۔

ہم چونکہ کہیں گے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس اختلاف سے رجوع کر لیا تھا اور آپؐ صحابہؓ کے اس اجماع میں شامل ہو گئے تھے۔ عائد ابن کثیرؒ (۴، ۴۷) لکھتے ہیں :-

فكتب عليه عثمان يد عره الى اتباع الصحابة فيما اجمعوا عليه من المصلحة

في ذلك وجمع الكلمة وعدم الاختلاف فاجابوا الى المتابعة و

تولوا المصالحة رضي الله عنهم اجمعين

ترجمہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو لکھا کہ وہ بھی صحابہؓ کے ساتھ

چلیں اس میں جس کے درست ہونے پر سب کا اجماع ہو چکا اتحاد میں شامل رہیں

اور اختلاف نہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس پر جھبک گئے اور صحابہؓ کی

پیروی مان لی مخالفت چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو۔

انہوں نے بعض لوگ حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس اتفاق سے بہت

پریشان ہیں اور انہوں نے ان دونوں میں عداوت ظاہر کرنے کی ایسی روایات کو نظر رکھی ہیں کہ اللہ ان کو محفوظ رکھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وفات کے بارے میں یہ روایت قطعا جھوٹ ہے کہ حضرت عثمانؓ

کے غلام نے آپؐ کو زد و کوب کیا تھا یہ ان لوگوں کا یہ بہتان ہے جو مسلمانوں میں اتحاد نہیں چاہتے۔

حافظ ذہبی (۴۸۴ھ) لکھتے ہیں :-

فهذا من اسجح الکذب المعلوم بطله

ترجمہ :- یہ خود تراشیدہ کھلا جھوٹ ہے

فکلہ بعتان واختلاف لا یجمع منہ شیء ۶۔

ترجمہ :- یہ سب کاسب بہتان اور من گھڑت ہے اس میں کوئی بات صحت تک نہیں پہنچتی۔

یہودیوں کے جو ایجنٹ مسلمان راویوں میں داخل ہوئے انہوں نے پوری کوشش کی کہ وہ قرآن کو مسلمانوں میں ایک اختلافی کتاب بنا کر رکھ دیں لیکن وہ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس کتاب کا محافظ اللہ ہے۔ یہ کتاب لاریب اپنے تحفہ میں انسانی ہاتھوں کی محتاج نہیں۔

جمع شدہ قرآن

قرآن پاک ایک سو چودہ سورتوں میں منقسم ہے۔ سورتوں کے نام بیشتر سرگزئی مضمون کے اعتبار سے اور کہیں کہیں اول کلمے یا اہم ترین کلمے کے نام سے آ حضرت کے سامنے ہی معروض ہو چکے تھے۔ ہر سورت سجائے خود ایک مستقل فصل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی تلاوت میں اسے سات منزلوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ منزلوں کے یہ نشان حاشیے پر واضح ہیں۔ ان سات منزلوں کی تقسیم آ حضرت سے ثابت ہے۔ تیس پاروں کی تقسیم آ حضرت سے منقول نہیں۔ یہ باربر کے چھوٹے اجزاء میں بعد کا ایک اقدام ہے۔ ہر پارے کا پہلا لفظ جو ذرا جلی لکھا ہوتا ہے اس پارے کی علامت ہے اس کا نام نہیں اس کے جلی لکھنے کا مطلب محض یہ ہے کہ پڑھنے والے کو تیز چل جائے کہ یہاں سے دوسرا جزو شروع ہو رہا ہے۔ جلال بن یوسف کے زمانے میں اجزاء کی تقسیم عمل میں آئی تھی۔ یہ حضورؐ کے اس ارشاد کی طرف ایک عملی قدم تھا۔

اقروا القرآن خف شہد ۱۰

ترجمہ :- قرآن پاک کو ایک پسینے میں ختم کیا کرو۔

۱۔ المتقی للذہبی ص ۲۹۱ ملے تاریخ طبع جلد ۲ ص ۲۶

۲۔ شرح احوال العلوم جلد ۳ ص ۵۴ حضورؐ نے فہم بن مصعب سے بھی فرمایا تھا کہ سات دن میں ختم

کر لیا کرو استیعاب جلد ۵ ص ۵۴۲ ملے بخاری جلد ۲ ص ۵۴۲

ایک ماہ میں ختم کرنے کی یہ تیس ہزاروں کی تقسیم ایک مصحف ہے شریعت نہیں اگر یہ کوئی مسئلہ ہوتا تو صحابہ کے ہاتھوں عمل میں آتا، امت کے لیے وہ حضرات شریعت کے امین تھے تیس ہزاروں کی اس تقسیم کو اگر شریعت سمجھا جائے تو پھر یہ ایک بدعت ہوگی حجاج بن یوسف کا قصد شریعت میں کوئی اضافہ نہ تھا ایک انتظامی مصحف تھی جو وجود میں آئی اس وقت بڑے بڑے تابعین موجود تھے ان میں سے کسی نے اس پر کچھ نہ کی اگر اسے شریعت سمجھا گیا ہوتا تو وہ اکابر ضرور اس پر کچھ کرتے۔

اسی طرح قرآن کریم پر لگے اعراب بھی پڑھنے والوں کے لیے ایک مدد اور نشان تلواریں ہیں عجیبی لوگ لگے اعراب کے بغیر قرآن کریم پڑھ نہیں سکتے۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ جو لوگ اہل علم نہیں قرآن کریم کو بغیر اعراب پڑھ نہیں سکتے ان سے بھی دین کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن پڑھیں۔ ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم نہ پڑا اعراب لگائے کی کوئی ضرورت نہ تھی معلوم ہوا کہ ابتدائی دور میں ہی اسے سمجھے بغیر اور اس کا علم حاصل کیے بغیر اس کا پڑھنا ہمیشہ ایک عبادت سمجھا گیا ہے۔ اعراب اور رکوع و آیات کی تقسیم اور علامات وصل و وقف کے مباحث آپ کر کتابت قرآن کے عنوان میں ملیں گے۔

یہ آسمانی آواز اپنی اصل زبان میں ہی آسمانی دے رہی ہے اور اس کے ماننے والے گودینا کے کسی ملک میں کیوں چلے آئے اس کی اصل زبان میں پڑھتے ہیں۔

اور پھر یہ کتاب صرف کاغذوں میں نہیں اس کے کلمات سینوں میں بھی اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح یہ دولت یغینوں میں ملتی ہے اس کے سراپاں جن کتابوں کو آسمانی کہا جاتا ہے ان میں کہیں ان صفحات کا دعویٰ موجود نہیں دلائل تو پھر اس سے ہٹنے کی منزل ہے۔

کتابتِ قرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد : فاعوذ بالله من
الشیطن الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم۔ والقلم وما یسطرون
ما انت بنعمة ربك بعبثون۔ وان لك لاجرا غیر ممنون۔
وقال فی مقام اخر فی صحیف مکتومة مرفوعة مطهرة : یا یدی سفره

کرام برره • (پت ص ۱۰)

قرآن کریم بے شک ایک اہمائی کتاب ہے اس کی مکتوبیت لوح محفوظ سے قائم ہوئی ہے
بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ (پت البروج)
ترجمہ وہ قرآن مجید ہے جو آسمانی نوشت میں محفوظ رکھا گیا ہے۔

یہ پہلی مکتوبیت وہاں کی ہے جہاں کسی قسم کا تغیر و تبدل رواہ نہیں پایا۔ پھر آسمان نیلے سے یہ
نہایت حفاظت اور اہتمام کے ساتھ صاحبِ وحی کے پاس پہنچایا گیا۔ یہ آپ کو اس طرح پہنچا کہ
اس کے آگے اور پیچھے جو کچھ تھے تا آپ جانیں کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے
ہیں اور یہ زبردست انتظامات اس لیے کیے جاتے رہے کہ اس پر شہادت رہے کہ فرشتوں نے
آپ کو اور آپ کے دوسروں کو اس کے پیغامات ٹھیک ٹھاک بلا کم و کاست پہنچائے ہیں۔

فانه یسئل من ین یدیه ومن خلفه رصدا۔ (پت الجن)

ترجمہ سو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ دینے والے۔

یہ قرآن لکھا ہے عزت کے درجوں پر اور اسے احترام اور سجا رکھا جاتا ہے اس کی کتابت
ان کھنے والوں کی نہایت پاکیزگی سے ہوئی جو بڑے صبر کے نیکو کار رہے۔ اس کا معرض تحریر
میں اتنا شروع ہی نہایت شانِ عزت اور مہارت سے رہا ہے۔ اب اگر اسے حضور تبارک و تعالیٰ کے
سے نہیں لکھو اسے تو آپ صاف منہ کوئی دیر لانے نہیں ہیں کہ کوئی آیت کہیں ڈال دی کہ کوئی کہیں
— اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلبِ منور میں لوح محفوظ کی ترتیب ڈال دی ہے اور اب آپ کے حضور

اس کی وہی ترتیب ہوگی اور چنے گی جو دہاں کی ہے۔

قرآن کریم صرف ایک پیغام نہیں بلکہ ایک پورا کلام ہے پیغام کبھی اشاروں میں بھی ادا ہو جاتا ہے مگر کلام بامعنی الفاظ کا ایک مجموعہ ہے اس کے حروف بھی اشارات ہیں۔

وان لك لاجرا غير مضمون۔ (پہلا آیت ۲)

ترجمہ اور نیک آپ کے لیے ایک اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی نہ ٹوٹے گا۔

اس میں جس طرح الفاظ ایک خاص ترکیب میں ملتے ہیں اس کے الفاظ بھی حرفوں کی ایک خاص ترتیب میں واقع ہیں۔ قرآن کریم اس خاص کلام کا نام ہے جو لوح محفوظ میں الفاظ کی ایک خاص اداسے سرفروم ہے۔ یہاں قرآن پاک الفاظ کی اسی اداسے لکھا جائے گا جو لوح محفوظ کی ہے سو قرآن کریم کی کتابت تو یقینی ٹھہرے گی اور اگر کتابت میں صرف قرأت سے مطابقت رکھنی ہو تو یہ محض لکھنا ہے لیکن یہ قرآن کے رسم الخط کی پابندی نہیں۔

مشکوٰۃ العالمین اس طرح بھی لکھا جاسکتا ہے کہ عین کے بعد الف ہو اور دب الخملین کے طور پر بھی۔ اس میں عین کے بعد ثا الت نہیں ہے۔ پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں اسی طرح الوحان اس طرح بھی لکھا جاسکتا ہے اور اس طرح بھی الوحسن۔ اس میں میم کے بعد ثا الف نہیں ہے پڑھنے میں دونوں ایک جیسے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وسم کے کاتب بھی رہے اور پھر آپ منصب خلافت پر بھی آئے۔ آپ نے اپنے دور میں قرآن کریم کو جو پانچ مصاحف میں لکھوایا اور آئندہ پورے قدم و اسلامی میں اس رسم الخط کی پابندی لازم کی۔ اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔ اب قرآن کریم کو صرف بطور خط نہیں بلکہ رسم الخط بھی دیکھا جائے گا اور ضروری ہے کہ یہ حضرت عثمان کے رسم الخط کے مطابق ہو اس کی مخالفت حرام ہے۔ بخیر اور رسم الخط کے امام عیسیٰ بن ابی ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ (۵۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

رسم المصحف توحیداً و مذهب الامة الاربعة۔

ترجمہ قرآن کریم کا رسم الخط وہی ہو جو ادر سے چلا آیا ہے یہ چاروں اماموں کا مذہب ہے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

قد افترق اجماع سائر الائمة من الصحابة وغيرهم على تلك الرسوم وانه لا يجوز بحال من الاحوال العدول عن كتابة القرآن الكريم ولا نشره بصورة تخالف رسم المصاحف العثمانية۔

ترجمہ: صحابہ کرامؓ اور دوسرے ائمہ کا اس رسم الخط پر اجماع ہو چکا ہے کسی حال میں قرآن کریم کی اس کتابت سے عدول جائز نہیں اور نہ قرآن کریم کی کسی ایسی صورت میں اشاعت کی اجازت دی جاسکتی ہے جس میں مصاحف عثمانی کا رسم الخط نہ ہو۔

یہ موضوع کوئی نیا نہیں پہلے دور میں یہ سارے مباحث سامنے آچکے ہیں بشام کے علامہ عبداللہ بن عامر الجعفی (۱۱۸ھ) نے اس پر اختلاف مصاحف الشام والحجاز والعراق اور فی منظر القرآن و موصولہ دو کتابیں لکھیں۔ پھر آپ کے شاگرد یحییٰ بن الحارث الذماری (۱۴۵ھ) نے چهار المصاحف کے نام سے اس پر ایک کتاب لکھی۔ کوئٹہ کے امام کسائی (۱۸۹ھ) اور امام فزار (۲۰۶ھ) نے بھی اس پر بحث کی۔ علماء کا رسم المصاحف میں سب سے زیادہ اعتماد امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کے اتنا امام نافع (۱۶۹ھ) پر رہا ہے۔ ان کے پاس حضرت عثمانؓ کا ارسال کردہ مصحف تھا۔

امام ابو بکر محمد بن قاسم الانباری البغدادی (۳۲۸ھ) نے کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان لکھ کر اس پر بہرہ کر دی ہے کہ قرآن پاک لکھنے میں آئندہ کوئی رسم الخط مصحف عثمان کے خلاف قبول نہ کیا جائے۔ غلط بدل سکتا ہے کہ آپ ۱۰ سے خط کوئی کی بجائے نسخی میں لکھ لیں لیکن اس رسم الخط کو نہیں بدلا جاسکتا۔ قرآن لکھنے میں مصحف عثمان کی پابندی ضروری ہے۔ حروف تہجی عربی ہوں گے تو رسم الخط یہی رہے گا حروف تہجی رومن ہوں تو وہاں صورت بالکل بدل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان دنیا میں جہاں گئے عربی زبان کو ساتھ لے کر گئے اور جہاں بھی رہے قرآن عربی میں ہی پڑھتے اور لکھتے رہے۔ دوسرے حروف تہجی اختیار کرنا اور اسے پڑھنا ایک وقتی رعایت ہے قرآن حقیقت میں وہی ہے جو لوح محفوظ میں ہے اور یہ اسی رسم الخط میں ہے جو یہاں مصحف عثمان میں پایا گیا ہے۔

نوع محفوظ کی کتابت کے ساتھ بنی نوع انسان کی عملی رعایت

نوع محفوظ میں قرآن بے شک ایک معنی میں محتجب ہے اسے پڑھنے میں انسانوں میں کچھ اختلافات نے راہ پائی۔ جو بدیل حتیٰ کو اس طرح پڑھتے جیسے ہم عتیٰ پڑھتے ہیں تو یہ اختلاف صرف پڑھنے میں ہوا لکھنے میں نہیں۔ کچھ عرصے تک قرآن کریم ایک ہی حرف میں چنار ہا پھر آٹھ لے اللہ تعالیٰ سے بنی نوع انسان کے لیے عملی رعایت چاہی آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کی امت کو قرآن کریم سات حرف پر پڑھنے کی رعایت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں ایسے مقامات بھی آئے جہاں قرآن کریم کئی اور حرف میں بھی پڑھا گیا۔ قرآن پڑھنے کی یہ وسعت سات حرف تک جا پہنچی۔ یوں سمجھئے کہ قرآن کریم سات دروازوں سے سات حرف پر نازل ہوا۔

بنی نوع انسان کو قرآن کریم پڑھنے میں یہ عملی رعایت کچھ دیر بعد ملی جس طرح قرآن کریم کا نوع محفوظ سے اترنا ستر اتر ہے یہ سات حرفوں میں پڑھا جانا بھی امت میں توازن کے درجے میں رہا اس میں شک کیا تھی؟ اس کی تفصیلی بحث قرأت قرآن میں ملے گی۔

کاتبین وحی کے مختلف پیرائے

کاتبین وحی کے دو درجے تھے۔

① وہ جن کو حضورؐ خود لکھواتے۔

② دوسرے وہ جو ان صحابہؓ کے لکھے ہوئے نشتوں سے آگے لکھ لیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن لکھنے پر کوئی پابندی نہ لگائی تھی۔ پھر صحابہؓ جو لکھتے اس میں اگر کسی مقام پر آنحضرتؐ سے اس کی کچھ شرح سنتے تو اسے بھی کمی ساتھ ہی کسی طرف لوٹ کر لیتے وہ سمجھتے تھے کہ ان کا مصحف (لکھا قرآن) بس انہی کے استعمال کے لیے ہے یہ عوامی اشاعت کے لیے نہیں ہے۔

جو صحابہؓ حضورؐ کی نگرانی میں قرآن لکھتے آپ ان سے کبھی سنتے بھی تھے اور وہ صحابہؓ حضورؐ

سے نمازوں میں بھی یہ مختلف حصہ قرآن سنتے اور اس طرح انہیں اپنے لکھے قرآن پر پورا مقبوت ہوتا اور ان کے اپنے حفظ میں بھی مزید قوت آتی۔

مختلف لغات بولنے والے قبائل آپس میں شیر و شکر ہوئے اور عربوں کے باہمی عام اختلاط سے عرب ایک قوم ہوئے اور پھر عالم اسلام میں متعدد دوسرے ممالک بھی آ شامل ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے قرآن پاک کے چند نسخے اپنی نگہبانی میں کتابت کرائے اور ان کے ماسوا تمام پہلے لکھے مصاحف کو اپنے قبضے میں لے لیا تاکہ امت میں بسلسلہ قرآن آئندہ کوئی اختلاف نہ پائے۔

قرآن کریم مختلف قراءات میں پڑھا تو جاتا رہا لیکن لکھی ہوئی صورت میں قرآن کریم پوری امت میں ایک ہی چلا آیا ہے۔

جن حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کریم لکھا انہوں نے قرآن کریم کے ہر حرف و اثبات اور ہر حرکت و سکون اور ہر وقف و وصل کو آپ سے پورا ضبط کیا اور اگر کہیں دونوں طریق بتائے تو یہ اختلاف اعراف کی وجہ سے ہوا جن سات حرفوں میں قرآن اُترا تھا۔

مصابہ کرام کے لکھے قرآنوں میں نقطے اور اعراب نہ تھے اسی صورت میں یہ نوشتے مختلف قراءات کے حامل ہو سکتے ہیں اور یہ کتابت متعدد قراءات کو شامل ہو سکتی ہے لیکن عمیدوں کے لیے اس کتابت سے قرآن پڑھنا مشکل تھا اس لیے پھر ان پر نقطے اور اعراب لگانے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی اور بالآخر اسے پورا کیا گیا۔

قرآن کریم کی اولین کتابت خط کوئی میں ہوئی

ڈاکٹر محمد اقبال پرنسپل اور سینٹرل کالج لاہور نے اپنے دورہ ایران میں مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن دیکھا تھا۔ آپ نے ہندوستان آکر کالج کے میگزین میں ۱۹۳۵ء میں اپنے اس سفر کی پوری رپورٹ شائع کی آپ کا بیان ہے کہ یہ حصہ قرآن سورہ ہود سے آخر سورہ کہف تک لکھا ہوا ہے اور خط کوئی میں ہے اور یہ وہی ترتیب ہے

جو موجودہ قرآن میں پائی جاتی ہے۔

تاریخ اسلام کے اس ابتدائی دور میں بھی کوفہ کی ایک علمی شہرت تھی اور اس سے یہ خط منسوب تھا۔ گویا قاعدہ اسے حضرت عمرؓ نے آباد کیا تھا۔ تاہم اس کے ابتدائی علمی شمار پہلے سے موجود ہیں۔ بعد کے قراء سب سے تین امام (۱) عاصم (۲) حمزہ اور (۳) کسائی کوئی تھے۔ پھر ان سات میں سے جس کی قرأت عالم اسلام میں مرکزی درجہ لے گئی وہ امام عاصم کوئی کی قرأت ہے جو ان کے شاگرد امام حفص سے آگے چلی۔ سعودی حکومت میں اب بھی قرآن کریم کی کتابت اور ضبط اسی قرأت پر چلا آ رہا ہے اور یہی سند ساتھ لکھی جاتی ہے۔ اس سے کوفہ کی علمی منزلت اور اس کی عالم اسلام میں ایک مرکزی حیثیت کا پتہ چلتا ہے۔

امام نووی (۷۶۷ھ) شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں :-

دارالعلم ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطاب -

حجاج کلام کو سعودی حکومت کی طرف سے ہر سال جو مصحف کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے انہیں یہ لکھائے گا :-

کُتِبَ هَذَا الْمصحف وضبط على ما يوافق رواية حفص بن سليمان

بن المغيرة الاسدي الكوفي لقراءة عاصم بن ابي النجود الكوفي السابقي

عن ابي عبد الرحمن عبد الله بن جبيب السلمي عن عثمان بن عفان -

علي بن ابي طالب وزيد بن ثابت وابي بن كعب عن النبي صلى الله

عليه وسلم -

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی علوم میں تھی کہ اس کے پڑھنے میں بھی کوفہ کی طرح عالم اسلام پر حیا یا ہوا تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ سعودی حکومت کو عراق سے کوئی علمی تصب نہیں ہے یہ صرف چند سر بھیڑے خطیب ہیں جو مدینہ یونیورسٹی سے انتخاب کا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور کوفہ اور امام ابو حنیفہؒ کے خلاف تعصب اور نفرت کا لاوا اگلتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں حسب لباس کچھ علمی حیا عطا فرمائے۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن کریم کے پہلے چار گواہ جو اسے حضورؐ سے

نقل کرتے ہیں ان میں حضرت علی المرتضیٰؑ بھی ہیں اور آپ کا قرآن کریم کے بارے میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے کوئی اختلاف نہ تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ جو بعض نبوت پوری ملت اسلامی میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے بتلائے گئے وہ ان حضرات کے ساتھ تھے اور یہ کہ امام عاصم کوئی کی قرأت ان چار سے نقل ہوئی ہے۔

علامات وقف و ضبط

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن کریم جو طرح سکھایا اور نمازوں میں انہیں سنایا۔ اس میں وقف و وصل اور تدوین کے سارے فاصلے قائم تھے اور صحابہ کرامؓ نے بھی آپ سے جس طرح قرآن کریم سیکھا ہے اگے سکھایا تاہم کتابت میں یہ سارے فاصلے اور علامات ضبط بعد میں لگائی گئیں اس میں بنیادی کام امام خلیل بن احمد دران کے شاگردوں نے کیا مشرق میں یہی علامات ضبط پھیلیں اور مغربی ممالک میں علماء اُنڈلس نے اپنے طور پر قرآن کریم کو صحیح پڑھنے کے اس تقاضا کو پورا کیا اور مصاحف پر علمی فاصلوں کے نشان لگائے۔ امام تفسی کی کتاب الطراز علی ضبط النحاز اس موضوع پر ایک مہملی دستاویز ہے۔

آیات گننے میں بھی عالم اسلام میں زیادہ کوئی طریقہ ہی کی پیروی کی گئی ہے۔ امام شافعی نے ناظمۃ الزمر میں قرآن کریم کی آیات ۲۳۶ لکھی ہیں بعض فقرے ایک آیت ہیں یا دو اس میں جو اختلاف ہوئے ان کے باعث آیات کی گنتی مختلف ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن کریم کے بعض حصوں کے بارے میں قرآن ہونے یا قرآن نہ ہونے کا اختلاف ہے ایسا ہرگز نہیں یہ ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ ذلک المکتب لازیب فیہ۔

تیس پاروں میں تقسیم اور رزق و نصف کے نشان

علامہ قرطبی و احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی تیس پاروں میں تقسیم اموی خلافت میں ہوئی۔ حجاج بن یوسف نے واسط میں سیاسیات سے فارغ ہو کر یہی کام کیا۔ سو حجاج سے سیاسی اختلاف کی بنا پر اس کے علمی کام کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ تقسیم برابر کے حصوں میں تقسیم شاید حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لیے ہو۔

اقروا القرآن فی شہرہ

ترجمہ قرآن کریم کو ایک مہینہ میں ختم کیا کرو۔

اس میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کریم ہر روز برابر برابر جاری رہے یہ نہیں کہ اس سے کم دلوں میں اسے ختم کرنا جائز نہ ہو۔

یہ محض ایک انتظامی درجے کی بات ہے اس کی شرعی پابندی نہیں مختلف حالات میں قرآن کریم تلاوت کرنے کی منزل کم و بیش بھی جاری رکھی جاسکتی ہے۔ علامہ سقاوسی نے غیث النفع میں، علامہ شاطبی نے ناطقۃ الزہر میں، شیخ محمد متولی نے تحقیق البیان میں، علامہ قرطبی نے احکام القرآن میں اور علامہ ابو سعید خدری نے ارشاد القراء والکاتبین میں، علامہ سیوطی نے الاتقان میں قرآن کریم کے تیس پاروں ساتھ حزبوں اور نصف و ربع کی تقسیم پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

قرآن کریم میں رکوع کی بحث کیسے آئی؟

رکوع کا لفظ نماز کے اوضاع میں سے ہے قرأت کی صفت میں سے نہیں قرآن کریم رکوعوں میں کیسے تقسیم ہوا، حضرت عثمان غنیؓ نماز میں جب اتسل سے قرآن پڑھتے تو جہاں مضمون بدلے وہاں آپ رکوع کر لیتے تھے اس سے رکوعوں کے نشان مقتدیوں کے ذہن میں مرتسم ہوئے بعد کے علماء نے حضرت عثمانؓ کی اسی ادا پر مصحف میں رکوع کے نشانات لگائے حضرت عثمان غنیؓ کی ان نمازوں نے اللہ رب العزت کے ہاں اتنی قبولیت پائی کہ اب قرآن کریم باعتبار مضامین ان حصوں میں تقسیم ہو گیا جن پر آپ نے رکوع کیا قرآن کریم میں سجدات (تلاوت) کو تھے ہی اب رکوع بھی قائم ہو گئے۔ قرآن کریم کے کل رکوعات ۵۵ بتلائے گئے ہیں۔ رکوع کے نشانات کا لگانا علماء اعلام کے فیصلے سے تھا۔ رسالہ وقف میں ہے۔

ہر جاکہ آخر قصہ است یا سخن تمام شدہ امیر المؤمنین عثمانؓ در آنجا رسیدہ رکوع

رفضہ است این شکل (ع) نوشتہ اند بطلہ

بعض علماء رکوع کی اس حد بندی کو حضرت مدلیفہؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بعض نے عبدالرحمن بن علی کی طرف اور بعض نے امام حسن بصری کی طرف لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حد بندی کراختہ عثمان کے رکوع کرنے سے عمل میں آئی۔

قرآن کریم میں پہلے نقطے نہیں تھے

یحییٰ بن ابی کثیر (۴) کہتے ہیں پہلے مصحف کریم میں نقطے نہ تھے عرب ان کے بغیر اس کا خط کوئی پڑھ لیتے تھے۔ علامہ زہیدی کتاب الطبقات میں لکھتے ہیں سب سے پہلے قرآن کریم پر نقطے ابو الاسود دلدلی نے لگائے یہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا شاگرد تھا اور اس نے یہ فن حضرت علی المرتضیٰؓ سے پڑھا تھا۔ پھر اموی دور میں خلیفہ عبدالملک نے حضرت امام حسن بصریؒ اور یحییٰ بن یجرؒ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ علمائے وقت نے اس کام سے اتفاق کیا۔ ختم آیات پر بھی پہلے نقطے لگائے گئے جنہیں بعد ازاں گول دائروں سے بدل لیا گیا۔

یہ نقطوں کی محنت اور آیات کے فاصلے صرف اس لیے ہیں کہ قرآن کریم اچھی طرح پڑھا جا سکے اور اس میں کوئی غلطی راہ نہ پاسکے اس سے شریعت میں کسی اور عمل کو ثابت کرنا تھا۔ یہ کام بدعت تب ہوتا جب اسے شریعت کے کسی عمل کے طور پر اختیار کیا جاتا یہ احداث الدین ہے احداث فی الدین نہیں۔ دین کے لیے کوئی نئی چیز ایجاد کرنا اور بات ہے اور دین میں کوئی نئی چیز لانا یہ امر دیگر ہے۔

اعراب اور علامات

جب تک قلمرو اسلامی میں عرب غالب رہے قرآن پاک پر اعراب و حرکات لگانے کی ضرورت نہ تھی لیکن جوں جوں تمدن ترقی کرتا گیا اور ثقافت میں وسعت ہوتی گئی، عجیبی قوموں کے لیے قرآن کے اعراب لگانے ضروری ہو گئے ان کے ساتھ ساتھ ہی نقطوں منزلوں اور علامات رکوع کے نشانات لگائے گئے اور یہ سب کچھ علماء کے اتفاق سے ہوا۔ قرآن کریم کی سات منزلوں میں تقسیم آنحضرتؐ

سے منقول ہے۔

علامات اور قرأت میں فرق

پاروں احزاب نشان رکوع اور نصف در ربع کی تو بے شک کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن اختلاف قرأت کی ایک شرعی حیثیت ہے اس کی بحث انشاء اللہ العزیز قرأت القرآن کے تحت آئے گی۔ یہاں اتنا جان لینا کافی ہے کہ یہ نہ حضرت عثمان غنیؓ نے جو مصاحف اپنی نگرانی میں لکھوائے تھے ان میں ساتویں حروف کی رعایت تھی جن میں قرآن کریم نازل ہوا ہے اور اہمیت کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک ایک آیت میں یہ سلت پیرائے پائے گئے یہ ہرگز نہیں ہاں جہاں بھی کوئی دوسرا پیرایہ پایا گیا ایسے پیرائے اپنی ذات میں سلت تک پہنچتے ہیں۔

آیات کی گنتی کی علامات

آیات کی گنتی بعض مصاحف میں متن میں ملتی ہے بعض میں نہیں اور بعض پر آیات کی گنتی سورت اور پارہ دونوں اعتبارات سے لکھی ہوئی ہے آیات کچھ فاصلوں میں اگر کہیں کوئی اختلاف ملتا ہے تو یہ آیات میں اختلاف نہیں ہے اسی طرح کسی جملہ کے سپہے جملہ کے ساتھ ہونے یا اگلے جملہ کے ساتھ ہونے میں تو اختلاف ملتا ہے لیکن یہ بھی آیات کا اختلاف نہیں ہے تعلق کا اختلاف ہے۔

مثلاً سورۃ البقرہ کے شروع میں نقطہ ذیہ کو لیتے یہ ذلک الکتاب لایب ذیہ میں بھی پڑھا جاسکتا ہے اور اگلے حصہ کے ساتھ بھی یوں پڑھا جاسکتا ہے ذیہ ہدیٰ للمعتقین (اس میں ہدایت ہے واسطے پرہیزگاروں کے) اس کو مخالف کہتے ہیں کہ پہلا حصہ اسے اپنے ساتھ کھینچ رہا ہے اور دوسرے اسے اپنے ساتھ لے رہے یہ اس کا دلوں طرف کا رابطہ ہے مگر

۱۔ دیکھئے شرح احیاء العلوم جلد ۳ ص ۵۴۴ حضرت نے قیس بن صعصعہ سے فرمایا تھا قرآن سلت دن میں ختم کر لیا کرو۔ (الاستیعاب جلد ۱ ص ۴۷۰)

یاد رہے کہ مک وقت ایک ہی ربط لیا جائے گا۔

علامات وقف و وصل

اعراب نقطے اور علامات منزل و رکوع کو پڑھنے والے کی سہولت کے لیے قرآن میں ساتھ ساتھ لکھنا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں لیکن متن قرآن میں علامات وقف و وصل کو ساتھ ساتھ لکھنا اور ان کے مطابق قرآن پڑھنا اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ وقف و وصل میں ہم صحابہ کرامؓ اور قراء کرام کے ماتحت ہیں اور اس کی ایک شرعی حیثیت ہے۔ امام ابو عبد اللہ رحمہ اللہ کی لے یہ نشان لگائے۔ دہلی میں مولانا ندیر حسین صاحب اور مولوی حفیظ الدین صاحب نے ان کے مطابق وقف و وصل کو بدعت کہا۔ اس پر علماء اہل سنت نے جن میں پیش پیش حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رہے۔ ان پر (علمائے اہل حدیث باصطلاح جدید) کڑی تنقید کی۔ حضرت گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) نے اس پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام آپ نے رد الطغیان فی اوقاف القرآن رکھا۔ ماہرین جن نے اس میں حضرات علماء اہل سنت کا ساتھ دیا۔ علمائے اہل حدیث کی موافقت نہیں کی۔ ان علامات وقف و وصل کا متن قرآن میں ساتھ لکھا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حق ہیں ورنہ باطل تو قرآن مجید میں آگے سے ہو یا پیچھے سے کسی طرف سے راہ نہیں پاسکتا۔ اس پر ہم کتابت قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ واللہ و الحمد و هو المستعان و علیہ التکلان۔

ترتیب القرآن

الحمد لله وسلاماً على عباده الذين اصطفى ابراهيم

قرآن پاک شروع سے ہی اپنے آپ کو کتابی صورت میں پیش کر رہا ہے اور اس کی کتابی صورت ماسوائے چند لمحات نزول کے کبھی اس سے جدا نہیں ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی ایک اپنی ترتیب ہوگی اور وہ ترتیب اسی ذات کی طرف سے ہوگی جس نے ہمیں اس کتب سے مشرف کیا۔ ترتیب جمع و تدوین کا خود ایک حصہ ہے کوئی جمع و تالیف کسی ترتیب کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی پس جب قرآن پاک کا جمع کرنا خود رب العزت نے اپنے ذمہ لے لیا تو ظاہر ہے کہ اس کی ترتیب پر مددگار عالم کے ہاں طے ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر خاتم کے واسطے سے تکمیل بخشی۔ ابتداء ہی میں ہی اللہ تعالیٰ نے اس کا دستور سے وعدہ فرمایا تھا۔

ان علينا جمعه وقرآنہ۔ (آل عمران ۱۷)

ترجمہ۔ قرآن پاک کا جمع کرنا اور اس کا آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

قرآن پاک کا نزول مختلف ضرورت جزئیہ کے مطابق ہونا رہا جب کوئی ضرورت پیش آئی وحی ربانی راہنمائی فرمادیتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے واقعات عالم میں ان دنوں جس ترتیب سے ظہور میں آتے رہے اور ضرورتیں جس رفتار سے پیدا ہوتی رہیں کیا احوال کائنات ہمیشہ اسی ترتیب سے وقوع پذیر ہوا کریں گے؟ ہرگز نہیں یہ کہہ کائنات ہمیشہ اپنی بوقلمونی ظاہر کرتا رہا ہے اور ہر قرن کے واقعات اپنی داخلی ترتیب اور خارجی ربط میں کسی ایک ضابطے اور رفتار کے تحت نکلون پذیر نہیں ہوتے۔

قرآن پاک کو انحضرت اگر نزولی ترتیب سے جمع فرماتے اور یہ آسمانی دستور حیات اس ایک وقتی ترتیب سے مرتب ہوتا تو دنیا پکارا مٹتی کہ بدلی ہوئی رفتار کائنات اس گزری ہوئی رفتار حیات پر منطبق نہیں ہوتی اور ہماری موجودہ ضرورت اپنی ترتیب میں قرآنی ہدایت

کی ترتیب سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔

اس صورت میں ہمارا جواب یہی ہوتا ہے کہ تم قرآنی دستور حیات کو اصولی پیرایہ میں لو اسے عہد نزول کے واقعات کی ترتیب سے اپنی زندگی میں ترتیب نہ دو۔ اس ضابطہ حیات کو اصولی درجے میں اپنا ذکرری ہوئی ترتیب واقعات کا پابند نہ کرو۔

رب العزت کی حکمت متقنی ہوئی کہ اس لا تبدیل قانون اور دستور ابدی کو عہد نزول کی ترتیب واقعات سے بے نیاز کر کے اسی اصولی ترتیب سے جمع کرایا جائے جس کے مطابق یہ لوح میں موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ اسے نزول کے ساتھ ساتھ ہی ایک دوسری ترتیب پر لکھواتے، پڑھاتے اور مرتب فرماتے رہے۔ اس اصولی ترتیب سے یہ کتاب ایک زمانے سے خاص نہ رہی اور ایک ایسی ترتیب پاکر جو اس کرہ کائنات کے کسی ایک دور کے واقعات کی ترتیب ہرگز نہ ہیں اس آسمانی قانون حکم نے ابدی حیات پائی۔ قرآن پاک کی ترتیب نزولی نے ترتیب رسولی کے قالب میں ہر لوح محفوظ کی اصولی ترتیب کا پتہ دیا اور یہ حقیقت بے غبار کر دی کہ یہ آسمانی دستور کسی ایک زمانے کی ضرورت کے لیے ہی سامان ہدایت نہیں بلکہ یہ ایک ابدی ضابطہ حیات ہے جو کسی ایک زمانے سے خاص نہیں۔ علامہ زکریا کشتی لکھتے ہیں :-

عہد رسالت میں قرآن کو ایک مصحف میں اس لیے نہ لکھا گیا کہ اسے بار بار تبدیل کرنے کی ذمت نہ آئے قرآن کی یکجا کتابت اس وقت تک ملتی رہی جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے نزول قرآن کی تکمیل نہ ہو گئی۔

قرآن پاک اپنی حقیقی ترتیب سے (جو ترتیب نزولی سے مختلف تھی) مختلف جگہوں میں تو لکھا موجود تھا اور آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کی زبانوں پر بھی مسموع تھا لیکن ان تمام تحریروں نے یکجا ہو کر ابھی ایک کتاب کی صورت نہ پائی تھی ان لکھے ہوئے حصوں میں بھی آیات کی ترتیب بدلتی رہتی۔ جب حضورؐ فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر لکھو تو ظاہر ہے

ہر صورت درپے تکمیل رہتی یہاں تک کہ نزول قرآن کا دور مکمل ہو جائے اس صورت عمل کا تقاضا تھا کہ قرآن کریم ایک کتابی شکل میں نزول قرآن کی تکمیل کے بعد آئے۔

دوسری حکمت اس میں یہ تھی کہ آئندہ امت کا صحابہ کرام پر ناقابل تنقید اعتماد قائم ہو قرآن جو اس کی اساس ہے جب اس کی جمع شدہ دین بھی اپنی کے ہاتھوں پوری ہوگی تو ظاہر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین مانے جائیں گے جن کے ہاتھوں نبوت کے کام مکمل ہوئے۔ قرآن جن کے ہاتھوں مکمل ہوا وہ لازم دین کے اجزاء سمجھے جائیں گے۔

جن صحابہ کے ہاتھوں قرآن پاک کی یہ منزل انجام کو پہنچے ان کی الہی سعادت پر یہ عمل ایک مہر تصدیق ہو گا کہ یہ جمع قرآن اصل میں اللہ رب العزت کے ذکر تھا۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ خود قرآن کے الفاظ تھے۔ سو کس قدر سعادت مند وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھوں یہ ارادہ الہی پورا ہوا۔ اب اس کی ترتیب یہی ترتیب ہے نزولی ترتیب محض ایک وقتی بات تھی حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:-

صحابہؓ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سنا تھا اسی طرح اس کو مرتب کیا۔ ۱۷

کیا جاہلین قرآن کو اس میں کوئی تبدیلی کرنے کا حق تھا؟

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کی کہ آیت قرآنی والذین یتوقون منکھ ویدعون ازواجہ (پ البقرہ ۲۶۴) کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے تو آپ نے اسے اس جمع شدہ قرآن میں کیوں باقی رکھا ہے تو آپ نے فرمایا میں قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ بات معلوم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو قرآن کریم کے بارے میں جس ترتیب پر لگایا اس میں اب کوئی شخص کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا مجاز نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتبین وحی کو اس آسمانی ترتیب سے آگاہ کر دیا تھا۔

صحابہؓ تو اپنی جگہ رہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قرآن کریم میں کسی تبدیلی کرنے کا اختیار نہ تھا۔ مشرکین نے جب حضورؐ سے کچھ تبدیلی کرنا چاہی تو آپؐ نے انہیں یہ حکم الہی سنایا :-

قل ما یكون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما وحی الیّ۔

(سپٹ یولس ۱۵)

ترجمہ: آپ کہیں کہ مجھے اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہیں میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو وہ بتلائے۔

امام ابن سیرین (د ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ یہ بات السنن اور جنوں کی مجموعی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن پاک کو اس کی ترتیب نزولی کے ساتھ جمع کر سکیں۔ ترجمہ شاہد ہے کہ امام ابن سیرین کا ارشاد بالکل سچا ہے اہل یورپ نے بڑی کوشش کی قرآن پاک کو ایک تاریخی ترتیب دے سکیں مگر سب ناکام رہے۔

ترتیب آیات

آیات کی ترتیب توقیفی ہے اور آنحضرتؐ کے واسطے سے خود رب العزت کی ہی قائم کردہ ہے اس میں کسی انسان کی رائے کا دخل نہیں جس ذات بل و علانے اس کے جمع کرنے کی ذمہ داری لی تھی اس نے اسے ایک ترتیب سے جمع کر لیا یہی ترتیب توقیفی ہے۔ اور اللہ رب العزت کی طرف سے ہے یہی ترتیب ترتیب اصولی ہے اور یہی آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب رسولی ہے آنحضرتؐ نزول کے فوراً بعد قرآن پاک کو اسی ترتیب سے لکھوا دیتے تھے جس ترتیب کے ساتھ یہ لوح قدسی میں محفوظ تھا۔ امام احمدؒ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ سے سند حسن روایت کرتے ہیں :-

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آپؐ نے اپنی آنکھیں ایک طرف متوجہ کر لیں اور پھر نعر پھیر لی پھر آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے تھے اور مجھے کہا تھا کہ میں اس ہدایت کو فلاں سورۃ کے فلاں مقام پر رکھ لوں۔

آیت ان الله يامر بالعدل والاحسان واما اذى القرني كوفلان سورت میں فلاں مقام پر رکھ لوں۔

کتاب حدیث میں متعدد روایات ایسی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا تین وحی کو دہی لکھواتے وقت ساتھ ہدایات بھی دیتے تھے کہ یہ روایات اپنی ترتیب میں کہاں ہیں اور صحابہ پھر اسی کے مطابق لکھتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب آیت واقفوا يومًا ترجعون فيه الى الله نازل ہوئی تو حضرت جبریلؑ نے آنحضرتؐ کو بتایا کہ اس آیت کو البقرہ کی ۲۸۰ آیتوں کے بعد لکھائیں۔

ان روایات سے ترتیب آیات کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہونا پوری طرح واضح ہو رہا ہے۔ آنحضرتؐ جب کاتبین وحی کو قرآن لکھنے کا حکم فرماتے تو یہ بھی نشاندہی کرتے کہ یہ آیت کہاں لکھنی ہے میرا المؤمنین سیدنا حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم معا ياتى عليه الزمان وهو ينزل عليه السور فذوات العدد فكان اذا نزل عليه الشئ وعاد بعض من يكتب فيقول ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا فاذا انزلت عليه الآية فيقول ضعوا هذه الا في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا۔

ترجمہ حضور اکرمؐ پر بہت زیادہ گزرتا اور اس حال میں آپؐ پر کئی کئی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں پس جب آپؐ پر نزول ہو جاتا تو آپؐ کاتبین وحی کو بلا کر حکم دیتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں جس میں ایسا ایسا ذکر ہے لکھ دو اور جب آپؐ پر کوئی آیت اترتی تو بھی آپؐ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں جس میں ان باتوں کا ذکر ہے رکھ دو۔

۱۔ دیکھئے صحیح بخاری جلد ۲ باب کتاب التفسیر باب کتاب الاحکام باب
۲۔ جامع جلد ۲ ص ۲۸۱ ح ۲۸۱ خزائن جلد ۱ ص ۲۸۱ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۸۱ لکھنؤ

پھر مختلف موقعوں پر آنحضرتؐ کی طرف سے مختلف آیات کے مقامات کی نشاندہی اس امر کی قوی شہادت ہے کہ آیات کی باہمی ترتیب کا مسئلہ حضور اکرمؐ کے سامنے ہی حل ہو چکا تھا اور آیات کی ترتیب حضور انورؐ کے عہد میں طے ہو چکی تھی۔

① حضرت فاروق اعظمؓ کہتے ہیں کہ جتنا میں نے آنحضرتؐ سے مسئلہ کلام کے متعلق پوچھا کسی اور مسئلے کے بارے میں نہیں پوچھا یہاں تک کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:-

الَا تَكْفِيكَ آيَةُ الصِّفِّ الثَّقِيِّ فِي آخِرِ سُورَةِ النَّازِعَاتِ

ترجمہ کیا تمہیں وہ آیت کافی نہیں جو موسم گرما میں اتری تھی جو سورۃ النازعہ کے آخر میں ہے۔

② اسی طرح حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:-

مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنَ الْاُخْرَى سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكُلَّ اللّٰهُ بِهِ سَبْعِينَ اَلْفَ مَلَكٍ يَّصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتَّى يَمِیْسَ... الحديث۔

ترجمہ جو شخص صبح اٹھتے وقت تین دفعہ اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم اور سورۃ الحشر کی آخری تین آیتیں پڑھ لے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار فرشتوں کو مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

③ اسی طرح حضور اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں:-

مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ اَوَّلِ سُورَةِ الْكَافِ عَصَمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ۔
ترجمہ جو شخص سورت کاف کی پہلی دس آیات یاد کر لے رب العزت اسے فتنہ دجال سے محفوظ رکھیں گے۔

④ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا:-

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَافِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاعَ لَهُ النُّورَ مِثْلَ النُّورِ مِثْلَ الْمَجْمَعَتَيْنِ۔

صحیح مسلم کتاب الفرائض جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ جلیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۳

ترجمہ: جو شخص ہر جمعہ کو سورۃ کہف پڑھے اس کے لیے ہر دو جمعوں کے
مابین نور روشن رہے گا۔

⑤ حضورؐ نے فرمایا:-

من قرأ یسین فی صدر النہار قضیت حاجتہ۔^۱

ترجمہ: جو شخص علی الصبح سورت یسین پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجتیں
پوری فرمائیں گے۔

⑥ پھر آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا:-

من قرأ الایتین من آخر سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفناہ۔^۲

ترجمہ: جو شخص ہر شب کو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ کر سوئے تو
وہ دو آیتیں اسے ساری رات کے لیے کافی ہیں۔

⑦ پھر ایک اور موقع پر آنحضرتؐ ارشاد فرماتے ہیں:-

ان سورۃ من القرآن ثلاثون آیۃ شفعت لرجلٍ حتی غفرلہ و
ہی تبارک الذی بیدہ الملک یتلہ

ترجمہ: قرآن پاک میں ایک سورۃ ہے جس کی تیس آیتیں ہیں وہ اپنے پڑھنے
والے کی سفارش کریں گی یہاں تک کہ وہ بخشا جائے۔ وہ سورت
سورۃ الملک ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کی آیتوں تک کو شمار فرمادے ہیں مختلف
سورتوں میں محل آیات کی نشاندہی فرمادے ہیں۔ سورتوں کے نام اور آیات کے اعداد و شمار
تک پیش نظر ہیں تو پھر اس میں کبھی شبہ کی گنجائش نہیں کہ آیتوں کے ارتباط اور سورتوں کے مرتب
ہونے کا مسئلہ خود آنحضرتؐ کے سامنے ہی طے ہوا تھا۔

آیات کی ترتیب تو فیقی ہے خدا کی طرف سے ہے انسانوں کی اپنی اختیار کردہ نہیں یہ
بات اہل بیت کی روشنی میں تو اس کے درجے کو پہنچی ہوئی ہے۔^۳

آیات و سورتوں کا نظم و تعارف

اگر سورتوں کا تقیم اور ان کا نظم آپ کے سامنے طے شدہ نہ ہوتا تو آپ نمازوں میں مستقل سورتوں کی تلاوت کیسے کر سکتے تھے۔ آپ کا مختلف موقعوں پر مختلف سورتوں کا پڑھنا اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دلانا یہ مفہوم آخر کس طرح ہوتا ہو گا۔ البودادہ و کتاب العلم میں ہے کہ حضور اکرم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو فرمایا :-

اقرأ حلی سورة النساء۔

ترجمہ۔ مجھے سورۃ النساء پڑھ کر سناؤ۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور اکرم اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور سورۃ فتح پڑھ رہے تھے۔ اگر سورتوں کا مسئلہ طے نہ ہوتا تو ان اطلاعات کا محل اشتراک تھا۔ حضور اکرم نے یہ بھی ارشاد فرمایا :-

من قرء سورة الواقعة في كل ليلة لم تصبه فاقة ابداً۔

ترجمہ۔ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھ لیا کرے اسے فاقہ کی تکلیف بھی نہ ہوگی۔

پھر اگر آپسے قرآن نے کوئی ترتیبی صورت نہیں پائی تھی تو صحابہ کرام قرآن پاک کو آخر کس طرح ختم کیا کرتے تھے اور خود آنحضرتؐ اس کے لیے کس صورت میں ترغیب فرماتے رہے اور ختم کے لیے وقت کی حد بندی اور اصلاح کرتے رہے۔

عن عثمان بن عفان انه كان يقرأ القرآن في ركعة يوتر بها۔

ترجمہ۔ حضرت عثمان نماز کو وتر بنانے والی ایک رکعت میں قرآن ختم کر سکتے تھے۔

آپ قرآن کو اس نماز میں ختم کرتے جسے ایک رکعت ملا کہ وتر کر لیتے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ نے ایسا عمل پوچھا جو رب الغفر کو

لے البودادہ ص ۱۷۵، ۱۷۶ ایضاً ص ۳۷ مشکوٰۃ ص ۷۷ و یؤیدہ مادواہ مسلمہ عن النواص بن اسمعان

قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول يؤتى بالقول يوم القيامة واهله الذين كانوا يعملون به تقامه

سورة البقرة و آل عمران کا تھا عجمتان ص ۲۷ ترمذی جلد ۲ ص ۳۲ استیعاب جلد ۲ ص ۲۹۹

سب سے زیادہ محبوب ہو تو آپ نے فرمایا :-

الحال المرئى . ۱۷

ترجمہ: قرآن پاک کو اس طرح ختم کر لے کہ ساتھ ہی پھر شروع ہوتا رہے۔

حنور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الحال المرئى کا مفہوم پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا :-

صاحب القرآن یقواء من اول القرآن الى آخره ومن آخره الى اوله
کما حل ارتحل . ۱۸

ترجمہ: قرآن پڑھنے والا اول سے لے کر آخر تک پڑھتا رہے اور آخر سے

پھر اول پر لوٹ آئے جب منزل پر آئے تو دم لیتا ہی چل پڑے۔

پس اس امر میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کی تمام سورتیں اس تفسیر کے سامنے مرتب
تھیں پڑھی جاتی تھیں اور پڑھائی جاتی تھیں اور ان کی آیات کی ترتیب نزول کے مطابق نہیں
بلکہ ”ترتیب رسولی“ تھی جو پہلو پہلو پر محفوظ کی اصولی ترتیب تھی۔

ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی کا یہ اختلاف ایک ہی سورت کی مختلف آیات میں تو
بہت کم ہے لیکن مختلف سورتوں کی باہمی آیات میں کچھ زیادہ ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض
اوقات کئی کئی سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہونا شروع ہو جاتیں اور مدت تک زیر تکمیل رہتیں
کبھی کسی سورت کی آیتیں نازل ہو جاتیں اور ابھی وہ سورت مکمل نہ ہوتی کہ دوسری سورت کی بعض
آیات نازل ہو جاتیں مگر اس طریق نزول سے قرآن کی جمع و ترتیب پر ہرگز کوئی خلاف اثر نہیں
پڑتا تھا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے :-

ایک شخص بہت سے علوم جانتا ہے اور بیک وقت ہر ایک موضوع پر مختلف کتابیں
لکھتی شروع کر دیتا ہے جس موضوع کے معلومات اس کے سامنے آئیں گے وہ انہیں ان کے
متعلقہ عنوانوں کے تحت لکھتا جائے گا یہ نہیں کہ ایک کتاب کہ پہلے مکمل کر لے اور پھر دوسری
کی تکمیل کر لے۔

۱۷ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۳۳۲ دارمی ص ۴۴۴ نیز اصول کافی میں ہے وما الحال المرئى قال فتح
القرآن وحقه وکما جاء باؤله ارتحل فی آخره . (ص ۱۰۵۵ ج ۲) (ایران)

اسی طرح مسئلہ ترتیبِ سُورہ کو لیجئے قرآن کی مختلف سورتیں مستقل رسالوں اور مستقل ابواب یا تالیفات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سرکارِ دہدو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر الگ الگ رسالوں کے مضامین بلا ترتیب (بدول) اس التزام کے کہ پہلے ایک سورت مکمل ہو تب دوسری نازل ہونی شروع ہو) نازل ہوتے رہے اور آپؐ ہر مضمون کی آیات اس کے متعلقہ رسالہ میں لکھوا کر ان کی ترتیب معین فرمادیتے تھے ترتیبِ آیات کا مسئلہ ساتھ ہی طے ہو جاتا۔ ہاں ترتیبِ سُورہ کا مسئلہ ایک بعد کی منزل رہی۔

ترتیبِ سُورہ

۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سارا قرآن مختلف قطع کی مختلف چیزوں پر لکھا تھا اور اس نے یکجا جمع ہو کر ایک شیرازے کی شکل بن پائی تھی۔ جاہریں اس باب میں اختلاف ہے کہ سورتوں کی یہ ترتیب ۱ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا یہ ایک بعد کی ترتیب ہے اس اختلاف کا کوئی بنیادی اثر نہیں۔ جب قرآن پاک کی ہر سورت ایک مستقل کتاب یا رسالے کی حیثیت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ ایک مصنف کی متعدد کتابوں کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور باہمی فصل بھی قائم رہے تو اس میں تقدیم و تاخیر کا کیا اثر پڑ سکتا ہے جب اس سے معافی و مطالب متاثر نہیں ہوتے تو سورتوں کی آپؐ میں ترتیب اگر توقیفی نہ بھی ہو تو بھی ترتیب قرآنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر ایک ہی کتاب یا رسالے کے بعض اجزاء میں یا ایک ہی سورت کی آیات میں عوامی ہاتھوں سے تقدیم و تاخیر مان لی جائے تو کتاب یا رسالے کی ساری غایت اور مضمون کی ساری مراد مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ترتیبِ آیات میں امت کے ہاتھوں تقدیم و تاخیر کا احتمال پیدا کرنا موجبِ کفر ہے لیکن ترتیبِ سُورہ میں اختلاف اس حد تک نہیں۔

پیشِ نظر رہے کہ یہ رعایت اختلاف صرف احتمال کی حد تک ہے حتیٰ یہی ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب بھی ۱ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی طرف سے ہے جسے آپؐ نے باعزامِ الہی اختیار فرمایا تھا۔ علامہ کرمانی سے منقول ہے :-

ترتیب السورہ کذا عند اللہ فی اللوح المحفوظ۔

ترجمہ: سورتوں کی یہ ترتیب وہی ہے جو لوح محفوظ میں خدا کے ہاں ہے
امام ابو بکر انباری فرماتے ہیں:-

یوقف جبریل النبی علی موضع الآية والسورة فالتأقی السور کالتأقی
الآیات والحروف مکملہ من النبی فمن قدّم سورة او اخرها فقد
افضد: نظم القرآن ۱۷۰

ترجمہ: جبریل علیہ السلام آنحضرتؐ کو آیتوں اور سورتوں کے مواقع بتا دیتے
تھے سورتوں کی باہمی ترتیب ایسی ہی ہے جیسے آیات اور حروف کی باہمی
ترتیب۔ یہ سب ترتیبات حضورؐ ہی کی طرف سے ہیں جو کوئی ان میں تقدیم و
تاخیر پیدا کرے وہ نظم قرآنی میں فساد کرنے کا موجب ہے۔
صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلقن اصحابہ ویدلہم ما یُنزل
علیہ من القرآن علی الترتیب الذی ہو الان فی مصاحفنا بتوقیف
جبریل علیہ السلام ۱۷۱

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو قرآن پاک اسی ترتیب کے ساتھ
تلقین اور تعلیم فرماتے جس ترتیب کے ساتھ اب یہ ہمارے پاس موجود ہے
اور یہ سب ترتیب حضرت جبریلؑ کے بتانے سے ہی عمل میں آتی۔

آنحضرتؐ پر قبلاً قرآن نازل ہو چکا ہوتا حضرت جبریلؑ ہر رمضان میں اس کا آنحضرتؐ
کے ساتھ دور کرتے آخری رمضان میں یہ دور دو دفعہ کیا ظاہر ہے کہ اس دور قرآنی میں سورتوں
کی بھی کوئی ترتیب ضرور ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختم قرآن کے لیے اس کی سورتوں کو
کسی نہ کسی ترتیب سے ہی پڑھتے ہوں گے یہ ترتیب نزولی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ حضور اکرمؐ
نزل وحی کے بعد مختلف آیات علیحدہ علیحدہ مقامات پر لکھاتے تھے پس اس بعین سے چارہ نہیں

کہ پورے قرآن کی تلاوت کے وقت حضور اکرم کے سامنے سورتوں کی کوئی اور ترتیب تھی تو ترتیب نزول سے مختلف تھی۔

یہی وہ ترتیب ہے جس کے مطابق صحابہ کرام نے قرآن کریم کو ایک شیرازے میں جمع کیا اور اسی ترتیب کو امت ترتیب رسولی سے یاد کرتی ہے۔ سورتہ توبہ سے پہلے بسم اللہ اس لیے نہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام اس کے ساتھ بسم اللہ نہیں لائے تھے۔

پہلی سلع طول اور حواصم مفصل اپنی ترتیب میں

قاضی ابن عطیہ کہتے ہیں کہ سلع طول، حواصم اور مفصل سورتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ابھی خاصی معروف تھی۔ احمد بن ابراہیم ابو جعفر بن زبیر اندلسی (۸۰۷ھ) کہتے ہیں کہ آثار و شراہد سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ سورتیں اپنے نام اور اپنے مقام سے شہرت پا چکی تھیں۔ سراج اور صحیح بات یہ ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی ہے اور یہ انسانی اختراع نہیں۔

یہ اختلاف تو ہو سکتا ہے کہ یہ دو متصل سورتیں ایک ہیں یا دو مکین ترتیب ان کی بھی مجمع علیہ ہے ایسا مقام پورے قرآن میں ایک ہی سامنے آیا کہ صحابہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ ایک سورت ہے یا دو۔ اس لیے انہوں نے ان کے مابین بسم اللہ الرحمن الرحیم اذبانہ لکھی مضمون دونوں کے ملتے جلتے ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ ایک سورت ہیں اور اگر موقع نزول پر نظر رکھی جائے تو یہ دو سورتیں ہیں۔ پہلی مدینہ منورہ میں آغاز ہجرت میں نازل ہوئی اور دوسری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں اُتری یہ سورتیں الانفال اور براءۃ (توبہ) ہیں ایک ہوں یا دو۔

نوٹ: قرآن کریم کی ہر سورت سے پہلے جو بسم اللہ ہے وہ سورت کا جزو ہے یا دو سورتوں کا باہمی حاصل ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے سویرہ شبہ اور اختلاف اس کی قرآنیت میں نہیں اس کے حکم میں ہے کہ سورت کا جزو ہے یا انکی سورت کا اعلان ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قرآنیت ہر شبہ سے بالا ہے جو اسے شبہ فی القرآن کی دلیل بناتے ہیں غلطی پر ہیں قرآن کریم میں کوئی شبہ نہیں۔ ذلک الكتاب لا ریب فیہ۔

قرآن پاک کی پہلی سات سورتوں کی ترتیب

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت دشنا اس کی ربوبیت اور تعین آخرت، بندے کی نیاز و عبودیت اور سیدھی راہ کی طلب، انبیاء و صالحین کی پیروی اور گمراہ قوموں سے بے رغبتی رہنمائی وہ بنیادی نقوش ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہوتی ہے یہ سب مضامین سورۃ فاتحہ میں آگئے۔ آگے پورا قرآن اسی کی شرح اور اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

سات لمبی سورتوں میں پہلی سورۃ البقرہ ہے۔ بقرہ کے معنی گائے کے ہیں یہاں گائے کا لفظ کسی جانور کی تعظیم کے لیے وارد نہیں ہند خواہ مخواہ خوش ہونے ہیں کہ لو قرآن کا آغاز بھی گائے سے ہی ہوتا ہے پُرانے لوگ یہ بھی کہتے تھے گائے کو پوری زمین کو ایک گائے نے ایک سینک پر اٹھا رکھا ہے جب وہ سینک بدلتی ہے تو زلزلہ آتا ہے اس لیے گائے سے قرآن کا آغاز اٹھوٹی ہے۔

ایسی کوئی بات نہیں اس سورت میں ذبح بقرہ کا اعلان ہے۔ یہی سورۃ البقرہ تو یہ اس قوم کے عروج و زوال کا ایک تذکرہ ہے جس کی تاریخ گائے کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر تشریف لے جانے پر یہ لوگ کس طرح بچھڑے گئے تھے اور کس طرح آج تک یہ قوم سونے کے بچھڑے کی بچاری چلی آرہی ہے۔ اس سورۃ میں زیادہ اپنی لوگوں کا تذکرہ ہے۔ مسلمانوں کو شروع قرآن میں تعلیم دی گئی کہ پیچھے اپنے دشمنوں کو پیچا تو جو قوم اپنے مخالفوں کو نہیں سمجھتی وہ بالآخر مار کھا جاتی ہے پیچھے یہود و نصاریٰ کو سمجھو۔

مسلمانوں کو دو قوموں کے بارے میں بیدار کرنا ضروری تھا وہ دو قومیں کون ہیں۔ ۱۔ یہود اور ۲۔ نصاریٰ۔ تاریخ یہود کے لیے البقرہ اور تاریخ نصاریٰ کے لیے آل عمران کا فکری مطالعہ درکار ہے۔ عمران حضرت مسیح کے نانا کا نام تھا جو حضرت مریم کے والد تھے اس سورت کا موضوع اپنی کا خاندان ہے۔ تمام اعتقادی اور نظریاتی فتنے ان دو قوموں کے گرد گھومتے ہیں اور ہم کو قرآن کریم نے پیچھے اپنی دو کو جاننے پر مامور کیا ہے۔

من قللم لسان قوم فقد امن شرهم۔

ترجمہ جو کسی قوم کی زبان جان لے وہ اس کے شرعے محفوظ ہو جاتا ہے۔
 ہندو گائے پرستی میں یہودیوں کا بکا ایک حصہ ہیں اور یہ بھی اسی طرح دولت کے پرکار
 ہیں جس طرح یہود۔ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا۔
 سورۃ فاتحہ کے آخر میں ہم نے دو قوموں کے طریقے سے بچنے کی دعا کی تھی ایک
 وہ جن پر خدا کا غضب اُترا اور دوسرے وہ جو فطر محبت میں گمراہ ہوئے۔ پس ضروری تھا کہ
 آگے دو قوموں کا تذکرہ ہو پہلے اُن کا جن پر غضب اُترا (یہود) اور دوسرے اُن کا جو حضرت
 مسیح علیہ السلام کے بارے میں صحیح پٹری سے اُتر گئے۔ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کا یہ
 سورۃ فاتحہ سے ربط ہے۔

بنی نوع انسان کے لیے دو طرح کے فتنے

انسان اس دنیا میں یا اعتقادی اور نظریاتی فتنوں میں گھرا ہے یا تہذیبی اور معاشرتی فتنوں
 میں۔ اعتقادی فتنے یہود و نصاریٰ کے گرد گھومتے ہیں اور معاشرتی فتنوں کا موضوع عورت
 اور دولت ہے۔ عدالتوں میں جیساں دیکھیں زیادہ مقدمے عورت اور دولت کے باعث
 عدالتوں میں آتے ہیں۔ اعتقادی فتنوں کی اصلاح البقرہ اور آل عمران کے مطالعہ سے ہوگی۔
 عورت کے مقام اور کام کا پتہ سورۃ النساء میں ملے گا اور دولت و جائیداد کے عنوان آپ کو سورۃ
 المائدہ اور الانعام میں ملیں گے۔ جو لوگ دسترخوان پر چلنے کی پیالی پر ایمان چھوڑ دیتے ہیں اور
 جس کا کھاتے ہیں پھر اسی کا گاتے ہیں ان کی اصلاح سورۃ المائدہ کے مطالعہ سے ہوگی اور آپ
 عربوں کی دولت اور ان کے مال کو الانعام میں دیکھ کر دولت کی حقیقت پر مطلع ہو سکیں گے۔
 اللہ کی راہ سیکھنے والا سالک جب تک البقرہ آل عمران النساء المائدہ اور الانعام
 سے آگے نہ بڑھے وہ میدان میں قدم رکھنے کے لائق نہیں ہوتا۔ سورۃ الانفال لوگوں کو میدان
 عمل میں لاتی ہے اور سورۃ التوبہ کفار و مشرکین کی پابندیوں سے چھڑاتی ہے۔

پہلی پانچ سورتوں اور ان سورتوں کے باہر الاعراف ہے۔ اس میں کچھ آؤ پر حقائق
 اور تمکین کے مسائل ہیں۔ مومنین کو الانفال اور البرۃ کے میدانوں میں آنے کے لیے پہلے انرا

سے گزرنا ضروری ہے۔

قرآنی سورتوں کی موجودہ ترتیب حضورؐ کی اختیار کردہ ہے اس تحقیق کے نقلی دلائل

① عربی کتاب کے دیباچے (چہرے) یا مقدمے کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں کتاب کی ابتداء یا پہلا باب اس کا فاتحہ کہلاتا ہے۔ ایک بزرگ نے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مرجاؤں اور مجھے دفن کر چکو تو۔

اقرا عند رؤسی بفاتحۃ البقرۃ وخاتمۃا فانی سمعت ابن عمر یقول ذلک ترجمہ میرے سر کی طرف ہو کر فاتحۃ البقرہ (سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات) اور پھر اس کی آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو ایسا ہی کہتے سنا ہے۔ جب فاتحہ دیباچے یا ابتداء کو کہا جاتا ہے اور قرآن پاک کی موجودہ ترتیب سورتیں سب سے پہلی سورت الاحمد ہے جو خود لسانِ پیغمبرؐ سے فاتحۃ الکتاب کا اعزاز حاصل کر چکی ہے تو اس بات سے چارہ نہیں کہ قرآن کی موجودہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے۔ اگر آنحضرتؐ کے نزدیک سورتوں کے باہمی ربط میں ترتیب نزول کا اعتبار ہوتا تو آپ سورۃ فاتحہ کا نام سورۃ اقرأ یا سورۃ علق کو دیتے جو ترتیب نزول میں سب سے پہلی سورت تھی آپ سورۃ محمد کو فاتحۃ الکتاب ہرگز نہ فرماتے۔

② موجودہ ترتیب قرآن میں پہلے سات لمبی سورتیں ہیں جنہیں السبع الطوال کہا جاتا ہے پھر مین یعنی کم و بیش سو سو آیتوں کی سورتیں ہیں یہ سورۃ یونس سے سورۃ فاطر تک ہیں ان کے عہ کتاب الروح لابن قیمؒ ص ۱۸ فاتحۃ البقرہ کے معنی اول البقرہ کو لے کر تا یہاں اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنے اسناد سے روایت کرتے ہوئے فاتحۃ البقرہ کی روایت اول البقرہ کے الفاظ میں پیش کی ہے (سنن کبریٰ جلد ۲ ص ۵۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن) فتح القرآن وفتح قرآن ابتداء اور انتہا ہی ہے (اصول کافی جلد ۲ ص ۶۵ مطبوعہ ایران) لعل اللہ فی صلواتہ لمن یقر فاتحۃ الکتاب۔

بعد بٹائی ہیں جن میں مضامین فہرستیں اکریبان کیے گئے ہیں اور آخر میں مفصل علیحدہ علیحدہ قطعہ ہیں یہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہیں۔ یہی ترتیب آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں ذکر فرمائی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ترتیب خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار فرمودہ ہے۔ اس میں اہمیت کے ہاتھوں کا کوئی دخل نہیں حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا :-

مجھے تو رات کے بدلے السبع الطوال، زبور کے بدلے تین اور انجیل کی جگہ شانی عطا کی گئی ہیں اور جو مجھے بطور فضیلت ملا وہ مفصل ہیں بلکہ

③ حضرت عذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نے ایک بہت لمبی نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا فرمائی :-

فصلی أربع رکعات فقرأ فيهن البقرة وال عمران والنساء والمائدة

ترجمہ۔ آپ نے چار رکعتیں پڑھائیں اور ان میں سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ پڑھیں۔

یہ چاروں سورتیں قرآن پاک میں اسی ترتیب سے ہیں جس طرح کہ انہیں حضور اکرمؐ نے پڑھا۔ اس سے صحت پتہ چلتا ہے کہ موجودہ ترتیب سور خود آنحضرتؐ کی ہی اختیار کردہ ہے جسے آپ نے باعلام الہی اختیار فرمایا ہوا تھا۔

④ قرآن پاک کو اول سے لے کر آخر تک ایک جامع نظر سے دیکھتے تمام سورتیں ایک لڑی میں پڑتے ہوئے مومنوں کی طرح ایک دوسرے سے متعلق نظر آتی ہیں گی۔

پہلی سورۃ فاتحہ ہے اس میں اهدنا الصراط المستقیم کے الفاظ میں ہدایت کی درخواست ہے تو اگلی سورۃ البقرہ میں ذلک الکتاب لاریب فیہ مدح المتقین کے الفاظ میں اس ہدایت کی عطا ہے۔ دونوں سورتیں اپنے نزول کے لحاظ سے بالکل علیحدہ علیحدہ تھیں ان میں یہ باہمی تناسب اور ربط خود اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب نزولی اس کی حقیقی ترتیب ہرگز نہ تھی اصل ترتیب وہی ہے جو ترتیب رسولی ہے اور نہ دعائے ہدایت اور عطا نے ہدایت اس طرح متعلق اور متناسق نہ ہوتیں۔

لے منہ احمد جلد ۱۰۰ القان جلد ۱۰۰ لے منہ ابی داؤد جلد ۱۰۰ باب ما یقول فی رکوعہ وسجودہ

ہدایت موصول ہونے کے بعد اسے سمجھنے میں غلط فہمی کا اندیشہ تھا سورۃ آل عمران نے آیات کی تقسیم حکمت اور متشابہات میں کر کے ہر طریق الحاد کی جڑ کاٹ دی بلکہ اہل کتاب جو ہدایت موصول ہونے کے باوجود گمراہ ہو گئے تھے ان کی پوری تاریخ بیان کر دی تھی اس قصور عقل کی مناسبت سے آگے اس طبقے کا ذکر فرمایا جو فطرۃ اس باب میں کمزور تھا اگلی سورت کا نام نساء ہے۔

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل (متین)

قرآنی سورتوں کی دوسری منزل متین کی ہے یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سوسو کے قریب ہیں یا سس منزل میں چار پیغبروں کا مسلسل ذکر ہے۔ ۱۔ حضرت یونس علیہ السلام۔ ۲۔ حضرت ہود علیہ السلام۔ ۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام۔ ۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے پہلے سورۃ رعد کا فصل موجود ہے اور آگے سات سورتیں سورۃ الحجر (آیات ۹۹) سورۃ النحل (آیات ۱۲۸) سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۱۱۱) سورۃ کہف (آیات ۱۱۰) سورۃ مریم (آیات ۹۸) سورۃ مریم (آیات ۱۴۵) سورۃ طہ (آیات ۱۳۵) سورۃ انبیاء (آیات ۳) ہیں۔ پھر سورۃ حج (آیات ۷۸) المؤمنون (آیات ۱۱۸) النور (آیات ۶۴) الفرقان (آیات ۷۷) الشعراء (آیات ۲۲۷) النمل (آیات ۹۴) القصص (آیات ۸۸) العنکبوت (آیات ۶۹) اور سورۃ روم (آیات ۶۰) ہیں جن میں سے صرف المؤمنون اور الشعراء متین میں سے ہیں۔

قرآن کریم میں جن پیغبروں کا تذکرہ ہے وہ سب راہ ہدایت پر تھے۔ ۲۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی راہ پر چلنے کا حکم ہے۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ اُخْرٰى۔ (پ ۱۱، نعام ۶) صرف یونس علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ ان کی طرح جلدی نہ کرنا۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (پ ۱، النعم ۴۸) اس اعتبار سے ان کی شخصیت دوسرے انبیاء سے ایک طرف رہتی ہے۔ قرآن کریم نے سات سورتیں پیغبروں کے نام سے آئیں جیسے حضرت ہود، حضرت یوسف، حضرت ابراہیم، حضرت لقمان، حضرت محمد، حضرت نوح۔ ان میں پہلے سورۃ یونس کو رکھا۔ ان کی ایک منفرد حیثیت تھی۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح اہل کتاب یہود اور نصاریٰ حضرت ہود کو پیغمبر نہیں مانتے وہ نہ قوم عاد کے قابل ہیں نہ حضرت ہود علیہ السلام کے یہ عرب میں ہوئے ہیں۔
انہیں اس امتیاز پر شروح ہی میں ذکر کر دیا۔ سورۃ یونس کے بعد سورۃ ہود گزری آگے
حضرت یوسف اور حضرت ابراہیم کے نام کی سورتیں ہیں۔

یہ دونوں پیغمبر جغرافیائی پس منظر میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا
وطن کنعان ملک شام تھا یہیں سے بنی اسرائیل چلے۔ اسرائیلی پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں
ہوئے۔ بنو اسرائیل وہاں کیسے پہنچ گئے ان جغرافیائی سرحدوں کو عبور کرنے والی شخصیت حضرت
یوسف کی ہے وہ کس طرح کنعان سے ایک جیل سے نکالے گئے اور کس طرح مصر پہنچے اور
پھر لویہ خاندان یعقوب وہاں منتقل ہو گیا۔ قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان بتوتی
تو یہ دو سرحدیں (شام اور مصر) بنو اسرائیل کے دائیں بائیں نہ ہوتیں۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر بنو اسرائیل اور بنو اسماعیل
مل جاتے ہیں گو وطن دونوں کے علیحدہ علیحدہ رہے۔ ملک شام اور ملک عرب۔ قرآن کریم ایک
عالمگیر اور آفاقی دعوت ہے اس کے لیے مناسب تھا کہ وہ پیغمبر جن پر ملکوں کی جغرافیائی
سرحدیں طے اور جن پر دو متوازی سلسلے ایک ہوں انہیں حضرت یونس اور حضرت ہود علیہما السلام
کے امتیازی خطوط کے بعد متصلاً ذکر کر دیا جائے۔

سورۃ ترتیب اس طرح چلی سورۃ یونس۔ سورۃ ہود۔ سورۃ یوسف۔ سورۃ زمر اور سورۃ
ابراہیم۔ سبع طول میں جس طرح سورۃ اعراف کچھ اوپر کے خاص مضامین پر مشتمل ہے مبین
میں سورۃ زمر میں یہ اوپر کی سبلی چمکی ہے۔

سبع طول میں البقرہ اور آل عمران میں بالترتیب یہود و نصاریٰ کی ہدایت یابی اور
ہدایت تلفی کی تاریخ گزری ہے تو مبین سورتوں میں سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ مریم میں بنو اسرائیل
اور مریم و مسیح کے تذکرے طے گئے پھر سورۃ طہ اور سورۃ انبیاء دونوں انبیاء کے تذکروں کے
مجھری ہیں۔ سورۃ انبیاء پر آکر سمجھیں کہ اب اس صف کی تکمیل ہو گئی اور آپ کا حج ہو گیا۔ انبیاء کے
بعد ان کی امتیں مومنین کے ملحقے ہیں۔ پھر قرآن کا پیغام لیں جس میں نور ہے اور ہدایت ہے

اور یہ حق و باطل کو نکالنے میں فرقان ہے جن کی بات صاف اور واضح نہیں ہوتی اور وہ حقیقت و مجاہد کے چکر سے نہیں بچتے وہ شعراء ہیں ان سے محفوظ بے شک ہوں پر ان کی پیروی میں نہیں چلنا۔ جیونٹی اور مکڑی کے مساکن کس طرح اوصاف البیوت کمزور ترین گھر ہیں۔ یاد رکھنا اپنے قلوب اور اپنی فوجوں پر ناز کرنے والے رومی مغرب پاس کے ملک میں مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ مہماری فکری اور عملی زندگی کی سیرگاہ ہے ان عناوین کے تحت آپ کو بے شمار حکمت، عبرت اور موعظت کے سبق ملیں گے۔

قرآنی سورتوں کی تیسری منزل

وہ سورتیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں اور پر مذکور سورتوں میں الحج، النور، الفرقان، العنکبوت اور الروم مشائی میں سے ہیں۔ سورۃ روم سے سورۃ ق (آیات ۴۵) تک قرآن پاک کی کل ۵۰ سورتیں ہوتی ہیں۔

پھر آگے سورۃ ق سے آخر تک مفصل سورتیں ہیں یہ ۶۴ ہیں اور پہلی ۵۰ کے ساتھ مل کر کل ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ مفصل کی تقسیم پھر تین حصوں میں ہے۔

① طوال مفصل : یہ الحجرات سے بروج تک

② اوسط مفصل : سورۃ البروج سے البینہ تک۔

③ قصار مفصل : البینہ سے الناس تک۔

① بعض سورتوں میں اختلاف ہے کہ وہ مبین میں ہیں یا المشائی ہیں۔ ہم نے عام تعداد کے لیے یہ نقشہ دے دیا ہے۔ ولتحقیق مقام آخر۔

② مبین اور مشائی میں کچھ سورتیں باہم مختلط ہیں ان کی تعداد آیات سے پتہ چلے گا کہ وہ کن میں سے ہیں۔

③ مبین اور مشائی کی تقسیم اندازے سے ہے ان کے نام اور عنوان تو روایات میں ملتے ہیں مگر یہ کن کن کو شامل ہے اس میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

آخری سورتوں کے اتساق کی ایک جھلک

اسی طرح قرآن پاک کی آخری سورتیں بھی نہایت لطیف ترتیب سے متناسب و مترابط ہیں۔
 ① قل یا ایہا الکافرون۔

ایک طرح سے اعلان جنگ ہے پورے عنوان سے کفر و اسلام کی دو ٹوک مُبدائی ہے لکھ دینکھ ولی دین و دُلیعہ علیحدہ علیحدہ راہوں کا اعلان ہے اعلان جنگ کے بعد فتح ہوتی ہے یا شکست یہاں فرمادیا۔

② اذ جاء نصر الله والفتح۔

کہ یہاں فتح ہی فتح ہے شکست کا تصور بھی نہیں۔ فتح کے بعد دشمن سرنگوں ہوتے ہیں۔ فرمایا۔

③ تلبت یٰدا الجبل لہب ولب۔

یہ دشمنوں کی رسوائی اور بدنامی کا بیان ہے جب اللہ کے دشمن سرنگوں ہوں تو اللہ کا نام سر بلند ہوتا ہے توبہ کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

④ قل هو الله احد۔ الله الصمد۔

اللہ کا نام تو حید خالص کے ساتھ سر بلند ہوا اسلام کا مقصد پورا ہوا۔ اب دعا کیجئے کہ یہ شجر اسلام ہر طرح کی نظر بد اور آسمانی اور زمینی آفتوں سے محفوظ رہے۔

⑤ قل اعوذ برب الفلق اور اس کے بعد قل اعوذ برب الناس۔

یہ معوذتین ہیں یہ خدا کی اس آخری کتاب کی منزل اتمام ہے۔

مخالفین کو چیلنج

اگر تمہیں یہ خیال ہے کہ یہ کلام بشری ہے تو تم بھی ایک ایسی سورت بنالاء۔
 وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاقوا بسورة من مثله۔

ترجمہ: اگر تم اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتار ہے شک میں ہو تو تم بھی ایک ایسی سورت بنا لاؤ۔

یہ چیلنج قرآن پاک کی دوسری سورت میں ہے اس میں اس جیسی ایک سورت لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ جب ہم نے غور کیا تو اس چیلنج سے پہلے واقعی قرآن کی صرف ایک ہی سورت موجود ہے جو سورۃ فاتحہ ہے اس کی مثل لانے کا چیلنج واقعی دوسری میں ہی مناسب تھا۔ پھر سورۃ ہود میں چیلنج دیا گیا کہ:-

قل فاتوا بشئ مومثلہ مفتریات۔ (پاک ہود ۱۲)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ (اگر یہ قرآن میرا پنا گھڑا ہوا ہے تو) تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لاؤ۔

جب ہم نے غور کیا تو اس سے پہلے واقعی دس سورتیں ہی موجود ہیں۔ قرآن پاک کی یہ ترتیب اگر حقیقی نہ ہوتی تو یہ دس سورتیں لانے کا چیلنج کیا گیا رہیں سورت میں ہی پھر تاہم جس سے پہلے صرف دس سورتیں ہی واقعتاً موجود ہیں یہ قرآن پاک کی اندرونی شہادت ہے کہ اس کی حقیقی ترتیب وہی ہے جس میں آج یہ جملے سامنے موجود ہے۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت

سورۃ الانعام جو واقعی مکی ہے اس میں ارشاد ہے:-

وما لکم الا تاکونوا معاذ کرام اللہ علیہ وقد فصل لکم ما

حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ۔ (پاک الانعام ۶)

ترجمہ: اور کیا وجہ کہ تم اس جانور میں سے بھی نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں کہ تم پر حرام کیا گیا ہے وہاں یہ اور بات ہے کہ تم مجبور کر دیے جاؤ اس کے لیے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ جانور جو حرام ہیں اس سے پہلے مفصل طور پر بیان ہو

چکے ہیں۔ یہ تفصیل کہاں ہے؟ یہ سورۃ المائدہ (پیش) میں بیان ہوئی ہے جو بالاتفاق مکی

سُورَت ہے اور سورۃ الانعام کے بعد نازل ہوئی ہے۔ سورۃ البقرہ میں بھی محرمات کا کچھ بیان ہے مگر وہ بھی مختصر ہے۔ مفصل بیان المائدہ میں ہی ہے۔

پس اگر ترتیب نزولی کا اعتبار کیا جائے تو سورۃ الانعام کا یہ دعویٰ کہ وہ تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے درست نہیں رہتا اور اگر موجودہ ترتیب کو دیکھا جائے تو سورۃ الانعام سے پہلے واقعی سورۃ المائدہ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

غلاماً ایسا کہ قرآن کریم کی حقیقی ترتیب یہی ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے بعض محدثین نے حضرت علی المرتضیٰؑ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ آپ نے قرآن پاک کو رسولی ترتیب کی بجائے نزولی ترتیب پر جمع کیا تھا ایسی روایات صحیح نہیں حضرت علی المرتضیٰؑ کی محالیت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر ہم باور نہیں کر سکتے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب چھوڑ کر اپنے لیے کوئی راستہ نکالا ہو۔ محققین کے نزدیک ایسی روایات اسناداً ضعیف اور اصولاً قابل اعتقاد نہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ نے جس ترتیب سے قرآن پاک کو ایک شیرازے میں جمع کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ اسی ترتیب سے قرآن پاک کی تلاوت اور قرات کرتے ہوں گے جب حضرت علی المرتضیٰؑ حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے اور ان کی سب نمازیں باجماعت ہوتی تھیں تو ترتیب قرآن میں ان دونوں بزرگوں میں کیسے اختلاف رہ سکتا تھا ان میں اگر کچھ بھی اختلاف ہوتا تو وہ یقینی طور پر حضرت امیر المومنینؑ کی امامت اور حضرت علی المرتضیٰؑ کی اقتداء پر اثر انداز ہوتا۔ ایسے واقعات اس یقین تک پہنچنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰؑ کی قرآن ترتیب نزولی کی نسبت درست نہیں۔

مشہد کے کتب خانہ رضوی میں حضرت علی المرتضیٰؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک سورہ ہود سے لے کر آخر سورہ کہف تک اب بھی صحیح سالم موجود ہے چڑے پر خط کوئی نہیں لکھا ہوا ہے اور موجودہ ترتیب کے بالکل مطابق ہے۔ اور آخری صفحے کی پشت پر یہ لکھا ہوا ہے:

کتبہ علی ابن ابی طالب

ایک اور کامل نسخہ حضرت امام حسنؑ کے دست مبارک سے لکھا ہوا بھی موجود ہے۔ یہ

بھی ہر جہز موجودہ ترتیب پر ہے چھڑے پر لکھا ہے اور خط اس کا بھی کوئی ہے۔ آخر میں لکھا ہوا ہے اے حسن نے سکتہ میں لکھا ہے۔

(مکتبہ حسن بن علی بن ابی طالب فی سنہ احدی واربعمین)

قرآن مجید اپنی موجودہ ترتیب میں عہد رسالت سے ہی متواتر چلا آ رہا ہے۔ عہد مدنی میں اسی ترتیب نے ایک بشرائے کی شکل پائی تھی جو عہد رسالت سے تلاوت و قرات میں متواتر چلا آتا تھا اسی کی نشر و اشاعت عہد عثمانی میں ہوئی تھی پس اس ترتیب کے خلاف ان اخبار عباد کا کوئی اعتبار نہیں جن میں کسی بزرگ سے اس کی کوئی اور ترتیب منقول ہو تحقیق کی جائے تو وہ روایت ہی غلط ہوگی۔ ظنیات کی پیروی یا قطعیات کو چھوڑ دینا بڑی نادانی ہے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک اہل تواتر کا امر خلاف واقع پر اجماع کر لینا محال نہ ہو اور وہ امت کے اجماع کو حجت نہ سمجھتے ہوں وہ اگر تواتر قطعی کا احترام نہ کریں تو تعجب کی بات نہیں لیکن پہلے نزدیک تواتر طبقہ بلکہ تواتر قائل بھی یقین کی ایک قابل اعتماد بنیاد ہے۔

فقہائے زمام نے نماز میں سورتوں کی ترتیب موجودہ ترتیب کے ساتھ ضرور بتائی ہے یہ جائز نہیں کہ پہلی رکعت میں کوئی اگلی سورت پڑھ لے اور دوسری رکعت میں اس سے پہلی کسی سورت کو پڑھ لے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بزرگوں نے سورتوں کی باہمی ترتیب کو محض ایک تالیفی درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اسے شرعی درجے میں ایک سادہ ثابت سمجھتے ہیں۔
محقق ابن ہمام کہتے ہیں:-

وان قرأ فی رکعة سورة فی الثانية ما فوقها او فعل ذلك فی رکعة فهو مکروه۔

ترجمہ۔ اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں اس سے پہلے کوئی پڑھی یا ایک ہی رکعت میں سورتوں کو اس ترتیب سے پڑھ لیا تو یہ مکروہ ہے۔

ابن جریر نے اکر اقبال رحمہ نے اپنے سفر ایران میں بالادولہ، تخری فی نسخوں کو دیکھا تھا ان کے کوائف دیے ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ (دیکھئے اورینٹل کالج میگزین ۲۵ ص ۵۸) مہ فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۴

احرف القرآن

قرآن کا سب سے احرف میں اُترنا

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

قرآن کریم عرب کے لغت میں نازل ہوا اور عرب قبائل باہم ایک متمدن قوم نہ ہونے کے باعث اپنی لغت میں ایک دوسرے سے کچھ جدا تھے ایک لغت اور حرف اولے کو دوسروں کے لغت اور حرف میں مناسبت نہ ہوتی تھی قرآن کریم ان آیتیں میں ایک ہی لغت اور حرف میں اُترا اور اس کی دعوت ابتداء میں کہ اور اس کے قریب کے گروہ ذرا کھلے لیے تھی۔

لقد رآنا القرى ولمن حولها (پک الانعام ۹۶)

ترجمہ: تاکہ آپ ڈراموں کو والوں کو اور جو اس کے ارد گرد ہیں۔

سوائے صورت حال میں سب عربوں کا قرآن پاک کو ایک ہی پیرائے میں پڑھنا خاصہ مشکل اور پھر غور توں اور بوڑھوں میں جو دوسرے قبائل کی لغات سے مانوس نہ تھے قرآن کی تلاوت کا جاری ہونا کوئی آسان بات نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عوامی ضرورت سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ نے اس باب میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری امت کے لیے کچھ آسانی پیدا کر دیں اور آپ بار بار اللہ تعالیٰ سے یہ گزارش کر رہے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے سات پیرائے چھڑے انہیں ہی سب سے احرف کہا جاتا ہے۔ اسے یوں کہیے کہ قرآن کریم سب سے احرف میں نازل ہوا اور یہ اس کی مختلف قراءت ہیں۔

سب سے احرف کے ساتھ قرآن اب صرف ایک قبیلے کی آواز نہیں پورے عرب کی دستاویز بنا۔ مسلمان کسی بھی قبیلے سے ہوں سب اس میں برابر کی دلچسپی لینے لگے اور اس کی بلاغت اور شان اعجاز سب عربوں کو ایک فکر پر لے آئی کہ پوری سرزمین عرب میں کوئی قبیلہ اور کوئی وطن اس شان کی فصاحت اور بلاغت اپنے کلام میں نہیں لاسکتے۔ پھر جب ان لوگوں سے کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی کوئی انسانی کلام ہے کوئی وحی الہی نہیں تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ، تو یہ چیلنج اُسی

صورت میں کارگر ہو سکتا ہے کہ تمام عرب قرآن کریم کے پڑھنے اور سننے میں کوئی اجنبیت محسوس نہ کریں۔ اور کوئی طبقہ یہ نہ کہہ سکے کہ قرآن اگر ہماری بولی میں اترتا تو ہم ہنر در اس جیسا کلام بے آتے یہ تو ہمارے لیچہ میں ہی نہیں۔ سو حکمت خداوندی کا تقاضا ہوا کہ قرآن کریم ملتِ ہندوؤں میں پڑھے اور عرب قوم کا ہر طبقہ اسے اپنی کتاب سمجھے۔

حافظ ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ لکھتے ہیں:-

حق تعالیٰ نے آسمانی عطا کر کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں قرآن پڑھائیں، تبدیل حتیٰ کی بجائے عقی بولتے تھے اور اسدی لوگ تعلیم اور تعلیم اور تسود وجوہ اور المرء علیہ المیکم میں علامت مضارع کو کسر سے ادا کرتے اور بنو تمیم بنی ثعلون۔ مشقت اور یومنون میں ہمزہ پڑھتے تھے اور قریش ابدال کرتے تھے اور بعض قبل طہ اور غیض الماء میں اشہام کرتے تھے اور مالک لا تأمننا میں اذہام اور ضمہ کا اشہام کرتے تھے اور بعض علیہم اور منہم کو علیہم اور منہم پڑھتے تھے اور بعض قد افلح۔ قل اوحب اور خلوا الی میں کرتے تھے اور بعض موسیٰ حبیبی اور دنیا کو مالے سے اور بعض تغلیل (تھوڑے مالے) سے اور بعض خبیرا اور بصیرا کو ترقیق سے اور بعض الصلوۃ اور الطلاق کو لام کی تغنیم سے پڑھتے تھے۔

پس حق سبحانہ و تعالیٰ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف و کرم سے قرآن کے لغات اور حرکات میں بھی وسعت عطا کر دی اور آسانی کے علاوہ اس میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قل لئن اجتمعت الانس والجن رجلا بنی اسرائیل ہمیشہ کے تمام مخلوق کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی کوئی کتاب بنالائیں پس اگر قرآن

ایک ہی لغت میں نازل ہوتا تو دوسرے لغت والوں کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ اگر قرآن ہمارے لغت میں ہوتا تو ہم اس کا مثل لاتے۔

حدیث سبعة احرف اور اس کی شرح

سیدنا حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
 ان هذه القرآن انزل على سبعة احرف فاقرءوا ما يترومنه۔
 ترجمہ بے شک یہ قرآن سات قرات میں اُتارا گیا ہے ان میں جو کہان لگے
 تم اسے اس میں پڑھو۔

ان القرآن انزل على سبعة احرف كما شاف كاف۔
 ترجمہ بے شک قرآن سات قرات میں اُتارا گیا ہے ان میں سے ہر پیرایہ
 شفا دینے والا اور کفایت کرنے والا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے پاس حضرت جبریلؑ آئے اور کہا۔
 ان الله يا مريك ان تقرأ امك على حرف فقال اسأل الله معافاته
 ومغفرته وان اتقى لا تطيق ذلك ثم اتاه الثانية.... ثم جاءه الثالثة
 ثم جاءه الرابعة فقال ان الله يكلمك ان تقرأ امك القرآن على
 سبعة احرف فاي حرف قرأوا عليه فقد احبوا۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی امت کو ایک ہی پیرایہ میں قرآن
 پڑھائیں۔ آپ نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی صفائی اور مغفرت مانگتا ہوں
 میری امت ایک پیرایہ میں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے
 دو پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر تین پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر چار
 پیرایوں میں پڑھنے کا کہا.... پھر اللہ تعالیٰ نے کہا آپ اپنی امت کو سات

حروف پر پڑھنے کا کہیں وہ جس پیرائے میں بھی پڑھیں وہ راستی پر ہوں گے۔
 یہ حدیث مختلف الفاظ سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت
 عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت جشام بن حکیمؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ،
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوسعید الخدردیؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ
 حضرت زید بن ارقمؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت سمور بن جندبؓ، حضرت ابوالویب انصاریؓ،
 اور دوسرے کئی صحابہ کرام سے مروی ہے اور یہ حدیث درجہ متواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت
 عثمانؓ نے اسے مسجد میں جمع عام میں پڑھا اور سامعین سے اس کی تصدیق مانگی۔ اتنے لوگ
 کھڑے ہوئے کہ ان کی گنتی نہ ہو سکتی تھی۔ یہ تصدیق اس بات کی تھی کہ ان سب نے اسے صحت
 علی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں :-

① سات حروف سے سات لغات مراد ہیں۔ وہ لغات ۱۔ قریش ۲۔ فہرل ۳۔ ثقیف ۴۔
 ہوازن ۵۔ کنانہ ۶۔ تمیم اور ۷۔ یمن کے حروف ہیں۔ ان سات قبائل میں لغات ہیں
 بہت کچھ اشتراک بھی تھا لیکن وحی کا نزول ان ساتوں کے اختلاف لغات میں بھی رہا۔
 گو ایک لغت قریش اس کی مرکزی لغت رہی۔

② سات حروف سے سات طرح کے مضامین مراد لیے گئے ہیں۔ ۱۔ حلال ۲۔ حرام ۳۔ حکم
 ۴۔ متشابہ ۵۔ امثال ۶۔ اخبار اور ۷۔ انشاء۔ قرآن کریم کے مضامین بس اپنی سات
 میں دائر ہیں بعض حضرات نے سات سے مراد آیات کے سات درجے لیے ہیں۔ ۱۔ ناسخ
 ۲۔ منسوخ ۳۔ عام ۴۔ خاص ۵۔ مجمل ۶۔ متین اور ۷۔ مفسر ہیں۔ اور بعض نے اس
 کے مضامین کو ۱۔ امر ۲۔ نہی ۳۔ طلب ۴۔ دعا ۵۔ خبر ۶۔ استخبار اور ۷۔ زجر پر
 شامل بتلایا ہے۔

یہ دوسری تقسیم معانی اور درجات احکام کی ہے الفاظ و حروف کی نہیں۔ سباق حدیث
 میں بات حروف و الفاظ کی چلی آرہی ہے سو اس سے مراد لغات ہی لی جائیں گی اور ان کا آپس
 میں اختلاف مناقشہ و تضاد کا نہیں جمع و طباق کا لیا جائے گا۔

ان هذه الاحرف تختلف معانيها قارة والفاظها اخرى وليست متضادة ولا متقابلة.

ترجمہ: بے شک یہ حروف ایسے ہیں کہ کبھی ان کے معانی میں اختلاف ہوا اور کبھی الفاظ میں اور ان کا اختلاف آپس میں تضاد اور تنافی کا نہیں۔

عربی میں حرف کے معنی

اہل لغت کے ہاں حرف ان معنوں میں آتا ہے۔ ۱۔ عاقہ، ۲۔ ناحیہ، ۳۔ وجہ، ۴۔ طرف، ۵۔ حد بندی، ۶۔ ٹکڑا، یہاں ان میں تیسرے معنی مراد ہیں (یعنی وجہ) اور یہ اس پیرایہ کو کہتے ہیں جس میں بات کہی گئی اور اس پیرایے کو مجازاً قرأت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کنارے کے معنی میں بھی وارد ہے۔

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خير اطمن به وان اصابه فتنه اقلب على وجهه. (پکا الحج ۱۱)

ترجمہ: اور لوگوں میں ایسا بھی ہے جو اللہ کی بندگی کنارے پر کر کرتا ہے کہ اگر اس کو بھلائی پہنچے تو مطمئن رہے اور اگر اسے آزمائش نے آلیا تو پھر وہ اٹھے منہ پھر گیا وہ ہر حال میں اپنے آپ کو بندگی میں رکھنے کے لیے تیار نہیں۔

حضرت ہشام بن حکیم بن مزاحم کی روایت میں لفظ حروف الفاظ کے معنی میں وارد ہے۔
عن عبد الرحمن بن عبد القاري قال سمعت عمر بن الخطاب يقول سمعت هشام بن حكيم بن مزاحم يقرأ سورة الفرقان على حروف كثيرة لم يقرء نبيها رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: عبد الرحمن کہتے ہیں میں نے حضرت عمر سے سنا آپ کہہ رہے تھے میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان بہت سے ان الفاظ میں پڑھتے سنا جو مجھے رسول اللہ نے نہ پڑھائے تھے آپ انہیں پکڑنے لگے مگر پھر آپ نے انہیں ڈھیل

دی اور یہ سارا ماجرا حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن کریم
مجھ پر (الفاظ کے) سات پیرایوں میں اتارا گیا ہے۔

یہ اختلافِ حروف و الفاظ میں تھا آپؐ نے اس پر یہ حدیث پڑھی سر یہاں احرف کے
معنی اقبل کے حروف پر منطبق ہو گئے۔ یہاں اگر احرف سے مراد وہ معانی اور مضامین لیے
جائیں جو ہم شرح حدیث میں ملے کے ذکر کرتے ہیں تو پھر حدیث کے اس ٹکڑے پر کبھی عمل نہ ہو
سکے گا کہ جو آسان ہو لے تو کیونکہ وہ مضامین اور پیرائے تو اس کے سادے واجب القبول
ہوں گے۔ اور ان میں سے کسی کو چھوڑا نہ جائے گا اور یہاں حدیث میں واضح الفاظ میں بعض کے
چھوڑنے کی اجازت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا :-

فاقرءوا ما تيسرونه۔

ترجمہ۔ تم ان میں سے وہ حروف پڑھ لیا کرو جو تمہیں آسان لگیں۔

سات حروف کا مورد و مصداق

قرآن کریم کہ کسی ایک کلمہ میں یہ سات پیرایہ بیان ملیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ پیرائے
پورے قرآن میں کہیں کہیں پھیلے ہوئے ہیں اور پورے قرآن کے یہ مختلف پیرایہ اسے بیان
سکات طرح کے اختلاف تک پہنچتے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں :-

هي متفرقة في القرآن غير مجمعة في كلمة واحدة وقيل بل هي
مجمعة في بعض الكلمات كقوله تعالى وعبد الطاغوت وتوقع وتلعب
وباعد بين اسفادنا وبعذاب بشيس وغير ذلك۔

ترجمہ۔ یہ اختلافِ حروف پورے قرآن میں پھیلے ہوئے ہیں ہاں بعض کلمات میں یہ
کئی کئی پیرائے جمع ہیں جیسے عبد الطاغوت توقع وتلعب اس طرح بھی پڑھے
گئے ہیں اور باعد بین اسفادنا اور بعذاب بشيس اس طرح بھی پڑھے
گئے ہیں۔

یہ احرف سب سے کی وسعت کیا ہمیشہ کے لیے ہے

ابتداء کے اسلام میں عرب ایک متحد اور منضبط ملک نہ تھا نہ وہاں کوئی ایک حکومت تھی۔ سب قبائل اپنی اپنی حدود میں حکمران تھے اور ان کی آپس میں لغات بھی مختلف تھیں لیکن وہاں جوں جوں ایک تمدن قائم ہوا سب عرب ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ پھر یہ احرف سب سے محض روایات میں رہ گئے عملاً سارا عالم اسلام ایک لغات اور ایک قرأت پر آ گیا۔ پہلے قرآنی صحیفے احرف سب سے کے اختلاف پر لکھے جاتے تھے اب سیدنا حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک لغت پر لوٹا دیا۔ کیونکہ احرف سب سے کی جو ضرورت تھی وہ اب پوری ہو چکی۔ امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں :-

بن القراءة بالاحرف السبعة كانت في اول الامر خاصة للضرورة (مختلا)
لغة العرب ومشقة اخذ جميع الطوائف لغة فلما كثرت الناس والمكاتب
وارتفعت الضرورة عادت الى قراءة واحدة. ۱۰

ترجمہ: یہ سات حرفوں میں پڑھنے کی ضرورت، پہلے دور میں ضرورت کے لیے تھی کیونکہ عربوں کے لغات مختلف تھے اور سب قبائل ایک ہی لغات سے شک کریں یہ عملاً مشکل تھا جب لوگ زیادہ ہو گئے اور لکھنے والے بھی پیدا ہو گئے اور یہ ضرورت اٹھ گئی تو سب لغات ایک لغت پر لوٹ آئے سات حروف ایک حرف پر آ گئے۔

اب ایک ہی قرأت قرآن

قرآن پاک کی موجودہ صورت ہمارے سامنے ہے اور بے شک ایک قرأت ہے اس پر اب ساری امت جمع ہے ہم سب ہی لوگوں کے لیے اس میں بے شک اب بھی وہی جذبہ اور اثر ہے جو پہلے عرب کے مختلف قبائل اسے اپنے اپنے لہجے میں پڑھتے ہوئے محسوس کرتے تھے

یہاں اب آپ کو جو مختلف قاری اسے مختلف قرائل میں تلاوت کرتے ہوئے ملیں گے تو یہ قراء سبعہ کے فن کا نکھار اور اس کا صوتی حسن ہے جو آپ کو متاثر کر رہا ہے یہ سبعہ قراءت وہ احرف سبعہ نہیں جو سبعہ کی مختلف قراءت تھیں۔

صحابہ کا اختلاف قراءت سبعہ قراءت نہیں

صحابہ میں قرآن کریم جن احرف چھ میں پڑھا گیا ان میں سے کسی ایک قراءت کو بھی قراء سبعہ کی قراءت میں پڑھا جاسکتا ہے احرف سبعہ کی قراءت اور ہیں اور قراء کی قراءت اور ہیں احرف سبعہ قراءت کے مختلف پیرائے ہیں۔ مخارج اور مد و شد کے لحاظات نہیں۔ قراء سبعہ مخارج وقف و وصل مد و شد اور اخفاء و اظہار میں اپنی روایات رکھتے ہیں اور احرف سبعہ کی کسی ایک قراءت کو بھی قاری صاحبان اپنی مختلف قراءت پیش کر سکتے ہیں۔ اس کی بحث آپ کو تجرید القرآن میں ملے گی۔

برصغیر کے امام القراء ابو محمد علی الاسلام عثمانی پانی پتی (۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں:-

اکثر پڑھے لکھے کہا کرتے ہیں کہ احرف سبعہ سے مراد قراء سبعہ کی قراءت

میں یہ وہم ہے قراء سبعہ کا بھی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وجود ہی نہ تھا۔۔۔

صحابہ کرامؓ اور تابعین کے عہد میں ان کی قراءت موجود نہ تھیں بلکہ

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب (۱۳۰۷ھ) بھی لکھتے ہیں:-

اکثر پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں جو سبعہ احرف ہے اس سے

قراء سبعہ کی سات قراءتیں مراد ہیں لیکن یہ ان کا وہم ہے۔۔۔ امام اسماعیل

بن ابراہیم بن محمد القراء ثانی کہتے ہیں حروف سبعہ کی حدیث سے یہ وہم نہ

ہونا چاہیئے کہ اس میں ان قراء سبعہ کی طرف اشارہ جو تابعین کے بعد پیدا ہوئے

کیونکہ اس صورت میں حدیث اس وقت تک بے فائدہ ہو جاتی ہے جب

تک یہ قراء سبعہ پیدا ہو کر تعلیم نہ پائیں اور یہ قراءت اختیار نہ کریں اور ان

سے نقل نہ کی جائیں نیز لازم آئے گا کہ صحابہ وغیرہ کو اس وقت تک قرآن پڑھنا جائز نہ ہو جب تک یہ نہ معلوم کر لیں کہ یہ قرار غلاں غلاں قرأت اختیار کریں گے یہ عین جہالت ہے۔

امت میں قرأت قرآن کیسے جاری ہوئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور کئی دوسرے صحابہ کرامؓ نے قرآن پڑھا۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد امام ابو جعفر سادات تابعین میں سے ہیں اور امام نافعؒ کے استاد ہیں۔ امام ابو جعفر اور امام نافعؒ دونوں مدینہ کے رہنے والے تھے۔ حافظ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں ناممکن ہے کہ اس مرتبے کے اشخاص کتاب اللہ میں کوئی ایسی چیز پڑھ جائیں جو کتاب اللہ میں سے نہ ہو۔

عہد تابعین میں ردائے مساجد میں نمازیں پڑھی جاتیں اور قرآن پڑھا جاتا تھا۔ سو قرآن اس امت میں تو از طبقاتی سے چلا ہے صحابہؓ اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے ہیں۔ پھر تابعین کرام اس کے وارث ہوئے اور اسے ایک طبقے نے ایک طبقے سے لیا۔ علامہ ذہبیؒ (۸۴۸ھ) لکھتے ہیں:-

علماء و محدثین سلف و خلف میں سے کسی نے امام ابو جعفر اور یعقوب کی قرأت کا انکار نہیں کیا۔

دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری (۱۰۱۳ھ) بھی لکھتے ہیں:-

علماء اعلام کا اس پر اتفاق ہے کہ شاطیہ بن وجوہ پر متفق ہے وہ بطریق یقینی متواتر مصاحف عثمانیہ کی رسم کے موافق اور قرا عبدعزیز کے مطابق ہیں۔

مصاحف عثمانیہ سے پہلے تلاوت قرآن کس پیرایہ میں تھی

مصاحف عثمانیہ سے پہلے صحابہؓ جن پیرایوں میں قرآن پڑھتے وہ سب وجوہ صحیح اور منزل

۱۔ شرح شاطیہ جلد اول ۲۵۱، ۲۵۲ ۲۔ شرح سبعہ قرأت جلد ۱۲۷ ۳۔ ایضاً ص ۱۳۱

من اللہ تعالیٰ ہر صحابی نے جو پیرایہ آنحضرت سے سیکھا وہ اس کے لیے کسی اور شہادت اور تائید کا محتاج نہ تھا۔ اب ان کی اسناد میں اگر بعد میں کوئی ضعف آگیا ہو یا انگلوں کے لیے وہ جہ قرأت متواتر نہ رہی ہو تو پھر مصاحف عثمانیہ کی پابندی کی جائے گی مصاحف عثمانیہ پر سب صحابہ کرام کا اجماع ہوا ہے سو اب امت کے لیے اس اجماع کی پابندی لازمی ٹھہرتی ہے اور دوسری وجہ قرأت جو پہلے کبھی متواتر تھیں جب ان کا تواتر آگے نہ چلا تو وہ اخبار احاد کے درجہ میں آگئیں اب ان سے مسائل تو لیے جاسکتے ہیں لیکن انہیں نماز میں نہ پڑھا جائے گا۔

ہاں مصاحف عثمانیہ میں جن اختلافات کی رعایت رکھ لی گئی ان پر آئندہ قاریوں نے اپنی اپنی پسند کی قرأت جاری کی اور اس طرح قرار سبعہ کی قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اور متواتر ٹھہری اب ان میں سے کسی کا انکار حضور سے ثابت ہونے والے ہر متواتر کا انکار ہوگا۔

قرار سبعہ نے قرآن پڑھنے میں اپنے اپنے حق اور کمال کا اظہار کیا اس کے صوتی نکھار اور خطابي حسن نے تاریخ اسلام میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تاہم اسکے احرف سبعہ کی تاریخی حیثیت بھی آج تک اس کے بعض علمی اور فقہی پیروؤں پر اثر انداز رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے اس دور کے خلائی اثرات میں اس کی مختلف قرائتوں کو واقعی بہت دخل رہا ہے تاہم اسے ایک قانون کی کتاب سمجھتے ہوئے اور فقہ کا علمی ماخذ مانتے ہوئے اگر ہم اس ایک قرأت پر بھی اکتفا کریں تو ہمارے لیے یہ بے مثل کتاب کافی ہے۔ عمل رسالت اس کے آگے ایک شرح کے درجے میں سمجھا جائے گا۔

اختلاف قرائت سے قرآن کی تخلیق کہیں خطرے میں نہیں پڑتی بشرطیکہ یہ دو باتیں ساتھ ساتھ ملحوظ رہیں۔

① یہ اختلاف تواتر کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو کر حضور نے اسے اس طرح بھی پڑھا ہے تاکہ اس میں کوئی شک راہ نہ پاسکے۔

② اس اختلاف سے نہ اصل بات اٹھے نہ معنی پٹے۔ نہ پڑھنے والا اصل مقصد قرآن سے کہیں دور چلا جائے یہ اختلافات آپس میں مختلف معنی تو بے شک دیں لیکن ان میں تضاد اور تنافی کی نسبت نہ ہو۔

شید مذہب کی دلائل میں کیا کہ ڈاکٹر آبرہی نے لکھا ہے زیادہ تر عجیب ہیں اس لیے وہ اختلافِ قرأت کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن جمہور اہل اسلام کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہر قسم کے شبہ سے بالا اور تو اتر کی شان کا حامل ہے اور قرآن کریم کی چودہ سو سالہ تاریخ اس کی گواہ ہے حضرت مکر کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان هذا القرآن انزل على سبعة احرف فاقروا ما تيسر منہ بـ
ترجمہ۔ بے شک یہ قرآن سب سے احرف پر اتارا گیا ہے لیکن تم اس میں سے جو
حرف آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔

مزدوری نہیں کہ ہر مضمون اور آیت میں سات طرح کا اختلافِ حرف ہو۔ ہاں کل اختلافات کا استقصا کریں تو وہ سات طرح کے اختلاف ہی نکلتے ہیں۔ اختلافِ قرأت ان سات سے باہر نہیں۔

① تفسیر کلمہ کا۔ اختلافِ قرأت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اس کے کہ معنی میں اور لفظ کی شکل میں کوئی فرق آئے جیسے تَجَّ البیت اور رَجَّ البیت یا جیسے احسن القصص اور احسن القصص — یا جیسے خاتم النبیین اور خاتم النبیین — دِضِيقٌ صدري کو دِضِيقٌ صدري بھی پڑھا گیا ہے۔

② اعراب کے تغیر سے مفہوم بدل جائے مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے قَتْلُیْ ادم من دبه کلمات میں کلمات کی قرأت قَتْلُیْ ادم من دبه کلمات یا اذ تَلَقَوْنه اور تَلَقَوْنه۔

③ کلمہ کے حرف میں بھی تبدیلی اور معنی اور مفہوم میں بھی تبدیلی آئے۔ مگر لفظ کی شکل اور مراد متکلم نہ بدلے جیسے یعلون اور قلعون میں اختلافِ قرأت ہو۔ — کیف منشزها الحمما اور کیف منشزها الحمما دونوں طرح پڑھا جائے۔ — فقیہینوا کو قتبینوا پڑھا جائے۔

④ لفظ کی شکل میں تبدیلی آجائے مگر معنی میں کوئی تغیر نہ ہو پائے۔ مثلاً القراط کا السراط — السراط — اور انکانت الاصبحة کو ان کانت الاصبحة پڑھیں —

ہم ہمہ المصیطرون کی جگہ المصیطرون پڑھنا۔ والذین ہم لامانا تمہم وعہدہم راعون کو امانات کے صلہ راعون سے والذین ہم لامانا تمہم وعہدہم راعون۔ یا عہدہم راعون کو وعہدہم راعون پڑھنا۔

⑤ لفظ کی شکل اور معنی دونوں میں تغیر ہو مگر مراد مستحکم نہ بدلے۔

جیسے فاسعول کی جگہ فامضوا الی ذکر اللہ پڑھنا۔ واذا مڑوا کی بجائے واذا مشوا بالغور پڑھنا۔ کالعبین المنقوش کر کالصفوف المنقوش پڑھنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فاقطعوا ایدیہم فاقطعوا ایمانہما بھی پڑھتے تھے۔ بعض صحابہ طلع منضود کو طلع منضود پڑھتے تھے۔

② کلمات میں تقدیم و تاخیر کا تغیر ہو مگر معنی مراد نہ بدلے۔

جیسے وجاہت سکرة الموت بالحق۔ وجاہت سکرة الحق بالموت۔

④ سوزوں کی زیادتی اور کمی ہو مگر معنی و مہمزم میں کوئی تغیر نہ ہو۔

جیسے مالک یوم الدین اور ملک یوم الدین۔ (ملک یوم الدین اور مالک یوم الدین کا اختلاف ہو تو وہ دوسری قسم کی مثال ہو گا) یا جیسے انجینا اور فینجینا۔ یا جیسے وحشی اور اوحشی۔ وما عملت ایدیہم اور وما عملتہ ایدیہم۔ سورت سجا میں ہے دینا باعد بین اسفارنا اسے اس طرح پڑھنا دینا باعد بین اسفارنا بھی ایک قرأت ہے اختلاف قرأت کی یہ صورتیں ہرگز قرآن میں تہ یلی نہیں نہ انہیں تحریف کہا جاسکتا ہے بیان کے یہ مختلف انداز ہیں جو عہد اول سے تواتر کے ساتھ منقول چلے آ رہے ہیں۔

ان البقرۃ شابہ علینا کو ان البقرۃ شابہ علینا بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں یہ اصلًا قشَابَہ علینا ہو گا۔

عرب کبھی حرف جبارہ اور داء واطنہ کو حذف بھی کر دیتے تھے۔

جنت تجری من تحتہا الانہار کو تجری تحتہا الانہار بھی پڑھ لیتے تھے۔

کیا کبھی قرأت میں الفاظ کی کمی بیشی بھی ہوئی؟

① وما خلق الذکور والانثیٰ میں ایک قرأت والذکور والانثیٰ بھی ہے اس میں وما خلق مضاف ہے۔

② واذا جاء املہتمہم کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح پڑھتے تھے واذا جاء املہتمہم وہ جواب طم۔

③ حضرت ابن عباسؓ سورۃ کہف کی آیت یاخذ کل سفینۃ غصبا کو یاخذ کل سفینۃ صالۃ غصبا پڑھتے۔

یہ قرأت خبر واحد سے منقول ہے اس لیے اسے قرآن نہیں تفسیری جملہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

④ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الذاریات کی آیت ان الله هو الرزاق ذو القوة المتین (پک الذاریات ۵۸) یوں پڑھا کی اتی انا الرزاق ذو القوة المتین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کی سند قوی ہے۔
یہ یہ تغیر الفاظ تو اتر کے درجے میں نہیں اس لیے ہم اس کی تلاوت کی جرات نہیں کر سکتے۔
لیکن اس روایت کے قابل اعتماد ہونے کی وجہ سے اس کی نغی بھی نہیں کر سکتے صحابہ کرامؓ میں یہ عزرات موجود رہی ہے۔ ہاں اس وقت تلاوت اسی کی جائز ہے جو مصنف امام میں ہے۔
اس وقت کی کسی قرأت کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ تو اتر سے ہم تک نہ پہنچی ہو لیکن یہ اصولی بات کہ قرآن کریم احرف سبعہ پر اتارا گیا یہ تو اتر سے ثابت ہے سو جو قرأت اور ان کے اختلافات اتر سے منقول ہوں ان سے ہمیں کسی طرح انکار نہ ہونا چاہیئے۔

حدیث احرف سبعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکبرؓ صحابہؓ سے مروی ہے علامہ سیوطیؒ نے ابو عبیدہ قاسم بن سلام (م) سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ

نے منبر پر یہ حدیث پڑھی اور سامعین سے اس کی تصدیق طلب کی کسی نے اس پر اختلاف کا اظہار نہ کیا آپ نے فرمایا :-

ترجمہ جس شخص نے آنحضرت سے یہ حدیث سنی ہو کہ قرآن سات حروف پر اتارا گیا ہے میں قسم دیتا ہوں کہ وہ کھڑا ہو کر اس کی شہادت دے اس پر بیشک صحابہ کھڑے ہو گئے آپ نے فرمایا میں بھی ان کے ساتھ اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔

جو چیز اس تواتر سے منقول رہی مصاحف عثمانیہ میں اس کے نشانات تھے اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہ تھا۔
قاضی ابوبکر بن الباقلانی (۴۰۴ھ) فرماتے ہیں :-

قال القاضي أبو بكر الباقلاني ان هذه الاحرف السبعة ظهرت استفاضة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وضبطها عنه الامامة واشتقاقها عن الجماعة في المصحف واخبروا بصحتها وانما اخذوا عنها ما لم يثبت متواترا وان هذه الاحرف تختلف معانيها تارة والفاظها اخرى وليست متضادة ولا متناقضة بله

ترجمہ یہ احرف بعد آنحضرت سے استفاضہ کے طرز پر منقول ہوئے ہیں اور پوری امت نے انہیں اگے ضبط کیا ہے اور حضرت عثمان اور صحابہؓ کی ایک جماعت نے انہیں مصحف میں جگہ دی ہے اور ان کے صحیح ہونے کی خبر دی ہے اور صرف اپنی احرف کو حذف کیا ہے جو تواتر سے ثابت نہیں ہوئے اور ان احرف بعد کے کہیں نظروں میں اختلاف ہوا کہیں معنوں میں اور یہ اختلاف تضاد اور تنافی کے نہیں (یہ آپس میں جمع بھی ہو سکتے ہیں)۔

آگے امام طحاوی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

وذكر الطحاوي ان القرأة بالاحرف السبعة كانت في اول الامر خاصة
للضرورة لاختلاف لغة العرب ومشقة اخذ جميع الطوائف بلغته فلما
كثر الناس والكتاب وارتفعت الضرورة عادت الى قرأة واحدة^١
ترجمہ۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ قرأتِ احرفِ سبعہ میں ہر مذہب میں دور میں تھی اور
وہ اس ضرورت کے طور پر تھی کہ لغتِ عرب میں لہجوں کا اختلاف تھا اور سب
قبائل کا ایک ایک لغت میں پڑھنا مشقت کا موجب تھا جب آبادی بڑھ گئی
اور لکھنے والے زیادہ ہوئے اور وہ ضرورت بھی اٹھ گئی تو معاملہ پھلک کر قرأت
پر آگیا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔
لني بعت الى امة امة اثنين منهم المعوذ والشيع الكبير والغلاد والمبارية
والذي لم يقرأ كتابا قط^٢

ترجمہ میں اُن لوگوں کی طرف مبعوث ہوا جو زمین تھے ان میں بڑھیا عمر میں بھی
تھیں بوڑھے بھی تھے اور باندیاں بھی تھیں اور وہ لوگ بھی تھے جو قطعاً کوئی
لکھی بات نہ پڑھ سکتے تھے۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وسعتِ قرأت کی
رضت ایک اُن پڑھ قوم کے ان حالات کے پیش نظر لی تھی۔ اس کے ساتھ قبائل کا لہجوں اور لغات
کا اختلاف بھی جمع ہو سکتا ہے۔ یہ اعتراضِ واقع نہیں کہ قبائل تو سات نہ تھے زیادہ تھے کیونکہ بڑے
بڑے قبائل پندرہ بیس بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ ان کے اختلافات بھی اتنے ہی ہوں ہو سکتا
ہے ان کے اختلافات پانچ چھ اور سات سے متجاہد نہ ہوں اور پچھلے قبائل بڑوں کے
ساتھ شمار ہو جائیں۔ ان حالات میں حدیث مذکور اہد کہ قرآن بعدِ احرف میں پڑھا جاسکتا
ہے کا محمل وہ ٹھہرایا جاسکتا ہے جو امام طحاویؒ نے سرا دیا ہے۔

سبعہ احرف کے جو اختلافات ہم پہلے لکھ آئے ہیں ان کی انواع سات سے زیادہ
 نہیں ہوں گی سات حروف کے اختلاف سے مراد اختلافِ قرأت کی یہ سات
 قسمیں ہیں، علامہ نظام الدین قسیمی غرائب القرآن میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک
 احرف سبعہ کے اختلاف سے مراد قرأت کے سات انواع کے اختلافات ہیں
 حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن قتیبہ، ابوالفضل الرازی، قاضی ابوبکر باقلانی اور
 محمد بن الجزری سے بھی ان کا یہی قول نقل کیا ہے بل

امام طحاوی کا موقف

امام طحاوی کا موقف یہ ہے کہ قرآن پہلے ایک حرف پر اترا تھا اور وہ لغتِ قریش تھی
 پھر حضرت نے امت کی سہولت کے لیے اس میں وسعت مانگی اس پر اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ پر
 پڑھنے کی اجازت دی اور یہ احرف سبعہ اولاً آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے اور صحابہؓ و
 تابعین میں تو اتر کے ساتھ پڑھے اور سنے گئے۔

محقق محمد بن الجزری (۸۴۳ھ) لکھتے ہیں :-

قرآن کریم کے سات حروف پر وارد ہونے کا مقصد یہ تھا کہ امت کے تخفیف
 اور سہولت اور یہ آسانی اور سہولت اس غلطی اور فضیلت کی وجہ سے
 دی گئی جو خاص طور پر اس امت کو حاصل ہے اور اس میں حمزہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی دعا کی قبولیت کا بھی اثر تھا۔ قبائل کی یہ حالت تھی کہ وہ سکھانے سے بھی
 دوسروں کی زبان نہ سیکھ سکتے تھے بل

آسمانی کتابیں حرف واحد پر ہی تھیں

پہلی آسمانی کتابیں عالمی اور آفاقی درجے کی نہ تھیں نہ ان کی فطری حفاظت کا اہتمام تھا نہ ان
 میں آفاقی دعوت تھی اس لیے ان کا نزول حرف واحد میں ہوا ہے۔ یہ ایک سے زیادہ چیزوں

میں نہ تھا نہ ان پیغمبروں نے کہیں دعویٰ کیا کہ ان پر کلام الہی مختلف پیرایوں میں نازل ہوا ہے۔
دوسری حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن سبعة احرف میں اترتا ہے۔
پس پادری صاحبان اس قسم کے اختلافات سے انجیل اربعہ کو کوئی تخط نہیں دے سکتے نہ ان کے
پاس کوئی ایک انجیل ہے جسے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری کتاب کہہ سکیں نہ وہ ان انجیل کو
ایک انجیل کی مختلف قرات کہہ سکتے ہیں۔

قرآن پاک کا یہ اختلاف قرات قرآن پاک کے کسی ایک باب میں نہیں اختلاف قرات تقریباً
ہر طرح کی آیات میں ملے گا۔ امام طحاوی اور امام سیوطی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں
کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

كان الكتاب الاول يزل من باب واحد على حرف واحد ونزل القرآن من
سبعة ابواب على سبعة احرف ۱۔ زاجر ۲۔ وأمر ۳۔ وحلال ۴۔ وحواجر
۵۔ ومحكم ۶۔ ومثابه ۷۔ وامثال ۸۔

ترجمہ۔ پہلے کتاب ایک موضوع میں ایک ایک ہی پیرایہ میں اترتی تھی قرآن کریم
سات ابواب سے سات حرفوں میں اترتا ہے اس کے سات ابواب یہ ہیں۔
زجر، امر، حلال و حرام، محکم و متشابہ اور امثال وغیرہ۔

قرآن پاک کے یہ آٹھ ابواب آیات میں لڑائی امر کے ذیل میں آئیں گے اور قصص امثال
کے ذیل میں، عقائد حکمت کے ذیل میں ہیں اور فضائل زجر و امثال کے تحت آتے ہیں یہ احواف سبعة
نہیں نہ ان کی یہ تفصیل ہے۔

نوٹ : جو پادری اختلاف قرات کے پہلو سے قرآن کریم میں شک پیدا کرنا چاہتے ہیں
انہیں سرورِ مسلم کا یہ تبصرہ زیرِ نظر رکھنا چاہیے :-

دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر
و تبدل چلی آ رہی ہو اختلاف قرات نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف
علت اور میز و نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیے لیکن یہ علامتیں (اور اعراب)

لہذا جو پادری قرآن کی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ملاقات ثابت نہیں، منسلک الآثار للطلحاوی جلد ۴ ص ۱۵۵

بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا بھی پتہ نہیں ملتا اور شکل سے
کہا جاسکتا ہے کہ مصنف عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں۔

کیا احرف سبعہ نے آئندہ قرأت پر بھی کچھ اثر ڈالا؟

یہ مجمع ہے کہ سبعہ یا عشرہ قرأت کا فن دوسری صدی ہجری میں مرتب ہوا اور قرآن کریم نے
قرآن کی ترتیل کو اتنا نکھارا اور سنوارا کہ علم قرأت علوم اسلامی کا ایک نہایت اہم موضوع بن گیا لیکن
سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قاری صاحبان نے شذوذ اور وقف و اتصال کی مختلف راہیں ابتداءً
کہاں سے پائیں؟ انہی احرف سبعہ سے اور یہی وہ راہ ہے جس سے یہ سبعہ یا عشرہ قرأت خود
ہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہیں۔

احرف سبعہ سے قرأت سبعہ کی راہیں نکلیں

یہ احرف سبعہ جب قرأت سے منقول ہیں تو ان کی کوئی ہیئت ادائیگی ہوگی الفاظ اپنی ہیئت
سے اٹھائے جاتے ہیں اور وہی ہیئت قرأت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔
علامہ سیوطی کہتے ہیں:-

وقد نص على قواثر ذلك كله ائمة الاصول كفاضي ابى بكر وغيره

وهو العواب لانه اذا ثبت قواثر اللفظ ثبت على قواثر هيئته اداثله

لان اللفظ لا يقوم الا به ولا يصح الابدان له

ترجمہ۔ ان کے متواتر ہونے پر قاضی ابوبکر جیسے ائمہ اصول نے نص فرمائی ہے اور

یہ درست ہے جب الفاظ کا قرأت ثابت ہو جائے تو ان کی ہیئت ادائیگی بھی متواتر

سے ثابت سمجھی جائے گی لہذا نہ لفظ کسی ہیئت ادا کے بغیر قائم نہیں ہو پاتا اور

کسی ہیئت ادا کے ساتھ ہی وہ کوئی دگر پا سکتا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں احرف سبعہ قرأت سے زیادہ دور نہیں ہے۔ روایات میں اس

اختلاف قرأت پر بھی سبہ ارف کا اطلاق ملتا ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں ایک شخص نے قرأ قرأۃ
انکر تھا۔ ایسی قرأت کی جو مجھے (یعنی معلوم ہوئی)۔ ایک اور نے ایک اور طرح کی قرأت کی۔ ہم یہ سارا
قصہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے اسے سبہ ارف کا اختلاف بتلایا اور
فرمایا: مجھے جبریلؑ نے کہا ہے۔

اقراءه على سبعة احرف۔

ترجمہ: آپ اسے سات پیراؤں میں پڑھ سکتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ یہ سبہ ارف کا اختلاف بعینہ موجودہ قرأتوں کا اختلاف نہیں ہے لیکن
اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اختلاف قرأت، انہی سبہ ارف کے اختلاف سے پیدا
ہوا ہے اور یہ تدوین اور تدویر کے اختلافات قرأت کے اپنے اختلاف ہیں حروف
کے نہیں۔ یوں سمجھئے دونوں میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔ حروف کا اختلاف سات الواح
سے متجاوز نہیں اور قرأت سات میں مختصر نہیں۔ سبہ ارف کو بعینہ سات قرأتوں کا اختلاف
قرار دینا ایک جلی غلطی ہے قرأت سبہ نہیں عشرہ بھی ہیں۔

یہ سات یا دس قرأت تو امت میں بلا اختلاف جاری ہیں لیکن اب یہ سبہ ارف
کا اختلاف نہیں ہے اس میں علماء میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ عینیؒ؟ شرح بخاری
میں لکھتے ہیں:-

واختلف الاصوليون هل يقرأ اليوم على سبعة احرف فمنعه الطبري
وقال انما يجوز بحرف واحد وهو حرف زيمد ونحو اليه القاضي ابو بكر
وقال ابراهيم شكري اجمع المسلمون على انه لا يجوز خطا ما وسعه الله
تعالى من القرأة بالاحرف التي انزلها الله تعالى ولا يسوغ للامة ان تمنع
ما يطلقه الله تعالى۔

ترجمہ: علماء اصول نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا آج بھی سبہ ارف میں
قرآن پڑھا جاسکتا ہے حافظ ابن جریر (۲۱۰ھ) نے اس سے منع کیا ہے اور

کہا ہے کہ آج ایک ہی قرأت میں پڑھیں اور وہ قرأت حضرت زید بن ثابتؓ کی ہے اور اسی طرف قاضی ابوبکر الباقانیؒ کہنے میں اور امام ابوالحسن الاشعریؒ (م) نے کہا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جس چیز میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے اس میں کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے روکا نہیں اللہ تعالیٰ نے احرف سبعہ میں پڑھنے کی وسعت رکھی اور قرآن کو سبعہ احرف میں اتارا اب امت کے لیے روا نہیں کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مطلق رکھا اس میں اپنی طرف سے منع لائے۔

حضرت عثمانؓ بنی نے جو مصاحف تیار کروا کر اطراف بلاد میں بھجوائے تھے وہ قرأت جمع وجوہ پر مشتمل تھے یا اس میں وہی رسم الخط تھا جو حضورؐ کے دورہ اخیرہ (جو آپؐ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ کیا) کی قرأت کے مطابق تھا اور اس میں جنے وجوہ سما سکتے تھے وہی اس رسم الخط میں لکھے گئے علم قرأت کے مشہور امام حافظ محمد بن الجزری (۸۳۲ھ) لکھتے ہیں :-

اماكن المصاحف العثمانية مشقلة على جميع الاحرف السبعة فان هذا مسألة كبيرة اختلف العلماء فيها.... وذهب جماهير العلماء من السلف والخلف وائمة المسلمين الى ان هذا المصاحف العثمانية مشقلة على ما يحتمله ومهما حفظ جامعة للمعرضة الاخيرة التي عرضها النبي صلى الله عليه وسلم على جبريل عليه السلام لوتقرأ عرفاً منها... قلت ولهذا القول هو الذي يظهر صوابه. ۱۰

ترجمہ مصاحف عثمانیہ کیا ان تمام احرف سبعہ پر مشتمل ہیں یہ ایک بڑا مسئلہ ہے اس میں علماء کا اختلاف رہا ہے اور سلف و خلف کے جمہور علماء اور ائمہ اسلام اس طرف گئے ہیں کہ مصاحف عثمانیہ ان احرف سبعہ میں سے ان تمام کو شامل ہیں جنہیں عثمانی رسم الخط اپنے اندر اٹھا سکا اور یہ اس دورہ اخیرہ کے مطابق ہے جسے جنہیں نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کے سامنے پڑھا ان

میں سے ایک حرف بھی ان مصاحف نے نظر انداز نہیں کیا میں کہتا ہوں کہ
یہ قول ہی درست معلوم ہوتا ہے
سوق یہ ہے کہ الحروف سبعہ کے ان اختلافات کے سوا جن میں الفاظ کی کمی اور زیادتی کی
وسعت تھی دیگر اختلافات قرأت سب ان مصاحف عثمانیہ میں سموئے ہوئے ہیں اور یہ پیرا یہ وحی
ان مصاحف عثمانیہ کا مندرجہ ثبوت ہے۔ واللہ اعلم وعلہ اتم واحکم۔

علمائے دیوبند کا موقف

رئیس المحدثین حضرت علامہ اور شاہ کشمیری حروف سبعہ اور فقرات مختلفہ میں نہ پورے تطبیق
کے قائل ہیں نہ کمی افرات کے قائل۔ آپ درزں کے مین بین چلے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :-
فہم اعلم ان بعضہم فہم ان بین تلك الاحرف تفاوٹا من كل وجہ
بحيث لا ربط بينها وليس كذلك بل قد يكون الفرق بالمجرد والمزید
واخرى بالابواب ومرة باعتبار الصیغ من الغائب والحاضر وطورا
بتحقق الهنزة وتسميها فكل هذه التغيرات يسيرة او كانت
كثيرة حروف برأسه - وغلط من فہم ان هذه الاحرف متفاوٹة
كلها بحيث يتعدا اجتماعها اما انه كيف عدد السبعة فتوجه اليه
ابن الجزري وحقق ان التصرفات كلها ترجع الى السبعة. بقى الكلام
في ان تلك الاحرف كلها موجودة ارفع بعضها وبقي البعض فاعلم انما
قرره جبريل عليه السلام في العرضة الاخيرة على النبي صلى الله عليه وسلم
كلامه ثابت في مصحف عثمان ولما يتعين معنى الاحرف عند ابن جرير
ذهب اليه رفع الاحرف الست منها وبقي واحد فقط بله

ترجمہ پھر بالو کہ بعض حضرات یوں سمجھے کہ ان احرف سبعہ میں ایک دوسرے سے
تغایر رکھی ہے یاں طور کہ ان میں کوئی ربط نہیں، بات اس طرح نہیں ہے بلکہ

یہ فرق اس طرح کہے ہیں ① جیسے مجرّد اور مزید فیہ یاد و سرے ہر باب کے ابھی فرق ہیں یا ② یہ اختلافات بصورت میں صیغہ میں غائب اور حاضر وغیرہ کے اور ③ کبھی جہزہ کے کلمے جائے کے یا اس کی تسبیل کے۔ سرکل ایسے اختلافات متحرک ہوں یا زیادہ۔ یہ ایک ایک حرف ہیں اور جس نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سب حروف آپس میں بالکل ایک دوسرے سے جڑا ہیں کہ یہ کبھی ایک ہو ہی نہیں سکتے اس نے غلطی کی ہے۔ پھر یہ سات کیسے ہوئے۔ ابن جزری نے اس طرف توجہ کی ہے اور پوری تحقیق سے کہا ہے کہ یہ سب فرق سات تک ہی پہنچتے ہیں۔

اس میں کلام رہا کہ وہ احرف سب موجود رہے یا سب اٹھالیے گئے۔ معلوم رہے کہ حضرت جبریل نے اپنے آخری دور میں نبی پاک پر جو قرآن پیش کیا وہ پورے کا پورا مصحف عثمان میں موجود رہے اور ابن جریر کے ہاں احرف کے معنی ہی متعین نہیں ہو سکے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ احرف سب سے بچا اٹھ چکے اور اب قرآن کریم ہی حرف میں باقی ہے۔

مسئلہ کچھ اس طرح پیچیدہ ہے کہ عامۃ الناس ایک بات پر جمع نہیں کیے جاسکتے بجز اسکے کہ ہمارے پاس جو قرآن مجید موجود ہے اسی ایک کو کتاب الہی سمجھیں۔ ①

② قاری صاحبان جو مختلف قراءت کرتے ہیں ان قراءتوں کو احرف سب نہ سمجھیں اور ان قراءتوں میں سے بھی کسی کے متواتر ہونے کا انکار نہ کریں قرآن سب کی قراءت وہ سب ہوں یا مشرہ بہ اور ہیں۔

③ خود اسی ایک نسخہ قرآن کے مطابق پڑھیں اور اس اختلاف قراءت میں نہ الجھیں۔

④ موجود نسخوں میں جو بعض حروف کے اختلافات اور بڑے ظاہر کیے گئے اور ماثبہ میں دیئے گئے

میں انہیں بھی متواتر سمجھیں تاکہ قرآن کریم میں کوئی حرف اور لفظ غیر یقینی نہ آئے پائے۔

⑤ جن علماء کا یہ قول ہے کہ یہ احرف سب صرف تسبیل امت کے لیے اڑے تھے اب ان

میں صرف وہی حرف اختیار کیا جائے جو حضرت عثمان نے اپنے مصحف میں لکھا جیسا کہ امام طحاویؒ کی رائے ہے تو ان دوسرے وجوہ کے ترک کو صرف ترک عملی سمجھا جائے نہ کہ ترک اعتقادی۔

⑥ اور اگر عوام الناس میں یہ وجوہ احرف سب مستفیض رہے ہیں صرف انہوں تو انہیں ان

کے تسلیم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اور جنہیں ان کی تاریخ معلوم ہو جائے انہیں چاہیے کہ ان کا انکشاف نہ کریں۔

① غیر مسلموں سے اس موضوع پر بحث ہر تو ان کے سامنے امام طحاویؒ کا موقف رکھا جائے۔
سواد اعظم اہل سنت میں ۸۰ فیصد اہل علم امام طحاویؒ کے مسلک کے ہیں۔

اختلاف قرأت میں شیعہ نقطہ نظر

شیعہ کتب حدیث جہود مسلمانوں کی کتب حدیث سے مختلف ہیں ان کے محدثین کے ہاں عام اور خاصہ کی اصطلاحات ہیں جو ہر مکتب فکر کی ترجمان میں شیعہ کے ہاں اختلاف قرأت پر دونوں طرح کی روایات پائی جاتی ہیں ان میں اختلاف قرأت کے قائلین بھی پائے جاتے ہیں اور منکرین بھی یہاں ہم ان کی تردید کے درپے نہیں طلبہ کو ان کے موقف پر بھی اطلاع ہونی چاہیے اس سے اگلے کئی اور مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

① حضرت امام محمد باقرؑ (۱۱۴۲ھ) نے فرمایا :-

ان القرآن واحد نزل من عند واحد ولكن الاختلاف مجيء من قبل الرواة
ترجمہ ہے شک قرآن ایک ہے اور ایک ہی کی طرف سے اُترا ہے اور جو اختلاف
پائے جاتے ہیں وہ قرآن کے راویوں کی طرف سے ہیں۔

اس میں قرآن کو ایک مختلف فیہ چیز بتلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ راویوں کا اختلاف اخبار
احادیث مؤثر ہوتا ہے اخبار متواترہ میں نہیں قرآن حضورؐ سے امت تک بطریق قواثر پہنچا ہے اس
میں راویوں کا اختلاف کیسے راہ پر ہو سکتا ہے۔

یہ بات علامہ مکیفی (۲۲۸ھ) کی تو ہو سکتی ہے حضرت امام محمد باقرؑ کی نہیں وہ تو قرآن کریم
کو ایک مختلف فیہ کتاب سمجھتے ہیں اور اگر یہاں اختلاف قرأت کی طرف اشارہ ہے تو معلوم رہے کہ یہ
اختلاف قرأت راویوں کی پیداوار نہیں اختلاف قرأت کی سہولت تو خود اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے اور
اس کی حکمت اور ضرورت پر ہم پہلے بحث کر گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ امامی شیعہ قرآن پاک میں

اختلاف قرأت کے قائل نہیں ہیں۔

② حضرت امام جعفر صادق (۱۳۸ھ) کے نام پر بھی کلمہ لکھا ہے۔

ان الناس يقولون ان القرآن نزل على سبعة احرف (فقال) كذبوا
اعداء الله ولكنه نزل على حرف واحد من عند الواحد

ترجمہ: لوگ (اہانت) کہتے ہیں قرآن سب سے احرف پر اترنا ہے، اللہ کے دشمن جھوٹ
بولتے ہیں یہ ایک ہی حرف پر اترنا ہے اور ایک ہی کی طرف سے ہے۔

اختلاف قرأت تسلیم کرنے کی روایات

① حضرت امام جعفر صادق (۱۳۸ھ) روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتاني ات من الله عز وجل فقال ان الله
يا مراء ان تقرأ القرآن على حرف واحد فقلت يارب وسع على امتي فقال ان
الله يا مراء ان تقرأ القرآن على سبعة احرف

ترجمہ: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف خدا کی طرف سے آئے والا آیا
اور مجھے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن پاک ایک ہی حرف پر پڑھنے کا حکم دیتا ہے میں
نے کہا اے میرے رب! میری امت پر کچھ سہولت ڈال کس پر حضرت جبریل
نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ آپ قرآن پاک سب سے احرف پر
پڑھائیں۔

② شرح فضال میں ہے۔

پنجم برہم در محضر اصحاب خود کہ از قبائل مختلف بودہ اند ہمہ آئینہ را تلاوت سے
کردہ اند وہ کہام مطابق لہجہ و لغت خود قرأت مخصوص را یاد کردہ اند دوم
آنکہ قرآن بیک لغت بر پیغمبر نازل سے شد و لے پنجم چوں از خدا نصت گرفتہ
بود لہجہ ہائے و قرأت ہائے مختلفہ با مت یاد سے داد بلکہ

ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے سامنے جو مختلف قبائل سے
ہوئے تھے قرآن احرف سبعہ میں تلاوت کرائے تھے اور ہر شخص اپنے لہجہ و
لغت کے مطابق اپنی مخصوص قرأت کو یاد کرتا تھا قرآن تو بے شک ایک ہی
لغت پر حضور پر نازل ہوا تھا لیکن چونکہ حضور نے اللہ تعالیٰ سے اجازت لے
رکھی تھی آپ اپنی امت کو مختلف قرآنوں میں قرآن یاد کرتے تھے۔

شیعہ آٹھ عشریوں کے ہاں یہ دو طرح کی روایات ملتی ہیں ان دونوں میں کھلا ٹکراؤ ہے
شیعہ ان میں سے کسی کو جھوٹ نہیں کہتے اسے تنقیہ کے لفظ سے تقدس دیا جاتا ہے۔ اب یہ
بات کہ کون سی بات ان کا اصل عقیدہ ہے اس کے لیے ان کا یہ علمی اصول ہمہ وقت پیش نظر
رہے یہی ان کے ہاں متعاضدات کا حل ہے۔

دو طرح کی روایات میں شیعہ اصل الاصول

شیعہ اصول میں یہ دیکھا جائے گا کہ کونسی روایت عامہ کے خلاف ہے اس صورت میں
اصل دین ان کے ہاں وہ ہوتا ہے جو عامہ (اہل سنت) کے خلاف ہو۔
علامہ محمد بن یعقوب الکلینی لکھتا ہے۔

قلت فان كان الخبر ان عنكما مشهورين قد رواهما الثقات عنكم
— قال ينظرهما وافق حكمه حكم الكتاب والسنة وخالف العامة
فيؤخذ به ويدرك ما خالف حكمه حكم الكتاب والسنة وافق العامة
— ما خالف العامة فيؤخذ به الرشاد بل

ترجمہ میں نے نوچا کہ اگر آپ حضرات (ائمہ کرام) سے دو روایات شہرت کے
درجہ میں ہوں جنہیں آپ سے قدرادوں کے روایت کیا تو اس صورت میں
ہم کیا کریں؟ آپ نے کہا دیکھا جائے کہ کتاب، سنت کے موافق اور امت
کے مخالف کونسی بات ہے اسے لے لیا جائے اور جو بات کتاب و سنت

کے خلاف اور عامہ کے موافق ہو اسے چھڑ دیا جائے۔ جو چیز عامہ (اہل سنت) کے خلاف ہوگی اچھائی اسی میں ہے۔

علامہ طبرسی یہاں پر تفسیر کر گئے

علامہ طبرسی صاحب مجمع البیان نے جہاں موجودہ قرآن کی پوری تفسیر کی ہے وہاں وہ شیعہ کے اس اصول کی بھی پوری تردید کرتا ہے کہ قرآن کریم سبعة احرف میں نہیں اترادہ اور سبعة کے ماننے کو ہی شیعہ کا ظاہر مذہب بتاتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ شیعہ طلبہ کے سامنے ان کا کون سا مذہب پیش کیا جائے۔ طبرسی لکھتا ہے۔

فَاعْلَمُ أَنَّ ظَاهِرًا مِنَ الْمَذْهَبِ الْأَمَامِيِّ أَنَّهُمْ أَجْعَلُوا عَلَى جَوَازِ الْقِرَاءَةِ
بِمُتَنَادِلِهِ الْقُرْآنَ مِنْهُمْ مِنَ الْقِرَاطِ بَلَدًا

ترجمہ۔ جہاں کو کہ ظاہر مذہب امامیہ یہ ہے کہ وہ احرف سبعة کے جواز پر نہیں قرار
کلام لوگوں میں پڑھ رہے ہیں اجماع کر چکے ہیں۔

ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں کہ شیعہ مذہب اس مسئلے میں کیا ہے۔ شیعہ طلبہ کو اپنے
مذہب سے کچھ روشناس کرانا تھا اور اس کے مناسب ہم نے چند روایات لکھ دی ہیں۔
کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے!

لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

سید علی نقی اثنا عشری نے موجود البیان ایک رسالہ لکھا ہے جو تجوید کی ضروریات پر
مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں موصوف نے حدیث اترل علی سبعة احرف پر تفصیل سے بحث کی
ہے اور قرآن کریم کی مختلف قراءات کا اقرار کیا ہے۔ اس پر قاری فتح محمد صاحب نے یہ جملہ لکھا ہے۔
ہر جماعت میں کتاب اللہ کے عاشق اور خدمت گزار پائے جاتے ہیں۔

حفاظت قرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

اسلام کے ان بے شمار معجزات میں سے جن کی صداقت ہر مخالف و موافق سے اقرار لے چکی ہے ایک معجزہ قرآن پاک کی عظیم النظم حفاظت ہے۔ کتب مقدسہ میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی رب العزت نے اسے وہ حیات دوام بخشی کہ ہر طرح کی تحریف لفظی و معنوی سے پاک ہے۔ دنیا کتنے ہی انقلابات گزرنے اس کے الفاظ میں قطعاً کسی شک کو راہ نہ ملے گی۔ اس کے صدوری اور معنوی اعجاز کی شان تاریخ کے ہر دور میں اپنی صداقت کا سکہ منواتی رہی ہے۔ قرآن عزیز کا اپنا املاں ہے۔

انہ لکث عزیز۔ لا یاتیہ الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تذیل

من حکید حمید۔ (پاک حمید)

مہ یہ تحیک ہے کہ طہرین ہمیشہ قرآن پاک کی قطعیات پر تاویل و تحریف کے ہاتھ صاف کرتے ہے اور ان (ذائقہ والا) نے اسلام کے فطری فیصلے میں ہلک پیہر کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ جن پر یا کتب یہ اوقطیبات قرآنیہ کو تحریف کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے ان کی اصل مراد اور ان کے صحیح مطالب بھی کسی دور میں کاتب معزم نہیں ہوئے جب بھی کسی نے کلام الہی کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر پیار سا سیریب ہوتا رہا اور قرآن پاک بابر صورت ہر معنوی تحریف سے بھی پاک رہا۔ کتاب عزیز معنوی تحریف کا سکہ صرف اسی صورت میں ہو سکتی تھی کہ اصل معانی و مطالب پر وہ تحریف کے پیچھے چلے جائیں اور بلا اثر کوئی مت جا میں نہ ان کا کوئی جالنے والا ہوا دور نہ ان کی کوئی ٹاننے والا ہے جب تک صحیح مطالب اور اصل مراد قرآنی بھی موجود ہیں اور ایک طبقہ ان کا بھی ملہ رہا ہے تو ان قطعیات اسلام کو فطلا مطالب کا جامہ پہنانے سے اصل کتاب تحریف و متبدل نہیں ہو سکتی اسی طرح جب تک قرآن پاک کی صحیح لفظی نقل موجود یا سیدہ خلفا میں محفوظ و منقول ہوں تو کسی مطبع دے لے کا بعض الفاظ قرآن کو غلط چھاپا دینا موجب تحریف نہیں اس لیے کہ اصل بھی تو موجود ہے جو پوری تاریخ اسلام میں کبھی منقود نہیں جب تک اصل الفاظ و معانی موجود اور ممکن الاصول ہوں کسی مطبع کی غلطی یا کسی طبع کی مستی کسی غلطی یا معنوی تحریف کا نشانہ نہیں بن سکتی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ۔ وہ ایسی کتاب عزیز ہے جس پر جھوٹ کا کوئی دخل نہیں۔ نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔ یہ منزل اس ذات حکیم و حمید کی طرف سے ہے۔

حفاظت قرآن اور پیغمبر آخر الزمان

پہلی کتب مقدسہ اور سابق صحن سماویہ جہاں جہاں اور جتنے جتنے وقت کے لیے کائنات کے افق ظلمت کو ضیا بار کرتے رہے جب ان کا وقت قریب آیا تو ان کے نگران ان کی حفاظت ذکر سکے اور وہ کتابیں حیات دوام نہ پاسکیں یہ عمل بار بار ظہور پذیر ہوتا رہا اور تاویل و تحریف کی راہیں مدتوں آسمانی کتابوں کو تبدیل کرتی رہیں۔

ایسے حالات میں رب العزت پھر نئے پیغمبر کو بھیج دیتے جو اس ظلمت کو خاک میں مچھر روشنی کا مینار بن جاتا یہ سلسلہ بار بار جلتا رہتا نئے نئے احکام بھی ملتے رہتے اور کھلی شرائع کا مطلع بھی بے غبار ہوتا رہتا۔ پس آسمانی کتابوں میں تبدیل و تحریف کی راہیں تمام کائنات پر ہمیشہ کی سیاہ رات نہ تھیں اس لیے کہ آفتاب ہدایت پھر سے طلوع ہو جاتا تھا۔

جب ملک خداوندی اس بات کی مستثنیٰ ہوئی کہ آخری پیغمبر ایک عالمگیر حیثیت میں مبعوث ہو تو دربار ایزدی سے یہ بھی فیصلہ ہوا کہ اس آفتاب ہدایت پر غروب کی منزل کبھی نہ آئے اس لیے کہ اگر اس کے پیش کردہ قانون ہدایت میں کوئی تبدیلی یا تحریف واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح کی کوئی صہرت باقی نہ رہتی پس پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ خاتمیت کا تقاضا ہوا کہ قرآن پاک ابدی طور پر ہر قسم کی تحریف سے محفوظ و مصون ہو۔

اگر کسی قسم کی نبوت بھی آنحضرت کے بعد مقدہ ہوتی تو حفاظت قرآن کا یہ مدیم النظر اعلان ہرگز وجود میں نہ آتا اور خاتم النبیین کی لائی کتاب کے ابدی تحفظ کا التزام نہ ہوتا۔ آنحضرت کے بعد نہ کسی ایسی نبوت کا امکان ہے جو نئے احکام لائے اور نہ کسی ایسی نبوت کی ضرورت ہے جو کچھ احکام کا نقشہ صحیح کرے اس لیے کہ آخری شریعت ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے جسے کسی تصحیح کی ضرورت نہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص بھی قرآن پاک میں کسی قسم کی تحریف کا قائل ہو اس کے لیے

مذہبی ہے کہ وہ حضور ختمی مرتبت کے بعد کسی نہ کسی آسمانی مامور کا قائل ہو جس کے پاس سے اسے کتاب اللہ اصل صورت میں مل سکے یہ اور بات ہے کہ وہ اس کا نام نبی رکھے یا نہ، تاہم جب تک کسی معصوم آسمانی منصب اور کسی آئندہ منقرض الطاعت الہامی شخصیت کا اعتقاد نہ ہو۔ قرآن کریم کی عظیم النظیر حفاظت کبھی متزلزل نہیں سمجھی جاسکتی اور اس میں تبدیل و تحریف کا اعتقاد کسی طرح راہ نہیں پاسکتا۔

تورات کی حفاظت احبار یہود پر چھوڑی گئی تھی خدا تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا تھا

اَنَا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْمَا هَدٰى وَفَوْرَجَ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا
لِلَّذِيْنَ هَلَحُوْا وَالزَّيْبَانِيْنَ وَالْاَحْبَارَ بِمَا اسْتَخْفَلُوْا مِنْ كِتَابِ
اللّٰهِ وَكَافَا عَلِيْهِ شُهَدَاءُ . (پہ الامائدہ ۴۴)

ترجمہ ہم ہی نے تورات نازل کی تھی اس میں ہدایت اور نور تھا انبیاء بنی
اسرائیل جو اللہ کے فرمانبردار تھے اسی تورات کے مطابق حکم کرتے رہے
اور اسی کے مطابق مشائخ یہود اور ان کے علماء فیصلے دیتے رہے کیونکہ
اللہ کی کتاب انہی کی حفاظت پر چھوڑی گئی تھی اور وہی اس کی خبر گیری پر
مقرر تھے

شیخ الاسلام کہتے ہیں :-

یعنی تورات کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار بنایا گیا تھا قرآن کریم کی طرح انالہ
لحافظون کا وعدہ نہیں ہوا۔ تو جب تک علماء و احبار نے اپنی ذمہ داری
کا احساس کیا تورات محفوظ و معمول رہی آخر دنیا پرست علماء سور کے ہاتھوں
سے تحریف ہو کر ضائع ہوئی۔

اہم بیہقی نقل کرتے ہیں کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۲ھ) نے کہا کہ :-

ایک یہودی غلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں آیا اور بہت اچھی باتیں کہیں
 مامون الرشید نے اسے دعوت اسلام دی مگر اس نے انکار کر دیا جب ایک
 سال گزارا تو وہ مسلمان ہو کر پہلو سے پاس آیا اور اس نے علم و فقہ میں اچھی
 گفتگو کی مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا باعث کیا ہے؟
 اس نے کہا :-

میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا چنانچہ میں نے تورات
 کے تین نسخے لکھے اور ان میں کمی بیشی کر دی اور کنسیر میں بھیج دیئے۔ تینوں
 بک گئے پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے امدان میں کمی بیشی کر دی اور
 ان کو گر جاہیں بھیجا وہ بھی فروخت ہو گئے پھر میں نے میں نے قرآن مجید
 کے تین نسخے لکھے اور ان میں بھی کمی بیشی کر دی اور انہیں دراقین کے
 ہاں بھیج دیا انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی جب ان میں کمی بیشی
 پائی تو ان کو پھینک دیا اور نہ خریدا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب
 تحریف سے محفوظ ہے اس لیے میں مسلمان ہو گیا۔

یہی بن اکثم کہتے ہیں کہ میں نے اسی سال حج کیا اور حضرت سفیان بن عیینہ
 سے ملاقات کی میں نے ان کی خدمت میں یہ سارا واقعہ نقل کیا۔ انہوں نے
 فرمایا اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے میں نے پوچھا کہاں بتاؤ اسناد
 فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی بابت ہما است حفظوا من کتاب اللہ
 فرمایا۔ لہذا ان کی حفاظت ان ہی پر چھوڑی گئی۔ قرآن کریم کی نسبت فرمایا۔
 انالہ لحافظون۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

کیا آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے؟

اہل اسلام جب پہلی کتب مقدسہ کو منسوخ اور پھر محرف قرار دیتے ہیں تو اہل کتاب یہ

بلکہ خصائص کبریٰ جلد ۱۵۰ تلخیصاً

مرفوع سامنے لے آتے ہیں کہ آسمانی فرشتے محل تبدیل بھی میں یا نہ، پھر اس پردہ اس آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہیں:-

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ. (پلک یونس ۶۴)

ترجمہ، بدلتی نہیں اللہ کی باتیں۔

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات ذہن میں جوئی چاہیے کہ قرآن پاک میں کلمات الہیہ کا اطلاق کئی طرح سے ہوا ہے۔

قرآن پاک میں کلمات الہیہ کا اطلاق

- ① معلومات الہیہ اور ان کے اسرار و حکم
- ② خدا کی فیصلے جو اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق ہیں۔
- ③ احکام الہی جو اوامر و نواہی پر مشتمل ہیں۔

کلمات الہیہ کا اطلاق

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلَّمْتُ رَبِّي لِنَعْدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَعِدَ

کلمات ربی ولو جئنا بمثله مدداً ۱۔ (پلک الکہف ۱۰۲)

ترجمہ، آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر سیاہی بن جائیں تو بے شک سمندر خراب ہو جائیں گے پر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی خواہ لیے سمندر ہم ادا لے آئیں۔

یہاں کلمات الہیہ سے مراد معلومات الہیہ اور رب العزت کے اسرار و حکم ہیں جو باتیں ہمارے ظرف و استعداد کے مطابق تھیں وہ سب ہمیں بتلا دیں۔ جس جس کو جس جس بات کے علم کی ضرورت تھی اس کے دروازے اس پر حسب استعداد واکر دیئے۔ لیکن یہ معلومات اور اسرار اللہ رب العزت کے معلومات اور علوم و حکم میں سے اتنی بھی نہیں جتنی سمندر میں سے ایک قطرہ کی مقدار ہو۔

یہاں کلمات اللہ سے خدا کے احکام و اخبار اور کتب سماویہ ہرگز مراد نہیں۔ اگر یہ مراد ہیں تو پھر اس آیت کا مطلب (معاذ اللہ) یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اتنا باتونی ہے کہ اس کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کسی شان کا اظہار نہیں بلکہ ایک بہت بڑی تنقید ہے معاذ اللہ۔
 ثم معاذ اللہ پس یہاں کلمات الہیہ سے مراد معلومات الہیہ ہیں جن کا خلاف نہیں ہو سکتا۔ بشر اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ ابو بکرؓ ایمان پر فخرت ہوں گے اور ابو جہلؓ کفر پر۔ مگرے گا تو اب زمین و آسمان کی طاقتیں بھی جمع ہو جائیں تو ان معلومات الہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہوگا۔ لہذا تبدیل کلمات اللہ میں کلمات اللہ سے مراد یہی معلومات الہیہ ہوں تو حاصل یہ ہوگا کہ ان میں تبدیلی ناممکن ہے پس اس آیت کا مطلب یہ ہوگا۔

لا تبدل لکلمات اللہ

معلومات الہیہ کا خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

کلمات الہیہ کا دوسرا اطلاق
خُدائی فیصلے نہیں بدلتے اعمال و نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وَالْآخِرَةِ۔ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْرُ الْعَظِيمُ۔ (پہلویس ۱۲، ۱۳)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری

ہے حیات دُنیا میں اور آخرت میں بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہ بہت بڑی

کامیابی ہے۔

یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے اٹل ہیں جو بشارتیں دی ہیں ضرور پوری ہو کر رہیں گی۔ خُدائی فیصلے تبدیل نہیں ہوتے اور کوئی طاقت انہیں بدل نہیں سکتی۔ سیاق و سباق پیش نظر رکھنے سے لا تبدیل کلمات اللہ کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں کلمات سے مراد خُدائی فیصلے ہیں کتب مقدسہ سمیت سماویہ کا یہاں قطعاً کوئی تذکرہ نہیں۔ یہاں صرف اس مضمون کا بیان ہے کہ اعمال اور نتائج اعمال سے متعلق سنت اللہ تبدیل نہیں ہوتی خُدائی فیصلے بدلا نہیں کرتے۔

ہاں احکام مختلف زمانوں کے لیے مختلف ہو سکتے ہیں۔

کلمات الہیہ کا تیسرا اطلاق وہ کلام الہی جو احکام و اخبار پر مشتمل ہو

اس معنی کو لا بتبدیل لکلمات اللہ سے تطبیق دینا مشکل ہے اخبار الہیہ میں تبدیلی تو قطعاً ممکن نہیں بلکہ احکام الہیہ مختلف حالات کے مطابق مختلف ہوتے رہے ہیں اور ان میں نسخ اصولاً ممکن ہے پس لا بتبدیل لکلمات اللہ میں کلمات الہیہ سے مراد کتب مقدمہ یا احکام الہیہ نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر انہیں اس زمانے سے مخصوص کر لیں جس زمانے تک کے لیے وہ فاعلہ عمل اور قانون حیات ہوں تو اس دور تک واقعی وہ کلمات الہیہ تبدیل نہیں ہو سکتے اور اگر کسی ناہنجار انسانی ہاتھ نے ان میں تحریف سے کام لیا تو اتنی بات یقینی ہے کہ غیر کلام الہی کلام الہی کا بدلہ ہرگز نہیں بن سکتا۔

ناسخ و منسوخ کی پوری بحث آپ کو ہمارے نسخ فی القرآن کے مضمون میں ملے گی لیکن اس مضمون کی مناسبت سے ہم اس کا کچھ حصہ یہاں بھی آپ کے سامنے پیش کیے دیتے ہیں۔

نسخ کا مفہوم

کسی حکم الہی کے منسوخ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ حکم جتنی مدت تک کے لیے دیا تھا اب وہ مدت ختم ہو چکی، اب نئے حالات اور نئے دور میں جو نئے احکام ہوں گے وہ پہلے احکام کے ناسخ کہلائیں گے علم اصول میں یہ قول منقول ہے۔

هو النص الدال على انتهاء امد الحكم۔

ترجمہ: ناسخ اس نص کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی مدت کے ختم ہونے کا پتہ

دے۔

لے اس لیے کہ اس کا ماضی یا پہلی خبر کا خلاف واقع ہونا ہے یا دوسری خبر کا بہرہ صورت جھوٹ کا تحقق ہونا ہے تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کثیراً۔ مسلم البیروت جلد ۲ ص ۲۸۷

حصول المامول کی شرط نسخ میں چوتھی شرط یہ ہے۔

ان یكون للنسخ مقعداً بوقت .

ترجمہ امر منسوخ کسی مدت تک کے لیے مخصوص ہو۔

پس علم حصول کی رو سے نسخ کا مفہوم انتہائے حکم کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حکم خدا کے حکم میں ایک زمانے تک سے خاص تھا اس زمانہ کی انتہا تک وہ حکم ختم ہو گیا اب اسے نئے حکم سے بدلنا جاتے یا نئے حکم سے بدلنے کے بغیر ختم کیا جاتے وہ بہر حال منسوخ ہے۔

یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے جب کسی حکم کو بعد میں منسوخ کرنا ہے تو پہلے وہ یہ حکم کیوں دیتا ہے اس لیے کہ ہر حکم جس میں اور جتنے جتنے وقت کے لیے مناسب ہوتا ہے آسمانی ہدایت اسی حکم کے قالب میں اترتی ہے اس تبدیل احکام کی شہادت ہمیں انجیل سے بھی ملتی ہے حضرت مسیح علیہ السلام تصدیق توہرات کے بعد بعض احکام کی تبدیلیوں بیان کرتے ہیں۔

احکام الہی میں تبدیلی

تم سن چکے ہو کہ انکلوں سے کہا گیا تھا کہ ٹون نہ کرنا اور جو کوئی خون کرے گا وہ عدالت کی سزا کے لائق ہو گا۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے نبی خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ پھر تم سن چکے ہو کہ انکلوں سے کہا گیا تھا کہ جھوٹی قسم نہ کھانا بلکہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں بالکل قسم نہ کھانا۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت

لے حصول المامول ص ۱۹۰ ملاحظہ کیجئے تفسیر حنفی زیر آیت فاذا بدلتنا آیتہ مکان آیتہ (پانچ نکل ۱۱)

لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریک کا مقابلہ نہ کرنا۔ تم من چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ اپنے بڑوسی سے محبت رکھ اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھ۔ بلکہ قرآن مزید بھی بعض احکام الہی کی تبدیلی صریح علیہ السلام سے حکایت نقل کرتا ہے۔

مصدقاً لما بین یدکت من التوراة والاحل لک بعض الذی حرم صلیک۔ (پ آمل عمران ۵۰)

ترجمہ اور میں تم سے پہلی کتاب تورات کو سچا بتانے والا ہوں اور اس لیے کہ حلال قرار دوں بعض وہ چیزیں جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

لا تبدل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

اس آیت شریفہ کی صحیح مراد اس کے سیاق و سباق کے پیش نظر یہی ہے کہ اعمال اور نتائج اعمال کے بارے میں سنت اللہ سے گر تبدیل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس سے خواہ مخواہ احکام الہیہ ہی مراد لیے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی اور اس کے احکام کو بدلنے کا اہل نہیں کسی کا یہ مقام نہیں کہ اس کے احکام کو بدل سکے اگر کوئی اس کی تہمت کرے گا تو غیر کلام الہی کلام الہی کا بدل ہرگز نہ ہو سکے گا۔ احکام خدا کے ہی باقی رہیں گے اللہ کی بات بدلی نہیں جاسکتی۔ قرآن پاک ایک دوسرے مقام پر خود اس کا اعلان کرتا ہے۔

لا تبدل لکلماتہ وهو التامع العليم۔ (پ انعام ۱۱۵)

ترجمہ کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہ ہے ہر وقت سنے والا اور جانتے والا۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رب العزت خود بھی اپنے حکم کو نہیں بدل سکتا وہ مطلقاً ہرگز نہیں کسی حکم کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بدل دیتے ہیں لا تبدل لکلمات اللہ کے معنی لا تبدل لکلمات اللہ کے ہیں کسی اور میں اس کے حکم کو بدلنے کی اہلیت نہیں اگر کوئی کوشش کرے گا تو وہ مفریٰ ٹھہرے گا اللہ کا حکم وہی ہو گا جسے اس نے چھپانے کی کوشش کی تھی۔

کیا آسمانی نوشتوں میں تحریف ممکن ہے ؟

اس کا اعلان بالکل بدیہی ہے جس کا تب کو کہتے وہ ہر آسمانی کتب میں چند حرکات یا چند الفاظ یا چند سطروں کی کمی بیشی کر کے دکھا دے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کتاب کے دوسری جگہ بصورت کتاب یا بصورت یاد محفوظ ہونے کے باعث اصل کتاب تحریف کا شکار نہ ہو سکے اور یہ ان اذات کلام الہی کی پوزیشن میں نہ آسکیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسانی ہمتوں سے کلمات الہیہ غلط لکھے جاسکتے ہیں گو لکھنے والے کتنے بڑے مجرم کیوں نہ ہوں اور جب اصل بالکل باقی نہ رہے تو پھر تصحیف کا تین تحریف کتاب کا موجب بھی ہو جاتی ہے۔

خوید للذین یکتبون الکتاب بالیدہم شہد یقولون ہذا من عند اللہ ربنا البقرہ ۹۹)
ترجمہ: سو پڑھائی ہے ان لوگوں کی جو کتاب میں اپنے ہمتوں سے کچھ باتیں لکھ دیتے ہیں اور پھر کہتے لکھتے ہیں کہ یہ اللہ کی باتیں ہیں۔

لا تبدیل لکلمات اللہ کی ایک اور تفہیم

کلام اللہ اور کتاب اللہ

پہلی کتب مقدسہ اصل میں کتاب اللہ ہیں جن کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ تھے اور ملفوظیت ان میں بعد میں آئی تھی لیکن قرآن مجید کا مورد تنزیل نقوش کتابیہ نہیں کلمات الہیہ ہیں یہ کلام الہی ہے جسے مکتوبیت بعد میں ملی۔ تو رات و انجیل کو کلام اللہ کہنے میں ذرا توسع اور تجاوز کو راہ دینی ہوگی ورنہ حقیقت میں وہ کتاب اللہ ہیں کلام اللہ ہونے کی شان صرف قرآن عزیز کو ہی حاصل ہے۔

ہاں کتب سابقہ کے ماسوا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مقربین کو شرف ہمکلامی بخشا اسے کلام اللہ کہنے میں تاثر نہیں لیکن ایسے کلام کی مکتوبیت عمل میں نہیں آتی رہی اور اگر اسے کہیں نقل بھی کیا گیا تو نقل بالسخنی کے طور پر۔ یہ شان صرف کتاب عزیز کو حاصل ہے کہ اس کی مکتوبیت کلمات الہیہ کے تابع رہی پس یہی کتاب ہے جو کلام بھی ہے اور پہلی سب کتابیں اور صحیفے کتب مقدسہ ہیں۔

لا تبدیل لکلمات اللہ کو اگر اسی مفہوم میں لیا جائے کہ آسمانی نوشتے تبدیل نہیں ہوتے

تو بھی مراد یہی ہے کہ کلام اللہ میں کسی تبدیل و تحریف کو راہ نہ ملے گی اور نظام ہے کہ یہ مضمون قرآن کی ابدی حفاظت پر ہی منطبق ہو گا نہ کہ پہلی کتب مقدسہ پر کیونکہ وہ اصالۃ کتاب اللہ تھیں جن کی کلامیت نقوش کتابیہ کے الفاظ مدلول سے حاصل ہوتی تھی۔ قرآن عزیز کی طرح نہیں کہ الفاظ مجرودہ عن الکتبیت بھی شان کلامیت رکھتے ہوں۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں :-

وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شان خداوندی ہے اور کتابوں میں اس لیے نہیں کہ ان کا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں یا ان کو کہہ کر عبارت فلاں کہ ہے گو مضامین خداوندی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ تورات و انجیل کی نسبت قرآن و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ تو آتا ہے کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا۔

کتاب اور کلام اللہ میں فرق

کتاب اللہ — وہ کتاب ہے جس کے معنی و مطلب خدا کی طرف سے ہوں اور الفاظ و عبارت فرشتہ کے ہوں یا نبی کے۔

کلام اللہ — وہ کتاب ہے جس کے حروف و الفاظ عبارت اور معنی و مطالب ب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں فرشتے اور نبی کو اس میں دخل نہ ہو ہمارے فاضل دوست جناب صادم ازہری لکھتے ہیں :-

توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحف انبیاء کتاب اللہ تھیں کلام اللہ نہ تھیں۔
استاد المحدثین امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں :-

لعمریہ ذی الآباء العربیہ شعہ ترجمہ کل نبی لغومہ وکان یتروم
ذلک جبریل علیہ السلام۔

ترجمہ ہر وحی اصل میں عربی میں اتنی تھی جتنی قوم کے سامنے اس کا ترجمہ پیش کرتے رہے یہ ترجمہ جبریلؑ کیا کرتے تھے۔

پس وہ کتاب جس کا مورد خود صفت خداوندی ہے صرف قرآن کریم ہے جو خود عربی میں ہے اور زبان میں حضرت تیسری علیہ السلام کا ترجمہ نہیں۔

تحریف بائبل پر بائبل کی اپنی داخلی شہادت

پہلے ان دو آیتوں کو ذہن نشین رکھیے۔

① اور جب ابرام کے لیے ہجرہ سے اسماعیل پیدا ہوئے تب ابرام چھپاسی برس کا تھا۔

② اور جب اس کا بیٹا اسحاق اس سے پیدا ہوا تو ابرام سو برس کا تھا۔
دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل چودہ برس تک اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے رہے اور اسحق علیہ السلام کی پیدائش کے بعد کوئی بھی اکلوتا نہ رہا حضرت اسحق پر اکلوتا ہونے کا ایک لمحہ بھی نہیں آیا۔

اب سنئے

اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے اسحاق کو لے اور زمین موریامیں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختی قربانی کے لیے چڑھا۔

تو نے اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے کو مجھ سے دریغ نہ کیا۔
دیکھتے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اندھ ہونے کی شان کس طرح حضرت اسحق علیہ السلام کی طرف منتقل کی جا رہی ہے۔ اگر قربانی کا واقعہ حضرت اسحق علیہ السلام سے ہی متعلق ہے تو پھر اکلوتے کا لفظ ان کے نام کے ساتھ بعد کی زیادتی ہے اور اگر وہ واقعی اکلوتے تھے تو پھر پہلی دونوں آیتیں بدلی ہوئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام چودہ برس اکلوتے رہے اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر اکلوتا ہونے کا کوئی دور نہیں آیا۔ سب سے پہلے بیٹے حضرت

لے کتاب پیدائش باب ۱۱ آیت ۱۷ لے ایضا باب ۱۱ آیت ۵ لے ایضا باب ۱۱ آیت ۲ لے ایضا باب ۱۱ آیت ۱۶

ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔

فویل للذین یکتبون بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتروا بہ
شعنا قلیلاً فویل لہم مما کتبت ایدیہم وویل لہم مما یکسبون۔

(پ البقرہ ۷۹)

ترجمہ پس ان لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے جو کتاب اپنے ہاتھوں سے
کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ وہ ایسا اس لیے کرتے ہیں کہ اس
سے کچھ دینی فائدہ اٹھائیں سوان کے ہاتھوں کے کھینچنے پر بھی اور ان کے اس
کب پر بھی ان کے لیے عذاب ہے۔

وان منہم لفریقا یلوون السنہم بالکتاب لتحبوہ من الکتاب
ہو من الکتاب ویقولون ہو من عند اللہ وما ہو من عند اللہ۔

(پ آل عمران ۷۸)

ترجمہ۔ اور ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو کتاب کو اپنی زبانیں موڑ کر پڑھتے
ہے تاکہ تم اسے کتاب میں سے جالو حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔
ان تفسیلات سے واضح ہو گیا کہ تحریف کیا ہے اور یہ کیسے واقع ہوئی ہے۔

نیز ان روایات سے واضح ہو گیا کہ آسمانی نوشتوں اور کتب مقدسہ میں تحریف ہرگز ناممکن نہیں
اور اگر ان آسمانی کتابوں کا عام انسانی ہاتھوں سے تحریف ہو نا ہی ناممکن تھا تو پھر اس عظیم مشکوئی
کی کوئی افادی حیثیت نہیں رہتی جس میں اللہ رب العزت نے قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کا خود توفیق
فرمایا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لعلما فظنون۔ (پ الحجرات ۹)

ترجمہ بے شک ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

لے قرآن پاک کا ایک نام ذکر بھی ہے و انزلنا الیلۃ الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم (پ النحل ۱۰) ان
الذین کفروا بالذکر لما جاءہم (پکے حم سورہ) وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک باصعادہم لاسمعوا الذکر
(پ النعم) ہذا ذکر مبارک انزلناہ (پکے انبیاء) وانہ لذکر لک ولقومک (پ زخرف) ان ہوا لا

یہاں قرآن کے نزول کو تنزیل سے ذکر فرمایا۔ تنزیل سے مراد بتدریج تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا ہے پس اس نزول سے وہ نزول اول مراد نہیں جو لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر تھا اس لیے کہ وہ دفعۃً واقع ہوا تھا تدریجاً نہ تھا پس یہاں جس حفاظت قرآن کی بشارت دی جا رہی ہے وہ لوح محفوظ میں لکھے یا پہلے آسمان پر اترے قرآن کی نہیں بلکہ یہ اس قرآن کے ابدی تحفظ کا اعلان ہے جو آنحضرت پر مختلف اوقات میں تدریجاً نازل ہوتا رہا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لله لحافظون کے سابق پر نظر کریں تو دو باتیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں۔

- ① ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے حضور کی اپنی ذات نہیں۔
- ② یہاں جس قرآن کی ابدی حفاظت کا بیان ہے وہ وہی قرآن ہے جو حضور کے مخالفین کے سامنے پیش شدہ مخالفوں محفوظ یا پہلے آسمان پر اتر رہا ہو قرآن ہرگز مراد نہیں۔

وقالوا یا ایہا اللہ سے نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ لوما تاتینا بالملئکہ ان کنت من الصادقین۔ ما نزل الملئکہ الا بالحق وما کانوا اذا منظرین۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لله لحافظون۔ (پہلا الجحیم)

ترجمہ۔ اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا تو مجنون ہے۔ مگر تو سچوں میں سے ہوتا تو ہمارے پاس فرشتے لے کر کیوں نہ آتا۔ فرشتوں کو تو ہم موقع ہی سے بھیجا کرتے ہیں اور (جن کی طرف بھیجتے ہیں) پھر ان کو مہلت نہیں ملتی۔ بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

معلوم ہوا کہ آیت حفاظت قرآن کفار عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی۔ صدر کلام میں ان تاکید کے لیے لایا گیا ہے پھر ان کے اسم اور خبر کے درمیان ضمیر فہل وارد ہوئی ہے

ذکر للعالمین (پہلا یوسف، پہلا ص) ان هو الا ذکر وقرآن مبین (پہلا یسین) و انزل علیہ الذکر من بیننا (پہلا ص) وقالوا یا ایہا الذی نزل علیہ الذکر (پہلا حجر) ذکر کا لفظ قرآن کے علاوہ کسی اور معنی کے لیے آتے تو قرینہ ساتھ ہوگا جیسے ایک جگہ یہ لفظ آنحضرت کے لیے بھی آیا ہے۔ قد انزل اللہ الیک ذکر رسولاً (پہلا الطلاق) ذکر کی وہ حقیقت شرعی جو کسی قرینہ کی محتاج نہیں قرآن کریم ہے۔

ساتھ ساتھ متکلم داعضیہ جمع (نحن) سے ذکر کیا جا رہا ہے جس سے تعظیم و اجلال مقصود ہے پھر حکم کی تقریر کے لیے اسناد کا تکرار واقع ہو رہا ہے انا لہ لحاظفون میں ان تاکید کے لیے وارد ہے اس کے بعد پھر لام تاکید اور پہلے جملہ کی اسمیت الگ تاکید لاری ہے یہ تمام امور خبر دے رہے ہیں کہ یہاں بڑی ہی مہتمم بلشان بشدت کا ذکر ہو رہا ہے پس یہاں اگر کسی غار میں رکے نسخے کی حفاظت کا ہی بیان تھا تو کفار عرب کی تردید کے سباق اور اتنی تاکیدات کے اہتمام کا کوئی معنی باقی نہیں رہ جاتا یہ قرآن عزیز کی حفاظت کی ہی شدت ہے اور اسی قرآن عزیز کی حفاظت کا بیان ہے جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔

ان نحن نزلنا الذکر ای القرآن وانا لہ لحاظفون عن الزیادة والنقصان
والتحریف والتغییر عن قتادة وابن عباس ومثله لا یاتیہ الباطل من
بین یدیه ولا من خلفه۔

ترجمہ۔ بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا اس سے مراد قرآن ہی ہے اور ہم ہی اس کی ہر زیادتی اور کمی سے اور ہر تحریف و تغیر سے حفاظت کریں گے یہی معنی حضرت قتادہؓ اور ابن عباسؓ سے منقول ہیں اور اس میں نہ آگے سے نہ پیچھے سے کسی طرح بھی باطل کا دخل نہیں ہو سکتا۔

ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ کا شافی نے بھی دونوں جگہ لفظ ذکر کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔

حفاظت قرآن پر ملاحظہ خلیل قرظینی کا ایک اور اعتراض

خلیل قرظینی کہتے ہیں کہ آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحاظفون ان آیات میں سے ہے جو کہ میں نازل ہوں اور نزلنا مضارع ماضی کا ہے پس اس آیت میں صرف اسی حد قرآن کے محفوظ ہونے کا بیان ہے جو اس وقت تک نازل ہو چکا تھا بعد میں نازل ہونے والے حد قرآن کے تحفظ کی یہاں کوئی ضمانت نہیں پس قرآن کے من حیث المجدوع تحفظ کا دعویٰ صحیح نہیں ملتا ہے قرظینی کہتا ہے۔

اس آیت بلفظ ماضی است و در سورہ مکیہ است و بعد از اس سورہ بسیار نازل

شدہ در گوتہ جہانے مدینہ پس دلالت نے کذب محفوظ بودن جمیع قرآن بلکہ

قاجی کی یہ بات علم و فہم سے بہت گری ہوئی ہے ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ کچھ حصہ

قرآن کی حفاظت کا تو وعدہ ہے اور کچھ حصہ قرآن کی حفاظت نہیں جب کسی دستاویز کے بارے میں

کہہ دیا جائے کہ اس کی کچھ عبادت تو اصلی ہے اور کچھ جعلی تو کیا اس سے ساری دستاویز مشتبہ نہیں

ہو جاتے گی؟ عدالت کی قائل سے اگر کچھ کا غذات نکال لیے جائیں تو باقی قائل کی کیا حیثیت رہ

جاتی ہے۔ مؤخری تو ذلک الکتاب لایخلف کا معنی بھی یہی کہتے ہوں گے کہ اس وقت تک جو حصہ

قرآن نازل شدہ تھا اس میں تو شک نہیں البتہ بعد میں جو نازل ہوا وہ حصہ قرآن شک سے محفوظ نہیں

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اندریں صورت آیت حفاظت قرآن کا ہونا ناہم بنا بالکل برابر ہو جاتا ہے

اور اس کی افلاطیت ہر پہلو سے ناکام ہو جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی مہمل اور بے فائدہ

سی بات کو اس قدر تاکیدات عظمت و احوال اور اس قدر نور کمال سے آٹھریوں بیان کیا جا رہا

ہے کیا یہ اسی کلام کی شان ہے جو انتہائے بلاغت پر اپنا لوہا منوا چکا ہو اور عرب کے تمام

فصحاء و بلغاء اس کی نظیر لانے سے عاجز آچکے ہوں۔

یہ آیت شریفہ کفار عرب کے انکار و استہزاء کی تردید میں نازل ہوئی تھی ظاہر ہے کہ وہ

کسی خاص حصہ قرآن کے منکر نہ تھے بلکہ ان کا محل انکار قرآن من حیث القرآن تھا تصدیق قرآن کے

لیے جو انہوں نے فرشتوں کی امداد طلب کی تھی وہ بھی کسی خاص حصہ قرآن سے متعلق نہ تھی بلکہ ان سب

موقعوں پر قرآن من حیث القرآن ہی محل بحث بنا ہوا تھا ان مباحث میں حصہ منزل اور حصہ غیر

منزل سب یکساں مراد تھے۔ سیاق و سباق اور موضوع کلام کے پیش نظر یہ پورے قرآن کے تحفظ

کا ایک اصولی اعلان تھا۔

پس آیت امانحن نزلنا الذکر و انالہ لحافظون میں لہ کی ضمیر نزلنا کے مفعول

(حصہ منزل) کی طرف نہیں لوٹ رہی کہ صرف اسی حصہ قرآن کے تحفظ کا اعلان ہو بلکہ کی ضمیر

نزلنا کے مفعول کی جنس کی طرف لوٹ رہی ہے خواہ وہ منزل ہو یا ابھی غیر منزل ہو یہ قرآن من

لہ الصافی بشرح اصول الکافی جلد ۹ ص ۷۷ مطبوعہ مکتبہ

جیٹ القرآن کے تحفظ کا مذہبی اعلان ہے اور ضمیر کے اس طرح جنس کی طرف ٹوٹنے کے نظائر پیش کرنا خود کتاب میں موجود ہیں۔

پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر میں ماضی بمعنی مضارع ہو بعض اوقات انتہائے یقین کے لیے مضارع کی تعبیر ماضی سے کر دیتے ہیں اور یہ بھی بلاغت کی ایک شان ہے۔ ولفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الى ربهم ينسلون انوری صریح آیت حفاظت قرآن کا ماضی یہ

۱۔ هو الذی خلقکم من نفس واحدة وجعل منہا زوجا لیکن الیہا میں آدم و حوا کا ذکر ہے اور پھر اسی سلسلے میں فرمایا فلما اثمہما صالحا جعلنا لہ شریکاء فیما اثمہما فتعالی اللہ عما یشرکون۔ (پہلے الاعراف آخر) ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام شکر کے مستحق اور پاک ہیں پس ضمیر یہاں ان کے معین کی طرف نہیں ان کی جنس کی طرف ٹوٹ رہی ہے کہ انسان نے پھر شرک کا ارتکاب کر لیا ہے آیت کے آخری الفاظ قتالہ اللہ عما یشرکون جمع کے صیغے سے ہیں یہاں آدم و حوا مراد نہیں ہیں جعلنا لہ شریکاء میں مطلق صریح مراد ہیں اور ضمیر جنس کی طرف ٹوٹ رہی ہے۔ ۳۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من حلین ثم جعلناہ نطفۃ فی قرار مکیں (پہلے المؤمنون) پیچھے آدم علیہ السلام کے مٹی سے بننے کا تذکرہ ہے پھر اس کے قرار مکیں میں نطفہ ہونے کا بیان ہے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام اس منزل سے نہیں گزرے پس جعلناہ کی ضمیر میں آدم علیہ السلام کی طرف نہیں جنس آدم کی طرف ٹوٹ رہی ہے۔ ۴۔ ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلناھا وجوہا للشیاحلین (پہلے الملک) جن ستاروں کو مصابیح فرمایا وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے رجم شیاطین ہوتا ہے یہاں میں مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف کلام منتقل ہے۔ ۵۔ انخسرت لے فرمایا صوموا للذویۃ العلل والافطوا للذویۃ۔ یہاں العلل سے مراد ہلال رمضان ہے اور افطوا للذویۃ میں ضمیر اسی کی طرف ٹوٹ رہی ہے لیکن اس میں ہلال کی طرف نہیں بلکہ جنس کی طرف اور مراد اس سے شمال کا ہلال ہے۔

ہو گا کہ بے شک ہمیں اسے نازل کر رہے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے جو اسے نازل کر رہا ہے وہی اسے محفوظ بھی رکھے گا۔

غیبل قرطوبی نے حفاظتِ قرآن کے انکار کے لیے جو راستہ ہموار کیا ہے اس کے کانٹے دوز تک بچے نظر آتے ہیں پھر تو وہ آیاتِ شریفہ جن میں قرآن کی شانِ اعجاز کا بیان ہے اور اس کے ضمن میں تمام عرب کو متحدی کے ساتھ دعوتِ مبارزت دی گئی ہے صرف اسی حصہ قرآن سے متعلق ہوں گی جو اس بات حفاظتِ قرآن سے پہلے نازل ہو چکا تھا اور جو قرآن اس اہمیت کے بعد نازل ہوا وہ حصہ قرآن ہرگز معجز نہیں اور گوفصائے عرب اس بعد کے نازل شدہ کلام کی بھی نظیر نہ لاسکے تاہم وہ ہرگز معجز اور محفوظ نہیں اور نظیر نہ لاسکنا اس کے کلام الہی ہونے کا کوئی نشان نہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تلاجی کو اس میں حاصل بھی کچھ نہیں ہوا مگر دین کی پوری عمارت کو متزلزل کر لے میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔

س دین ملا فی سبیل اللہ فساد

تحریفِ قرآن کا معنوی انداز

تحریفِ معنوی سے قرآن کی ابدی حفاظت

قرآن عزیزی کی ابدی حفاظت کا غور و رب العزت نے تکفل فرمایا ہو رہا ہے اس عظیم پیشگی کے ضمن میں سہل پیدا ہو رہا ہے کہ یہاں قرآن سے کیا مراد ہے؟ صرف الفاظ و جملہ اور نقوش کتابیہ یا قرآن عزیز اس آخری وحی کے نظم و معنی کے مجموعہ کو کہتے ہیں علماء اہل قول کہتے ہیں۔
هو اسم للنظم والمعنى جميعاً (منار من نور الانوار) امرنا بحفظ النظم
والمعنى فانه دلالة على النبوة (المنفعة القدسية) ۱

۱۔ المنفعة القدسية ص ۱۶ علامہ حسن شرنبلالی صاحب نور الایضاح کا ایک رسالہ ہے علامہ حسن شرنبلالی دہلی
صدی ہجری کے مشہور فقیہ گروہ میں رسالے کا پورا نام "المنفعة القدسية فی احکام قرآۃ القرآن و کتابتہ با
الفارسیۃ" ہے۔

ترجمہ قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا ہم قرآن پاک کی ترتیب الفاظ و معنی دونوں کی حفاظت کے لیے مامور ہیں کیونکہ یہ نبوت کا ایک نشان ہے پس جب قرآن اس وحی ربانی کے ”نظم و معنی“ کے مجموعہ کا نام ہے تو قرآن عزیز کی اس ابدی حفاظت کا دائرہ بھی الفاظ کتاب اور مطالب کتاب ہر دو کو شامل ہو گا جس طرح اس کے نقوش کتابیہ ہر قسم کی تحریف فعلی سے محفوظ ہیں اسی طرح اس کے معانی و مطالب بھی ہر قسم کی تحریف معنوی سے یقیناً مصون ہوں گے۔

قرآن عزیز میں اگر معنوی تحریف کو راہ دے دی جائے اور صرف نقوش کتابیہ کے تحفظ کی ضمانت ہو تو قرآن کی ابدی حفاظت کا اعلان ایک بے معنی بات ہو کر رہ جاتی ہے الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ان کا تحفظ محض اس لیے ہے کہ وہ معانی و مطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں الفاظ کا تحفظ معانی کی صحت کے لیے ہے حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی و مطالب کا تحفظ بھی اس پیغمبر کی منطوقی ہے۔

تحریف معنوی سے متعلق ایک سوال

پچھلی چند صدیوں سے کچھ ایسے نئے نئے منہ راسنے آرہے ہیں جو تفسیرات صحابہ و تابعین کے خلاف قرآن عزیز کو نئے نئے معنی پہنا رہے ہیں تفسیری روایات کی مخالفت تو درگزر ان بیان کردہ معنی اکثر نشست الفاظ اور قواعد عربیت سے بھی متضاد ہوتے ہیں گویہ غلط فکر اور غام علم و لغین ایک سلسلے میں مربوط نہیں ہو سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ ایک مدت سے تحریف معنوی کا یہ سلسلہ قائم ہے۔ ان حالات کے پیش نظر قرآن پاک کی تحریف معنوی سے ابدی حفاظت کا دعوے کیسے کیا جاسکتا ہے۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ قرآن پاک پر کام کرنے والے بعض نئے نئے مؤلفین علم و تحقیق سے بے نیاز ہو کر کسی قطعاً مسلمہ اسلام میں بھی انکار و الحاد کی راہ چل رہے ہیں اور ان کا یہ عمل یقیناً تحریف معنوی ہے لیکن ان کے اس عمل سے اصل قرآن ہرگز مشتبہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کے اصل مطالب معانی بھی اہل حق کے پاس موجود اور سب کے لیے ممکن الاصول ہوتے ہیں ان معانی میں بھی تو ارتقاء قائم ہے اور

۱۔ تحفہ سے لے کر اب تک اہل حق کا یہ سلسلہ قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا پس قرآن معنیٰ بھی ہمیشہ کے لیے تحریف معنوی سے محفوظ رہے گا۔ ۲۔ تحفہ نے ارشاد فرمایا۔

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرهم من خالفهم او
خذلهم حتی یاتی امر اللہ۔

ترجمہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا ان کے مخالف
یاد دہ نہ کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

تاریخ گراہ ہے کہ جب بھی کسی نے قرآن کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہر بار ایسا رپ
ہوتا رہا جب تک اصل تفسیر اور قرآنی مطالب کی صحیح تعبیر دنیا میں موجود اور ممکن الحصول ہوا ان محدثین زمانہ
کی غلط تفسیرات سے کتاب اللہ میں تحریف نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے متذہبین تو بے شک محرف ہیں لیکن
قرآن ہرگز محرف نہیں کوئی تحریف معنوی اس میں چل نہیں سکی۔ اہل حق کا تو اثر ہر دور میں ان غلطیوں کی
نشاندہی کرتا رہا ہے۔

جس طرح قرآن پاک کی لغوی نقول جب تک مخالف قسط اس میں مزبور اور سینہ حفاظ میں محفوظ
ہیں کسی مطبع کی غلطی یا کسی حافظ کی لغزش سے قرآن کریم کو تحریف لغوی کا شکار نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اصل
محفوظ اور موجود ہے۔ اسی طرح ادبی قلم اور سخن تحریر کے سہارے مفسرین بیٹھے والے متذہبین کی
غلط تفسیرات سے بھی کتاب اللہ ہرگز تحریف معنوی کا شکار نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مباحث کی طرح اہل حجاز
بھی تو موجود ہیں جو تاریخ اسلام کے کسی دور میں منقود نہیں ہوئے۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے صحیح وارث کسی دور میں قلیل ہوں اور کسی میں کثیر کسی میں قوی
ہوں اور کسی میں ضعیف لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ پورا صفحہ کائنات قرآن کی صحیح تعلیم سے بیکھر خالی ہو۔

اسلام ایک زندہ مذہب

اسلام اگر ایک زندہ مذہب ہے تو تاریخ اسلام کے ہر دور میں اس کی زندگی فردی ہے
وہ زندگی کسی درجے میں ہو اور حالات کتنے ہی اُلٹے کیوں نہ ہوں اس زندگی میں تسلسل لازمی ہے۔
دور اسلام ایک زندہ حقیقت نہیں رہتا جب تک اسلام کی شاہراہ حیات قائم ہے تو اہل عرب کے

مبانی اور معانی کبھی بھی پردہ تحریف کے پیچھے نہیں جاسکتے۔ ہر وہ مفسر جو بلف کے ذریعہ بلف سے بھر
 ۱۔ انکھیں بند کر کے قرآن کو نئے مطالب کا لباس پہنا رہا ہے اس سے دریافت کیجئے کہ تمہارے
 بیان کردہ مطالب کچھلے ادوار اسلام میں سامنے تھے یا نہ؟ اگر موجود کچھ تو تصحیح نقل اور ہر دور کے
 تفسیر کا مطالبہ کیجئے اور اگر وہ ان نئے مطالب کو کھلی تاریخ اسلام میں مفقود البیان بتائے تو پھر
 سوال کیجئے کہ کیا تمہارے خیال میں قرآن اتنا عرصہ ایک مردہ کتاب رہی اور تاریخ کے ان دوروں
 میں اس میں تحریف معنوی چلتی رہی؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں قرآن کے کسی حصے کی
 صحیح تعبیر کسی ایک مدت تک کیونچھ مقفود رہے؟ اس صورت میں کہنا پڑے گا کہ قرآن کریم کی ابدی
 حفاظت کا اعلان بالکل غلط اور بے معنی ہے یا کہ قرآن صرف نقوش کتابیہ کا نام ہے معانی اور مطالب
 مفہوم قرآنیت سے خارج ہیں۔ (معاذ اللہ)

یاد رکھیے اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور تاریخ کے ہر دور میں اس کی زندگی ضروری ہے
 قرآن پاک کی ابدی حفاظت خود رب العزت نے اپنے ذمے لے لی ہے اس کے معانی بھی محفوظ ہیں
 اور معانی بھی۔ ان میں تحریف کی کوشش کرنے والے خود تو تحریف قرآن میں لیکن قرآن ہرگز تحریف نہیں
 وہ ایک زندہ کتاب ہے اور اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔

قرآن پر تحریف کا الزام

اور مخالفین کے مغالطہ انگیز مسہارے

جن مخالفین اسلام نے مسلمانوں پر تحریف قرآن کا الزام لگایا ہے ان کے ترش میں صرف
 تین قسم کے تیر ہیں جن میں سے کوئی بھی نشانے پر نہیں لگتا۔ انہوں نے تفسیری روایات اور ذخائر
 حدیث سے اب تک جو مواد جمع کیا ہے وہ ان تین انواع سے خارج نہیں۔

① تفسیری مجملے

② منسوخ التلاوات آیات

③ تعدد فقرات

ان کے سوا کچھ ہے اور دمنلع و کذاب راویوں کے جھوٹ اور بہتانات ہیں جن

مفسرین کے عقیدے میں قرآن خود ایک غیر محفوظ کتاب تھی اور وہ موجودہ مرتب قرآن کو صحیفہ عثمانی کہہ کر صرف اور سبزل قرار دیتے تھے انہوں نے اپنے جرم میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے کچھ ایسی روایات ضرور گھڑ رکھی ہیں جو تحریف کا شبہ پیدا کریں لیکن ان راویوں کا کذب و زور ان کا مسلک کھلنے سے پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے مائتہ الورد و روایات زیادہ تر انہی تین اقسام پر مشتمل ہیں۔

① تفسیری نوٹ

مصلحہ کرام، ائمہ دین اور قدامتے مفسرین تقریباً سب کی زبان عربی تھی قرآنی مطالب کے حل میں بھی وہ عربی سے ہی کام لیتے تھے اور اسی زبان میں قرآن کی تفسیر کی جاتی تھی قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ان تفسیری جملوں notes کا سلسلہ بھی روایت ہوتا رہا۔ کتب حدیث و تفسیر میں کئی مقامات پر آیات قرآنیہ ان تفسیری جملوں کے ساتھ منقول ہیں جب یہ روایات قرآنی آیات سے کچھ مختلف نظر آتی ہیں تو مخالفین ذرا کہہ اٹھتے ہیں کہ دیکھو مسلم لڑیچہ میں بھی تحریف قرآن کی روایات موجود ہیں مگر یہ مخالفہ دیا جاتا ہے کہ یہ تفسیری جملے خود قرآن میں کیے گئے اضافے ہیں معاذ اللہ

② آیات منسوخ التلاوت

وہ آیات جنہیں آنحضرت پر کچھ وقت کے لیے نازل کیا گیا اور اس وقت کے گزرنے پر وہ قرآن کی حیثیت سے باقی نہ رہی تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہدایت اب ان کی تلاوت بھی باقی نہ رہی تھی۔ کتب حدیث و تفسیر میں کہیں ان کا ذکر مل جائے تو مخالفین ان کے سہارے قرآن کریم میں اشتباہ پیدا کرنے لگتے ہیں۔

ہمارا یہ دعوئے کہ قرآن کریم ہر طرح کی تبدیل و تحریف سے محفوظ ہے اس سے مراد وہ قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لیے چھوڑا اس کے بعد اس میں ذرہ بھر کی بیشی نہیں ہوئی اور وہ ہمیشہ کے لیے ہر تحریف سے محفوظ ہے اس اعلان تحفظ کا یہ مطلب نہیں کہ نزول قرآن اور تکمیل شریعت کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی کسی اہمیت کو منسوخ نہیں کیا۔ آنحضرت نے باذن الہی قرآن پاک کو نزولی ترتیب سے اصولی ترتیب کی طرف ٹوٹا یا منسوخ التلاوت آیات کو تلاوت اور

قرآنیت سے خارج کیا۔ ہاں اس آخری آسمانی کتب نے جو آخری شکل پائی اور جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الوداع کہا اب اس میں قیامت تک کے لیے کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی پہلے جو کچھ ہوتا رہا خود نبی کے ذریعہ ہوتا رہا اور باذن الہی ہوتا رہا کسی امتی کا دست تحریف اس آخری آسمانی کتب کو کسی دور میں بھی نہیں چھو سکا۔ ان منسوخ القراءت آیات کے ذریعے مسلمانوں کو تحریف قرآن کا الزام دینا کہاں کا فہم اور کہاں کی دیانت ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

③ تعدد قرأت

قرآن پاک کی سات قرأتوں کا مسئلہ صحف سبعہ کی بحث میں ہم نے تفصیل سے ذکر کر دیا ہے کہ قرآن پاک نفلت قریش میں نازل ہوا تھا لیکن آنحضرتؐ نے تسہیل امر و وسعت عمل اور دوسرے قبیلوں کے لہجہ و محاورہ کا پاس کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس میں کچھ وسعت چاہی تھی۔

اقرئنی جبریل علی حرف فواجعته فلم ازل استنیدہ ویزیدنی حتی

انتہی الی سبعة احرف۔

ترجمہ: جبریل نے قرآن مجھے ایک ہی حرف پر پڑھایا تھا میں نے اس کی طرف

مراجعت کی اور وسعت طلب کی وہ اور قرأت لاتے رہے اور یہ سلسلہ بحث

سات قرأتوں تک پہنچا۔

قرآن پاک ان سات قرأتوں میں سے کسی قرأت پر بھی پڑھ لیا جائے تو اس کی تلاوت پوری ہو جاتی ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ رحمۃ اللعالمین کی رحمت اور رافت کی انتہا ہے کہ اس باب میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اتنی وسعت سے سرفراز کیا۔ ہاں مصحف میں مرکزی قرأت اب ایک ہی ہے۔

اس اجازت اور اختلافِ قرأت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن پاک کی اس پہلی قرأت کا کسی کو انکار ہے یا اس میں تشکیک کے کاٹھے ہیں (معاذ اللہ) یہ سب قرأت آسمانی ہیں اور خود آنحضرتؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا دوسری کا انکار نہیں نہ اس پہلی کسالی

قرأت سے فرار ہے اور نہ اس سلسلہ وسعت سے قرآن کی قرأتیت بخدوش ہوتی ہے۔ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ یہ سات قرأتیں دین میں ایک ہیں ان کا حلال و حرام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔۔۔
کتب حدیث و تفسیر میں اگر کہیں کوئی مختلف قرأت منقول ہوتی ہے تو مخالفین اسے الزام تحریف کے لیے ایک سہارا بنا لیتے ہیں حالانکہ اختلاف قرأت سے تحریف ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔

تحریف کا الزام دینے والوں کی خدمت میں ۲ آخری فیصلہ کن گزارش

پورے اسلامی التزم پر اور سواد اعظم کے ذخیرہ حدیث و تفسیر میں سے ایک روایت یا ایک عبارت ہی ایسی پیش کیجئے۔۔

- ① جس کی نقل و مضامع و کذب قسم کے ناقلین کے ذریعہ سے نہ ہو۔
- ② اس روایت یا عبارت میں تفسیری جملے کا احتمال نہ ہو۔
- ③ وہ عبارت نہ منسوخ التواتر ہو نہ اس میں اختلاف قرأت ہو۔
بلکہ اس میں اس طرح کی تصریح ہو کہ۔۔

① یہ آیت اس طرح نہیں جیسا کہ پڑھی جاتی ہے بلکہ یہ تو اس طرح نازل ہوئی تھی۔ اس قسم کے الفاظ سے اس میں واقعی تحریف کا اقرار سمجھا جائے گا۔

② عبارت میں وہ کمی بیشی امت کے ہاتھوں واقع ہونے کی مزاحمت ہو وہ عہد نبوت سے
مآثور نہ ہو۔

③ وہ عبارت قرآنی مسئلے کا رُخ بدل دے اور اس کے راویوں کے ہاں اہل تواتر کسی جھوٹ پر جمع ہو سکتے ہوں۔

تحفظ قرآن کے عملی اسباب

یوں تو قرآن عزیز کی ابدی حفاظت کے خود رب العزت کفیل ہیں لیکن خدائے رب العزت نے عالم محسوسات میں اس کے کچھ عملی اسباب بھی پیدا فرمائے جن لغوس قدسیہ کو یہ توفیق حاصل ہوئی

کہ وہ تحفظ قرآن کے عملی وسائل بنیں وہ سب اس باب میں اللہ تعالیٰ کے ناسبن ہیں اصالۃ قرآن کا تحفظ رب العزت کر رہے ہیں اور نیا پتہ یہ حضرت قدسی صفات اس تحفظ قرآن کے عملی اسباب ہیں۔

① حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کے زمانے کی تمام قرآنی دستاویزات کو جو اس وقت تک متعدد صورتوں میں تھیں بڑے اہتمام سے یکجا کر لیا نئے سرے سے لکھوایا اور قرآن پاک آنحضرتؐ کی اختیار کردہ ترتیب کے مطابق یکجا جمع ہو گیا۔

② حضرت فاروق اعظمؓ نے قلم و اسلام میں تعلیم قرآن کا پورا اہتمام فرمایا ہر جگہ قاری اور معلمین مجبوراً اور تراویح کی مختلف جماعت کو ایک مرکزی جماعت پر جمع کر کے تحفظ قرآن کا مانگیر رنگ بنیاد رکھا۔ پوری دنیا کے عظیم اس تحفظ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

③ حضرت عثمان غنیؓ نے عہد صدیقی کے جمع کردہ قرآن کی متعدد نقلیں کر اگر سرکاری اہتمام سے اطراف بلاد میں بھجوا دیں اور ان کے سوا غیر مصدقہ نقول کو شائع نہ رہنے دیا غلط عبارات سب ضائع کر دیں گئیں اور قرآن ہر محلہ اشتباہ سے محفوظ ہو گیا۔

④ حضرت علی المرتضیٰؓ نے قرآن کی معنوی حفاظت کے لیے قرآن کی معنوی تحریف کرنے والے خوارج کے ساتھ جہاد کیا اور اس بات کی بنیاد رکھی کہ کلمہ پڑھنے والے بھی اگر تحریف معنوی کریں تو ان سے جہاد کیا جاسکتا ہے۔

⑤ حضرت زید بن ثابتؓ نے آنحضرتؐ کے زمانے میں کاتب وحی عہد صدیقی میں جامع قرآن عہد فاروقی میں معلم قرآن اور عہد عثمانی میں قرآن کریم کے ناقل اور ناشر تھے تحفظ قرآن کا عملی مرکز انہی کی ذات والا صفات ہے۔

پھر علوم قرآنی کے تحفظ میں رب العزت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی بزرگوں سے بیش بہا

لہ آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی۔ ان سنکھ من یقاتل علی فائیل
هذا القرآن کما قال قلت علی تزیلہ دسند احمد جلد ۲ ص ۸۲ بحاشیہ کثر الاحوال ترجمہ بے شک تم میں ایسے
لوگ بھی ہوں گے جو قرآن کے معانی کے لیے اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح میں قرآن پاک کی تنزیل
کے لیے جہاد کرتا رہا۔

خدمت میں۔ فخر اسم اللہ حسن العجز اور۔

ان نفوس قدسیہ کے بعد تحفظ قرآن کا یہ سلسلہ باعتبار معانی اور باعتبار مبنائی ہر اعتبار سے برابر چلتا آرہا ہے اور آج بھی حفاظ کرام نیابت خداوندی میں تحفظ قرآن کی عملی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ ملائکہ جن کے مطالب و معانی کی خدمت کر رہے ہیں اور حفاظت قرآن کا یہ سلسلہ انشاء اللہ العزیز فی طریق قیامت تک چلتا رہے گا یہ سب غلام قرآن نامہین ذات باری ہیں۔

فہمائے اسلام نے لکھا ہے کہ حفظ قرآن امت پر فرض کفایہ ہے۔ ہر علاقہ میں اگر کچھ لوگ بھی قرآن پاک حفظ کرتے رہیں، تو وہاں کے سب مسلمان اس طریقہ شریعی سے سبکدوش سمجھے جائیں گے اور اگر کسی علاقے میں کوئی بھی حافظ قرآن نہ ہو تو پھر وہاں کی پوری مسلم آبادی گناہگار ہوگی اور سب پر ترک فریضہ کا عملی بار آئے گا۔ بلکہ علامہ زکریا سے ملا علی قادری نقل کرتے ہیں کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن کا حافظ نہ ہو وہاں کے رہنے والے سب گناہگار ہوں گے لایہ کر وہ وہاں سے ہجرت کر جائیں۔

حفظ القرآن فرض کفایہ۔

ترجمہ قرآن کا حفظ کرنا امت پر فرض کفایہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ قرآن کی افادیت کے پیش نظر قرآن مجید لئے کو سب سے بڑا گناہ فرمایا ہے۔ آپ اپنا ایک مکانقہ اس طرح بیان کرتے ہیں:-

عرضت علی ذنوب امتی فلم اردنبا اعظم من القرآن اذیۃ اوتیہا رجل ثم نسیہا۔

ترجمہ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔ اور حضورؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:-

الذی یقرأ القرآن وما ھر بہ مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ ھو شدید علیہ لہ اجران۔

۱۔ شاہی جلد ۱۹۱۔ ۲۔ ترمذی جلد ۲۱۳۔ ۳۔ مشکوٰۃ۔ ۴۔ اسنادہ استغراب فان المطلب بن عبد اللہ لہ یثبت لہ ممالح عن النبیؐ۔ ۵۔ ترمذی عن عائشہؓ وابن ماجہ ص ۱۶۱۔

ترجمہ جو شخص قرآن پڑھنے میں ماہر ہو جائے تو وہ قرآن پاک پہنچانے والے
نیک اور بزرگ سفیروں کے ساتھ ہوگا اور جس شخص کو قرآن پڑھنے میں مشقت
ہوتی ہو اور پھر بھی پڑھتا رہے اُسے دُگنا اجر ہے۔

حاصل اینکه قرآن پاک پڑھنا ہرگز نہ چھوڑا جائے اس کی تلاوت اور قرأت سے ہر علاقے
میں زبانیں تڑپنی چاہئیں جنہیں اس کے حفظ کرنے کی توفیق میسر ہوئی وہ اس یاد کو محفوظ رکھنے
میں پوری محنت سے کام لیں۔ حفاظت قرآن کے یہ کام نیابتِ خداوندی میں امت کے سپرد ہیں کیونکہ
اس عالمی آخری آسمانی کتاب کی اُبدی حفاظت کا خود رب العزت نے تکفل فرمایا ہے۔

حفظ القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

دنیا کے علم میں الفاظ وہ قالب (ڈھانچے) ہیں جن میں معانی محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لفظ وہ ڈبیر ہے جس میں معنی حفاظت پاتا ہے۔ انسانی زندگی میں اصل معانی ہیں جن کا لین دین الفاظ کے پیمانوں سے ہوتا ہے یہاں بات کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے پیمانے کو چھڑاں قابل حفاظت نہیں سمجھا جاتا۔ خط ہوتا ہے ہم اسے پڑھتے ہیں بات معلوم ہو گئی اور بس — پھر ضروری نہیں کہ اس خط کی حفاظت کی جائے اصل چیز معنی و مفہوم تھا وہ حاصل ہو گیا۔ الفاظ اس کے تابع سمجھے جلتے ہیں ان کی زیادہ فکر نہیں کی جاتی۔

دنیا میں صرف قرآن ایسی کتاب ہے جس کے معانی و مطالب کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ کی بھی تلاوت جاری رہتی۔ اس کے معانی و مطالب، دعوتِ عمل (عمل کا پیغام) ہیں تو اس کے الفاظ بھی اتنے متبرک اور مقدس ہیں کہ ان کا پڑھنا بھی ایک مستقل عمل ہے اور یہ عبادت ہے اور اس پر ثواب مرتب ہوتا ہے اور عمل کی تو آگے شان ہی کیا ہے — گو یا قرآن صرف ایک ہدایت نامہ نہیں، ایک مقدس کلام بھی ہے جس کی مسلمانوں میں تلاوت جاری ہوئی۔ قاریوں نے اس کے مخارج کا حق ادا کیا اور علماء نے اس کے گرد اس کے مطالب کی حفاظت کا پہرہ دیا۔ دنیا میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کی تلاوت اس طرح جاری ہوئی ہو جو اس کو محنت اور مصافی سے پڑھتے ہیں وہ اس کے ماہرین ہیں اور جو اسے فربانی یاد کرتے ہیں یا سرورقت اسے اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ حملۃ القرآن ہیں اس کے حامل ہیں الفاظ کی اس محنت کے سبب قرآن پاک کی ابدی حفاظت کا الہی وعدہ پورا ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لایسب کتاب کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے لیکن وہ یہ کام حفاظت کرام سے لے رہے ہیں یہ وہ سعادت مند لوگ ہیں جن کے عمل سے قرآن کی حفاظت کا الہی وعدہ پورا ہو رہا ہے۔

قرآن کریم میں جس طرح علماء کا ذکر ہے شہداء کا ذکر ہے منافقوں کا اس طرح کہیں صریح سے ذکر نہیں ملتا۔ علماء نے اس سلسلہ میں جو آیات پیش کی ہیں وہ زیادہ تر علم سے متعلق ہیں حفظ سے نہیں مشائخ

یہ کہ یہ کتاب اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

بل هو آیات یتنات فی صدور الذین اوتوا العلم۔

اس میں قرآن کریم کے علم کی حفاظت مذکور ہے کہ اس کے الفاظ کی بھی حفاظت ساتھ ہو کسی نے اسے اٹھا کر لیا ہو یا کم و بیش۔ اب یہ کہ سارا قرآن لوگوں کے سینہ میں محفوظ ہو اس پر اس کی دلالت واضح نہیں گو یہ قرآن کی ابدی حفاظت کا ایک انداز ضرور ہے۔ مجموعی طور پر جسے حافظ کہتے ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں تلاوت کا ذکر ہے اس میں دونوں صورتیں آجاتی ہیں، ربانی تلاوت اور دیکھ کر تلاوت۔ تلاوت بہر حال تلاوت ہے اور یہ اس بات کی شہادت ہے کہ قرآن کریم صرف ایک ذخیرہ علم یا دعوت عمل ہی نہیں یہ کلام مقدس ہے اور محض اس کی تلاوت بھی موجب اجر و مستوجب ثواب ہے۔

حدیث میں ان لوگوں کے لیے جزا یادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے میں لگے ہوں یا اس کے سمجھنے میں محنت کر رہے ہیں اہل القرآن بھی کہا گیا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح حدیث پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کو احادیث کہا جاتا رہا اور تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر کہلاتے رہے۔ تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ حفاظ کرام بھی اسی صف میں (اہل قرآن کی صف میں) داخل ہیں۔ اسی طرح ماہر بالقرآن سے بھی اچھی طرح قرآن پڑھنے والا مراد ہے وہ دیکھ کر پڑھے یا یاد سے پڑھنے والا ہو دونوں اس میں آجاتے ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الماهر بالقرآن مع السفة الکرام والذی یتتبع ذہو علیہ مشاق لہ اجران متفق علیہ۔

ترجمہ: قرآن کریم پڑھنے میں مہارت رکھنے والا قرآن لائے والے فزشتوں کے ساتھ جگہ پائے گا اور جو شخص اس میں لکنت کرے اور اس کا پڑھنا اس پر گراں ہو پھر بھی وہ پڑھے تو اسے دوا بر ملیں گے۔

قرآن میں حفظ قرآن کے لیے جمع قرآن کے الفاظ

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے بارے میں تسلی دی گئی کہ اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور پھر اسے آپ کی زبان سے پڑھوانا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔ ارشاد ہوا:-

ان علينا جمعه وقرآنه . (الباقیہ ۱۷)

ترجمہ ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا اور پڑھانا (تیری زبان سے)

حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

جمع اللہ خب صدرك . اللہ تعالیٰ اسے آپ کے سینہ میں جمع فرمائیں گے

یہ قرآن کریم کا آپ کے خط میں آنا ہے۔ سو قرآن کے سب سے حافظ آپ ہوئے۔ پھر آپ سے جمع قرآن

کا یہ سلسلہ آگے چلا۔ مفسر قرآن حضرت قتادہؓ کہتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا:-

من جمع القرآن على عهد النبي صلى الله عليه وسلم.

حضرت کے زمانہ میں کس کس نے یاد کیا ہوا تھا۔

انہوں نے فرمایا:-

ادبعا كلهم من الاقصاء ابى بن كعب معاذ بن جبل وزید بن ثابت وابو زیدؓ

ترجمہ چار آدمیوں نے اور وہ چاروں انصار میں سے تھے

حضرت انسؓ سے شمامہ نے جو چار نام نقل کیے ہیں ان میں حضرت ابی بن کعبؓ کی بجائے حضرت

ابو الدرداءؓ کا نام ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں چار کا عدد صبر کے لیے نہیں متعدد حضرات حضرت کے عہد میں حافظ قرآن

ہو چکے تھے۔ ان دنوں حفظ قرآن کے لیے عام جمع کا لفظ ہی استعمال ہوتا تھا۔

حدیث میں حافظ قرآن کے لیے کیا الفاظ ہیں؟

حدیث میں حافظ قرآن کے لیے عامل القرآن کے الفاظ ملتے ہیں اگر اس کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا

ہے کہ جو قرآن کریم کو ساتھ ساتھ اٹھائے پھرے۔ لیکن یہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی نہ ابھی قرآن کریم ایک جگہ جمع ہوا تھا ہاں حافظ قرآن ضرور موجود تھے اور ان کے لیے صحیح بخاری میں جمع قرآن کے الفاظ ہی ملتے ہیں صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۹۸ میں ہے۔

لہ یجمع القرآن غیر اربعۃ۔

ترجمہ۔ چار شخصوں کے سوا کوئی پورا قرآن یاد نہ کر پایا تھا۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من جمع القرآن متعہ اللہ بعقلہ حتی یموت۔

ترجمہ جس نے پورا قرآن یاد کر لیا اللہ تعالیٰ اس کے حواس ۲ خرز زندگی تک قائم رکھیں گے۔

ہاں اُس دور میں حافظ قرآن کے لیے حامل قرآن الفاظ بھی عام ملتے ہیں اور یہ صرف انہی لوگوں پر ۲ کئے تھے جنہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں اٹھا رکھا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔

حملۃ القرآن اولیاء اللہ فمن عادہم فقد عادى اللہ ومن والہم فقد والہ اللہ۔

ترجمہ۔ قرآن کریم کو اٹھانے والے اللہ کے دوست ہیں جس نے ان سے عداوت رکھی اس نے اللہ سے عداوت کی اور جس نے ان سے محبت کی بے شک اُس نے اللہ سے محبت کی۔

اور آپؐ نے حضورؐ سے یہ بھی نقل فرمایا۔

ان اللہ لیغضب لئلا یغضبہ فاذا نظر الی حملۃ القرآن مثلاً وضحیٰ۔

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ کبھی حالت غضب میں ہوتے ہیں اور فرشتے اس کے غضب سے ڈب جلتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ حملۃ القرآن کو دیکھتے ہیں تو وہ غصا کوڑھا، الہی سے بھر دیتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔

لہ کثر العمال علہا مثلاً۔ رواہ ابوالحیثم باسناد ضعیف۔ رواہ الدیلمی بسند ضعیف۔

اشرف امتی حملۃ القرآن واصحاب اللیل رواہ الطبرانی
ترجمہ میری امت میں جسے لوگ حملۃ القرآن ہیں اور وہ لوگ جو رات بھر عبادت
میں لگے رہتے ہوں۔

۱ حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا۔

طوبی لاجواف تحمل هذا وطوبی لالسنۃ تنطق بهذا۔

ترجمہ خوشخبری ہے ان سینوں کے لیے جو قرآن کو اٹھائیں اور ان زبانوں کے لیے
جو اسے پڑھیں۔

یہاں بھی تحمل ہذا کے الفاظ میں حفظ کے نہیں۔

۲ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جنت میں ایک سیراب کر لے دلی نہر ہے جسے ریان کہتے ہیں

اس نہر پر ایک شہر آباد ہے جس کے ستر ہزار دروازے سولے اور چاندی کے ہیں۔ یکس لیے ہے۔

لحامل القرآن۔ قرآن کریم اٹھالے والے کے لیے۔

یہ شہر سب جنان کرام کی آرام گاہ ہو گا یا ایک ایک حافظ کے لیے یہ پورے شہر کی وسعت ہوگی۔ یہ

اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

حفظ قرآن کی محنت اپنے تاریخی تسلسل میں

پہلے حافظ خود حضرت علیؓ نے آپ کے سینہ میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو بٹھایا

پھر اللہ رب العزت کی طرف سے جبریلؑ ہر سال آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے اس سے قرآن
کریم اپنی اصلی ترتیب پر آجاتا اور یہ دوسری ترتیب صرف ترتیب رسمی نہ رہتی بلکہ اسے تو فیقی ترقیق
ملتی۔

۱ حضرت نے پھر اپنی امت کو بھی حفظ قرآن کی ترغیب دی اور اس کی ترغیب بطائف الطریق صحابہ

کے دلوں میں اتاری یہاں تک کہ حفظ قرآن علوم اسلامی کا ایک اہم موضوع بن گیا اور اب ہم دیکھتے ہیں
کہ مسلم دنیا کا کوئی کنارہ ایسا نہیں جہاں حفاظ کرام کی اچھی خاصی تعداد ہر دور میں نہ ملتی رہی ہو۔

۲۔ مخزن کی قرآن یاد رکھنے کی عام ترغیبات

① مخزن عمرؓ کہتے ہیں ۲۔ مخزن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انما مثل صاحب القرآن كمثل صاحب الابل المعقلة ان عاهد عليها اسكها
وان اطلقها ذهبت۔

ترجمہ۔ حافظ قرآن کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اونٹ باندھ رکھے ہوں۔ اگر
ان کی بھڑائی رکھے گا تو وہ انہیں رکھ سکے گا اور اگر انہیں چھوڑ دے گا تو وہ بھاگ
جائیں گے۔

اس میں آپ حافظ قرآن کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ قرآن کو پابندی سے پڑھتے رہو گے تو
یہ یاد رہے گا ورنہ بھول جائیگا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حفظ قرآن کی کتنی فکر تھی اور نہ چاہتے
تھے کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی آیت یاد کر کے پھر اسے بھلا دے۔

② حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

فاستذكروا القرآن فانه اشد نفصيا من صدور الرجال من النعم رواه البخاري
ترجمہ۔ قرآن کو یاد رکھو وہ انسانوں کے سینوں سے اس سے زیادہ جلدی جاتا
ہے جتنا اونٹ جلدی سے بھاگتے ہیں۔

③ ۲۔ مخزن صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو یاد رکھنے کو مال کا درجہ بھی دیا۔ ایک شخص شہابی کا طالب

تھا اس کے پاس ادائے مہر کے لیے کوئی چیز نہ تھی، آپ نے اس سے پوچھا۔

ماذا املك من القرآن؟

تجھے قرآن کی کچھ سورتیں یاد ہیں؟

اس نے کہا ہاں فلاں فلاں سورتیں مجھے ملتی ہیں آپ نے مزید پوچھا۔

اقروهن عن ظهر قلبك قال نعم قال اذهب فقد ملكها بما معلن القرآن۔

ترجمہ۔ کیا تو انہیں اپنی یاد سے پڑھتا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا جا میں نے

وہ عورت اس یاد قرآن کے عوض تیرے نکاح میں دی۔

اب یہ اس کے ذمہ ہوا کہ وہ اپنی اس بیوی کو قرآن کی یہ سورتیں پڑھائے۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ حضورؐ نے قرآن یاد کرنے کو کتنی اہمیت دی ہے۔ آپ کو اس بات کی بہت فکر رہتی تھی کہ مسلمانوں سے جہاں تک ہو سکے وہ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کر سکیں۔

④ حضرت موسیٰ الاشعریؒ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

تعاہدوا القرآن فوالذی فیہ مدہ فہو اشدّ قسّیاً من الاجل فی عقلہا۔

ترجمہ: قرآن کو پوری توجہ سے پڑھتے رہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اُونٹ اپنی رسیوں سے اتنا تیز نہیں بھاگتا جتنا قرآن بے پرواہی سے بدلہ بخول جاتا ہے۔

⑤ حضرت علی المرتضیٰؑ کہتے ہیں۔

من قرأ القرآن فاستظہر فاحل حلالہ وحرام حرامہ اذخلہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اہل بیتہ کلمۃ قد وجبت لہ النار۔

ترجمہ: جس نے قرآن پڑھا اور اسے ظاہر سے یاد رکھا اس کے حلال کو حلال جاننا اور اس کے حرام کو حرام سمجھنا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلہ دیں گے، اور اسے اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے حق شفاعت دیں گے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہو۔

استظہر کا معنی ہے حفظ عن ظہر قلبہ۔ اقرب الموارد میں اس کے معنی لکھے گئے ہیں۔

استظہر القرآن حفظہ وقرأہ ظاہراً ای حفظاً بلا کتاب۔

اس سے چھٹا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کریم پڑھنے کو کتنی اہمیت دی یہ آپ

کی طرف سے قرآن یاد کرنے کی ترغیبات میں، امام بخاریؒ نے اس مضمون پر یہ باب باندھا ہے۔

باب القراءة عند ظہر القلب۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کو کتاب پڑھنے میں جو فضیلت ہے وہ اس محنت کی ہے جو ماخذ قرآن کے یاد رکھنے کے لیے کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک مطلق قرأت کا تعلق ہے اس میں دیکھ کر پڑھنا اپنی آنکھوں

لے متفق علیہ۔ مرقاۃ احمد والنسائی وابن ماجہ۔ اقرب الموارد فی توضیح العربیۃ والشواہد ص ۲۳۷

کہ بھی اس سے منکر کرنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

قراءة الرجل القرآن في غير المصحف الف حرجة وقرأته في المصحف
تضعيف على ذلك الف حرجة۔

ترجمہ: بندے کا قرآن بغیر مصحف پڑھنا ایک ہزار درجہ کی فضیلت رکھتا ہے اور اس
کا دیکھ کر پڑھنا دو ہزار درجے کا اضافہ کرتا ہے۔

⑥ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے ہیں اے اس
سے بڑا کوئی اور گناہ دیا گیا کہ کوئی شخص قرآن کا کوئی حصہ یاد کرے اور پھر اسے بھلا دے۔
عرضت علی ذنوب اتی فلم اردنبا اعظم من سورة القرآن او آية۔

ہو یہاں جل ثم نسھا۔

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے ہیں اے اس سے بڑا گناہ نہ دیکھا کہ کوئی
شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت برے آتی تھی بھلا دے۔

⑦ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ما من احد تعلّم القرآن ثم نسي الا لقي الله يوم القيمة اجزم۔
ترجمہ: کوئی ایسا نہیں جس نے قرآن سیکھا اور پھر اسے بھلا دیا وہ قیامت کے
دن اللہ تعالیٰ کے حضور مجزوم بن کر آئے گا۔

پھر آپ کا نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنا اس امت کے ذوقِ حفظ کا پتہ دیتا ہے۔ قرآن
کریم نماز کے اندر پڑھا جائے تو اس کا ثواب نماز سے باہر پڑھنے سے کہیں زیادہ ہوگا، اس میں بھی
اس بات کی ترغیب ہے کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ حفظ قرآن کی دولت پائیں آپ نے فرمایا :-

قراءة الرجل في الصلوة افضل من قراءة القرآن في غير الصلوة وقراءة القرآن
في غير الصلوة افضل من التسبيح والتكبير۔

ترجمہ: آدمی کا نماز میں قرآن پڑھنا نماز سے باہر قرآن پڑھنے سے کہیں زیادہ افضل ہے
اور نماز سے باہر قرآن پڑھنا تسبیحات اور تکبیرات سے زیادہ افضل ہے۔

لہ روایہ البیہقی فی شعب الایمان لہ جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۱ لہ روایہ سلم والدارمی والبوداؤد و جلد ۱ لہ روایہ البیہقی والدارمی

حروف مقطعات پر بھی ثواب کا کھلا وعدہ ہے

معنی الفاظ کے ہونے میں حروف کے نہیں الفاظ حروف مرقعہ میں اور یہ جو کہ پڑھے جلتے ہیں حروف مقطعات علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں مگر نہیں جیسے الف لام میم انہیں الم نہیں پڑھا جاتا۔ اگر انہیں الم پڑھیں تو یہ حروف مرقعہ ہو جائیں گے حروف مقطعات نہ رہیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فله به حسنة والحسنة بئسرا لعلناھا۔ لا اقول الع حرف الف حرف و لام حرف و میم حرف بلہ

ترجمہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا (گو حرف کے کوئی معنی نہیں ہوتے) اس پر ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا ثواب بھی لاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے سو الم پڑھنے پر تین نیکیاں ملیں گی۔

قرآن کی تلاوت محض معانی کے لیے نہیں اس کے کلمات کا زبان پر لانا بھی ثواب ہے

مغربی قوموں میں اکثر مسیحی میسائیوں کی ہے عیسائی اپنی کتابوں کی اصل زبان کھچکے ہوئے ہیں اب ان کے ہاں کام صرف تراجم سے چلتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں ان کی کتابوں کے الفاظ معنی نہیں سو انہیں وہ کلام مقدس صرف معنی کے پہلو سے کہتے ہیں الفاظ و کلمات کی جہت سے نہیں لیکن مسلمان اپنی کتاب کے اصل الفاظ اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں وہ عربی نہ بھی جانتے ہوں ان کے پاس عربی قرآن مجید موجود ہوتا ہے۔ وہ جس ملک میں بھی جائیں قرآن ان کے پاس اپنی اصل زبان میں محفوظ ہوتا ہے۔

یہ مغربی قومیں چاہتی ہیں کہ مسلمان بھی کسی طرح اس موقف پر آجائیں کہ ان کے ہاں قرآن کے اصل الفاظ کا پہرہ باقی نہ رہے مغرب و مہملوں میں آج بھی کئی ایسے لوگ ملیں گے جو حفظ قرآن کی کثرت

کے خلاف ہیں اور دینی مدارس کے خلاف وہ اس قسم کی باتیں کرتے عام سُننے جابیں گے مثلاً۔

① جو لوگ قرآن پاک کے معنی نہیں جانتے اور وہ اس کے الفاظ طوطے کی طرح رُستے ہیں اس کا کیا فائدہ؟ علمی کتابیں عمل کے لیے ہوتی ہیں انہیں سمجھ کر ان پر عمل کیا جاتا ہے مسلمانوں نے اس کے الفاظ رُستے کو ہی بڑی نیکی بنالیا ہے؟

② مونیامیں کتابیں علم کا ذخیرہ ہیں۔ آپ اخبارات اور خطوط تو اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان کی باتیں ہمارے سمجھ میں آجائیں۔ تو یہ اللہ کی کتاب مہتاب ہے ہمارے ہاں اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی جتنی ان عام اخبارات اور مراسلات کی ہے؟

ہم جانا کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کے معنی کی افادیت سے کب انکار کیا ہے؟ جو اسے سمجھ کر پڑھتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اس کے کیا کہنے۔ وہ اس علم و عمل سے ایک بڑی دولت پاگیا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس کے الفاظ پڑھنا بھی ایک بہت بڑی دولت ہے اگر قرآن کریم کو بغیر سمجھے پڑھنا فضول ٹھہرے تو پھر تم اس بات پر ہجاء گے کہ نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جائے جس کو لوگ سمجھتے ہوں۔ مسجد نماز عربی زبان سے خالی کر لی گئی تو پھر آہستہ آہستہ اسلام کے یک بین اللہ والی دین ہو لے گا تصور اندر خود باقی نہ رہے گا اور یہی یہ مغربی عوام چاہتے ہیں جن کے شکار ہوئے لوگ اب مسلمانوں میں یہ بات پھیل رہی ہے کہ جس بات کو سمجھا نہ جائے اس کے ذریعہ عبادت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ قرآن پاک ایک مقدس کتاب ہے اس کے حروف و الفاظ اور کلمات سب مقدس ہیں۔ رمضان کے ختم تراویح میں اگر قرآن کا وہ حصہ پڑھا جاتا ہے جس کے معانی ہیں تو وہ بھی پڑھا جاتا ہے جو سرے سے الفاظ ہی نہیں حروف مقطعات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب الاریب کے حروف و الفاظ میں تاثیرات بھی رکھ دی ہیں ان سے بڑے بڑے روحانی علاج عملی ہوتے ہیں اور وہ تاثیرات اس کے الفاظ کی ہوتی ہیں معانی کی نہیں۔ بس کی بحث علاج بالقرآن کے عنوان سے آگے کہیں آئے گی۔

حفظ قرآن کا حتمی فائدہ

مسلمانوں میں انتظامی مسائل اور فقہی دلائل کے اعتبار سے اختلافات حضرت خاتم النبیین ﷺ کی

وفات کے پچیس برس بعد ہی شروع ہو گئے۔ روایات کے اختلاف میں ہر ایک کی ترجیحات اپنی اپنی تھیں یہاں تک کہ حدیث کے ذخیرے بھی ایسے ایسے تیار ہوئے جس میں اپنے اپنے مکتب فکر کی آواز زیادہ سنائی دیتی ہے۔ امام ابو داؤد (۲۴۵ھ) اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی حدیث کی کتابیں سب کے سامنے ہیں۔ موطا امام مالک (۱۷۹ھ) اور کتاب الآثار امام محمد (۱۸۹ھ) اپنے اپنے افکار پر مرتب ہوئیں لیکن یہ حفظ قرآن کی برکت ہے کہ مسلمانوں میں شدید ترین اختلافات کے باوجود قرآن پاک کا نسخہ ایک ہی رہا کسی فرقہ کی کراس کی کوئی متوازی کا پی بنانے کی جرأت نہ ہوئی اور مسلمانوں میں ایک ہی قرآن موجود رہا۔ اگر کوئی ناہنجار اس کی کوئی دوسری کاپی پیش کرتا تو وہ اس کے پیچھے اس کے خط کی تاریخ کہیں سے نہ لاسکتا تھا یہ حفظ قرآن کی بدولت ہے کہ قرآن پاک چودہ سو سال کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آج بھی ایک ہی ہے۔ اگر کسی یہودی صفت انسان نے روایات میں کوئی دوسرا قرآن تجویز کیا تو اس نے اسے کسی ویران غار میں جگہ دی پہلک کے سامنے دھجکا سے نہ لاسکا۔

مسلمانوں نے یقین کی دولت قرآن سے ہی پائی

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسلام پوری عہدیت سے آپ کے حاشیہ میں بیٹھے گا ہی نام تھا آپ کی وفات کے بعد ایسی مرکزیت کہ اس میں کسی کو کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ رہے قرآن پاک ہی میسر کر سکتا تھا۔ مسلمانوں نے اس کی اہمیت اہمیت اور زیر و زبر کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ امام غزالیؒ نے اس میں غلطی کے لئے کچھلی صاف سے لقموں کی صدائیں اٹھتی تھیں اور جب تک قرأت ہر ٹھک اور شبیہ سے صاف نہ ہو جائے نماز ادا نہ سمجھی جاتی تھی۔ اعاذ میں اختلاف ہو سکتا تھا کہ یہ حضورؐ سے ثابت ہے یا نہیں۔ مسائل فقہ میں اختلاف ہو تا تھا کہ ان کا استخراج اور استنباط صحیح ہے یا نہ؟ لیکن قرآن پاک پوری امت میں ایک ایسا مرکز یقین تھا جس نے پوری امت کو اپنے گرد جمع رکھا۔ یہ حفظ قرآن کی محنت تھی جس نے قرآن کریم کو یہ درجہ یقین دیا کہ مسلمانوں کی جو عقیدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی آپ کے بعد قرآن کریم وہ مرکز عقیدت بنا جس سے مسلمانوں نے یقین کی دولت پائی اور وہ اسی یقین سے آگے چلتے رہے۔

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے احادیث میں مختلف الفاظ

قرآن کریم زبانی یاد کرنے کے لیے مختلف قرآن کے الفاظ احادیث میں بہت کم ملتے ہیں اور وہ احادیث بھی زیادہ تر سخی کتابوں کی ہیں۔

- ① قُلُوا لِلّٰہِ کَمَا تَعْلَمُوْنَ حَفْظَہٗ۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۷۷)
- ② حَفْظَ الْغَلَامِ الصَّغِيرِ کَالْفَتْحِ فِی الْحَجْرِ وَحَفْظَ الرَّجُلِ بَعْدَ مَا یُکْبِرُ کَالْکِتَابِ عَلَی الْمَاءِ۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۷۷)
- ترجمہ: پھر بچے کا قرآن کو حفظ کرنا ایسا ہے جیسے پتھر میں کوئی الفاظ نقش ہو جائیں اور بڑے کا یاد کرنا ایسا ہے جیسے پانی پر کوئی چیز لکھی جاوے۔
- ماخذ کے لیے کہیں کہیں صاحب القرآن کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔
- ① اِنَّ اَصْحَابَ الْقُرْآنِ عِنْدَ کُلِّ خِمْتٍ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَشَجَرَةٌ فِی الْجَنَّةِ۔ (جامع صغیر جلد ۲ ص ۵۵)
- ② مِنْ دَعَا صَاحِبَ الْقُرْآنِ اِلٰی طَعَامٍ وَسَقَاہُ مِنْ شَرَابٍ لِّغَضَلِ الْقُرْآنِ اَعْطَاهُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ کَبَلًا حُرْفٌ فِی حَوْفِ عَشْرٍ حَسَنَاتٍ۔ (رواہ الدیلمی عن ابن عباسؓ)
- ③ اَنْتُمْ اَمْثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ لَمْثَلُ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعْلَقَةِ۔ (رواہ البخاری جلد ۲ ص ۵۵)
- ④ لَا یَنْبَغِ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اَنْ یَجِدَّ مَعَ جَدٍّ وَلَا یَجْهَلَ مَعَ مَنْ یَجْهَلُ وَفِی حَوْفِ کَلَامِ اللّٰہِ۔ (رواہ البیہقی والحاکم والطبرانی مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۵۵)
- حفاظ کرام کے لیے حامل قرآن اور حملۃ القرآن کے الفاظ عام ملتے ہیں مگر حافظ اسم فاعل کے صیغے میں نہیں کہیں نہیں ملا۔

- ① لِحَامِلِ الْقُرْآنِ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۷۷)
- ② حَمَلَةُ الْقُرْآنِ هُمُ الْمُحْفَوْنَ بِرَحْمَةِ اللّٰہِ۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱ ص ۲۷)
- ③ فِی الْجَنَّةِ نَهْرٌ یَقَالُ لَهُ الرِّیَّانُ... لِحَامِلِ الْقُرْآنِ۔ (رواہ ابن عمرؓ)
- ④ حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ رَايَةِ الْاِسْلَامِ۔ (جامع صغیر جلد ۲ ص ۵۵)
- ⑤ اِذَا مَا تَحَامِلُ الْقُرْآنِ اَوْحَى اللّٰہُ اِلَی الْاَرْضِ اَنْ لَا تَاکُلِ لَحْمَہٗ۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۷۷)

- ② ان حملۃ القرآن فی ظل اللہ یوم لا ظل الا ظله مع انبیاءہ واصفیاءہ۔ (ماہ صغیر ص ۲۳۵)
- ③ لحاصل القرآن اذا حمل بہ شفع فی عشرۃ من اهل بیتہ (رواہ احمد والبداء وادو ابن ماجہ والطبرانی)
- ④ اکرموا حملۃ القرآن فمن احکم مہم فقد اکرمنی.... فلا تنقصوا حملۃ القرآن حقہم.... کاد حملۃ القرآن ان یکونوا انبیاء الا انہم لا یوحی الیہم۔ (رواہ الدرر القطنی)
- ⑤ ثوی بحملۃ القرآن یوم الغیمۃ فیقول عزوجل انتم وعاء کلامی اخذتم بما اخذ الانبیاء الا الوحی۔ (رواہ الدیلمی)
- ⑥

قرآن یاد کرنے والے کو حافظ نہ کہنے کی وجہ

قرآن کریم کا حافظ اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر قرآن پاک کی انص واد رہے سو اسی کو حافظ قرآن کہنے کی شان زیبا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظ کریم کو عام طور پر حملۃ القرآن کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے یہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے حضور ادب کا ایک پیرایہ ہے کہ جو لفظ حقیقت اس کے لیے ہے آپ اے اس کے بندوں پر طلاق نہیں فرماتے اور اگر کہیں یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آپ نے کسی کو حافظ (اہم خال کے صیغہ میں) کہا تو اس کی تاویل کی جائے گی کہ یہ لوگ ارادۃ الہی کے لیے بمنزلہ اسباب استعمال ہوئے ہیں۔

حافظ قرآن کے مختلف درجات

قرآن کریم یاد کرنے والوں کے مختلف درجات ہیں۔ ایک وہ جنہیں قرآن کریم دل میں حاضر ہو، وہ اسے عن ظہر قلب پڑھ سکیں۔ ایک وہ جنہیں پورا قرآن نہیں ہیں بائیس پارے یاد ہوں ایک وہ جنہیں تین چند سورتیں ہی یاد ہوں اور سورہ فاتحہ کے حافظ تو سب مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنا قرآن قرآن کسی کو زیادہ ہو اسی پہلے پڑھنے پر اس کی عزت فرمائی ہے۔ مثلاً

- ① جنگ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو دو شہیدوں کو ایک جگہ دفن کرنا چاہتے تھے اب کس مناسبت سے ایک کو دوسرے سے پہلے قبر میں اتارا جائے۔ آپ دریافت فرماتے ان میں

سے زیادہ قرآن کے یاد تھا، جواب ملنے پر آپ اسے مقدم کرتے حضرت جابرؓ سے روایت ہے۔
 ثم يقول اتيمموا أكثر أخذ القرآن فان استعزى أحدكم فادمه في المحدث
 ترجمہ: پھر آپ پوچھتے ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد تھا، اگر آپ کو بتایا جاتا کہ
 اسے آپ اسے پیچھے فرما کر آگے لے کر کہتے۔

جس کو کچھ بھی قرآن یاد نہ ہو اسے آپ نے ایک دیران گھر سے تشبیہ دی وہ بالکل حافظ قرآن
 نہیں تبت کے اتنے درجے میں یعنی قرآن کی آیات میں معزم ہو کہ جو پورے قرآن کے حافظ نہیں
 وہ اپنے درجے سے آگے نہ جا سکیں گے تاہم ہر ایک کو درجہ اپنے اپنے حفظ قرآن کے مطابق ملے گا۔
 کبھی حافظ قرآن کا لفظ اس طرح بھی کہہ دیتے ہیں جیسے حدیث کے کثرت سے مطالعہ کر لے والے کو بھی
 حافظ الحدیث کہہ دیتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے ہر ایک حدیث یاد ہے۔ اس سیاق میں
 حضورؐ نے حمد القرآن کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کہتے ہیں کہ ۲۰ سخنرت علیؓ علیہ وسلم نے
 فرمایا :-

الا ادلكم على الخلفاء مني ومن اصحابي ومن الانبياء من قبلي وهم حملة
 القرآن والاحاديث مني وعنهم في الله والله ربه
 ترجمہ: کیا میں تمہیں اپنے اور صحابہؓ کے اور پیچھے انبیاء کے جانشینوں کا پتہ نہ
 دوں؟ وہ قرآن پاک کو اٹھانے والے اور احادیث کو اٹھانے والے
 اللہ کی راہ میں اور کس کی رضا میں۔

پورے قرآن کے ختم کی فضیلت احادیث میں

- ① اذا ختم العبد القرآن صلى عليه عند ختمه ستون الف ملك . (کثر اعمالہ)
- ② ومن شهد فتح القرآن فكانما شهد فتح المسلمين حين قطع ومن شهد ختم القرآن
 فكانما شهد الغنائم حين تقسم۔ (رواہ البیہقی)

(۳) اِذَا خَشِعَ احَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَنْسِ وَخَشِقْ فِيْ خَيْرِيْ . (کنز العمال جلد ۲۷)۔
 (۴) احب الاعمال الحب لله الحلال المرتحل الذی یضرب من اَوَّل القرآن الی اخره کما
 حل ارتحل . (رواہ الترمذی)

(۵) من ختم القرآن فله دعوة مستجابة . (رواہ الطبرانی مجمع الزوائد جلد ۲۷)۔
 (۶) ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اذخر اقل اعوذ برب الناس اختتم من الحمد
 ثم قرأ من البقرة الخ واولئك هم المفلحون ثم دعا بدعاء الحقة ثم قال۔
 (رواہ الدارمی کذا فی الاقناع من علوم القرآن)

ترجمہ: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی آخری سورت پڑھتے تو پھر قرآن
 کریم کو الحمد سے شروع کر دیتے اور پھر سورۃ البقرہ کی پہلی آیات اور اُولٰٓئِكَ هُمُ
 الْمُفْلِحُونَ تک پڑھتے۔ پھر آپ ختم قرآن کی دعا مانگتے اور پھر آپ تشریف
 لے جاتے۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ بات حضور کے عہد میں ہی واضح اور سلیح تھی کہ قرآن کریم کی آخری سورۃ
 قل اعوذ برب الناس ہے اور قرآن کی ابتداء سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرہ سے ہوتی ہے۔
 اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب حضور کی اختیار کردہ تھی اور یہ کوئی
 ایسی ترتیب نہیں جو صحابہ کے ہاتھوں پہل میں آئی ہو۔ صحابہ نے اسے اسی ترتیب پر جمع کیا جو وہ
 حضور سے سنتے تھے۔

یہ صلیح ہے کہ یہ ترتیب نزولی نہیں مگر اس میں بھی کسی شک کو راہ نہیں کہ یہ ترتیب رسولی
 ہے یہاں یہ بات حتمی و وارد ہوئی ہے اس کی اصل بحث ترتیب القرآن کے عنوان سے پیچھے ہو
 چکی ہے۔

ان اعداد میں قرآن پاک کو اسی ترتیب سے یاد کر لے کی ترتیب دی گئی ہے جو حضور نے
 اختیار فرمائی تھی اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

لسان القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لماعبد

قرآن کریم ایک مخزن علم ہے اور ظاہر ہے کہ علم کی اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان میں لائیں یہ اس کا لباس پہن لیتا ہے قرآن کریم کے حقائق اور احکام ہر زبان میں لائے جاسکتے ہیں اور ہر زبان میں انہیں بیان کیا جاسکتا ہے اور دنیا کی کوئی زبان نہیں جس میں قرآن کریم کا ترجمہ موجود نہ ہو۔

لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم علاوہ اپنے حقائق و معانی کے اپنے الفاظ میں بھی ایک معجزہ ہے اپنے خاص ادبی پیرایہ میں اپنے خاص اسلوب میں اپنی خاص ترتیب میں اور اپنی خاص لفظی حفاظت میں یہ شروع سے اودم عالم کے سامنے ہمیشہ ایک جلیج بن کر پیش ہوا ہے۔ اگر یہ انسانی کلام ہے تو تم بھی ایک اس عجیبی سحریت بنا لاؤ۔ ایک اتنی ایسی کتاب پیش کرے جس کا مقابلہ کسی شخص اور کسی قوم سے نہ ہو سکے تو ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت اپنی ایک زبان ہوگی اور اسے تاریخ کے کسی موڑ پر اس زبان سے الگ نہ کیا جاسکے گا۔ مسلمان جہاں بھی ہوں اور جس زبان کے بھی ہوں وہ قرآن کریم کو ہمیشہ اس کی اپنی زبان میں لے کر چلیں گے اور یہ زبان ایک خاص نقطہ ارضی کی ہی زبان نہیں وہ اسلام کی سرکاری زبان ہوگی اسے ہم یہاں لسان القرآن کے نام سے پیش کرتے ہیں۔

قرآن کریم ہمیشہ سے اپنے آپ کو قرآن عربی کے طور پر پیش کر رہا ہے اس کی کتابت جہاں کہیں ظاہر ہوئی اس کی عربیت ساتھ ساتھ رہی اور عربیت بھی وہ جسے عربی میں کہا گیا۔

قرآن کریم کا اپنے بارے میں دعویٰ کہ اس کی عربی زبان ہے

حَقُّهُ ۝ وَالْكِتَابُ الْمُبِينُ ۝ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝

(سُورَةُ الرَّحْمٰنِ)

ترجمہ قسم ہے اس واضح کتاب کی ہم نے کیا ہے اسے قرآن عربی زبان کا
نما کہ تم سمجھو۔

لَعَلَّكُمْ تَزِيلُ مِنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ. كِتَابُ فَضَّلْتُ آيَاتِهِ قُرْآنًا
عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ. (سُورَةُ هُودِ ۱۰۳)

ترجمہ۔ انا راہوا ہے بڑے مہربان رحم کرنے والے کی طرف سے۔ ایسی کتاب جس
کی آیتیں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں قرآن ہے عربی زبان کا ان لوگوں کے
لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

یہ ایک اُمّی کا کام نہیں اس کے پس پردہ کوئی اور ہے

ہم حضرت علیؑ کا اُمّی ہونا کوئی پردے کی بات نہ تھی اُوںچے طبقہ کے سب لوگ
راشرف قریش، جانتے تھے کہ آپؐ نے کسی دوسرے انسان کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا
اور نہ کہیں آپؐ نے کچھ لکھنے کی مشق کی ہے ایسا ہوتا تو پھر بے شک ان کے لیے شک کرنے کی کچھ
گنجائش تھی لیکن سب جانتے تھے کہ آپؐ ہی میں لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم آپؐ نے نہیں پائی۔
ان حالات میں آپؐ نے دفعہ ایک ایسی کتاب لکھائی شروع کر دی جو عجیب و غریب مضامین
پر مشتمل ہے اس کے حقائق اخلاقی اور علومِ عہد کائنات کو اپنے گہرے میں لیے ہوئے ہیں اور اس کی
ہدایات جملہ بنی نوع انسان کے لیے ایک فطری لائحہ عمل ہیں اور وہ اس کتاب معجزہ کو ترتیب دے رہے
ہے ان کی یہ بات قرآن کریم میں بھی اس طرح نقل کر دی گئی :-

وَلَقَدْ عَلَّمَهُ الْاَهِم يَقُولُونَ اَتَمَّا يَعْلَمُهُ بَشَرٌ لِّسَانِ الْاَلِهَةِ يَلْهَدُونَ اِلَيْهِ
اَجَعْتِ وَهَذَا الْاِنْسَانُ عَرَبِيٌّ مَّبِينٌ. (سُورَةُ النحل ۱۰۳)

ترجمہ۔ اور ہم خوب جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسے تو کوئی اور شخص قرآن دکھا جاتا
ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اس کی تو زبان ہی عجیب ہے اور یہ قرآن
عربی میں ہے

اس کے نام میں اختلاف ہے جبریل، عاتش، یعیش کی عجیب غلاموں کے نام

لیے گئے ہیں جن میں سے کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی، تعجب ہے کہ اتنے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے یقین اور تعین کے ساتھ یاد نہ رکھا اور جو ان سے یکجہ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے دنیا ان کے قدموں پر گر پڑی، حتیٰ کہ جنہوں نے ان کو بنی مذہب مانا دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا، وہ لوگ قرآنی علوم و معارف کو آپ کی امتیت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے اسی لیے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھاتا ہے بے شبہ آپ کھلائے ہوئے تھے لیکن سکھانے والا کوئی بشر نہ تھا وہ رب قدر تھا۔

یہاں اُمّی کا معنی ان پڑھ کا نہیں آپ اسی طرح اپنی حضرت پر تھے گویا آج ماں نے جنم دیا ہو اور آپ کی یہ امتیت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی آپ نے لکھنے کی کہیں مشق نہ کی تھی اور نہ لکھ سکتے تھے یہ وجہ تھی جس کے باعث ان مخالفوں نے یہ بات بنائی کہ آپ کے پس پردہ کوئی اور علمی شخصیت ہے۔ اسی عظیم قابلیت رکھنے والا انسان ایسا صاحب نظر و بصیرت اور ایسا فاضل ادیب خطہ حجاز میں کیسے چھپا رہ سکتا تھا؟ اور اس کی قابلیت کے یہ جوہر بدوں کسی تمہید و ارتقاء کے اس نقطہ کمال پر کیسے پہنچ گئے؟ یہ وہ سوالات تھے جو انہیں کسی عجمی شخصیت کی طرف اشارہ کرنے پر مجبور کرتے تھے اس کا جواب قرآن عزیز نے یہ دیا کہ قرآن کر عربی مبین ہے تم اسے کسی عجمی شخصیت کی طرف کیسے نسبت کر سکتے ہو۔

وانه لست ذلیل رب العالمین۔ نزل به الروح الامین۔ علی قلبک لتکون من المندبین۔ بلسان عربی مبین۔ (رپل الشعراء ۱۹۵)
ترجمہ۔ اور قرآن پروردگارِ عالم کا آئینہ ہے۔ اسے روح الامین آپ کے قلب پہلے کر اتارے ہیں تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ آئینہ ہے قرآن عربی مبین میں۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ۔

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر قرآنی علوم و معارف کے فقط معانی نہیں

اتارے گئے کہ پیغمبر نے انہیں آگے اپنے الفاظ کا جامہ پہنایا ہو بلکہ قرآن کی پوری عبارت آپ کے قلب مبارک اتاری جاتی تھی۔ اگر قرآن عزیز محض ایک الہامی کتاب ہوتی تو اس کے نزول کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہ ہوتی۔ زبان کا درجہ اسے نزول کے متعلق نہیں بلکہ بعد میں ملتا۔ حقائق کے لیے کسی زبان کی تخصیص نہیں ہوتی انہیں جس زبان میں لائیں وہ اسی قالب میں اتر آئیں گے علم کی اپنی کوئی زبان نہیں جیسے کہ زبان خود کوئی علم نہیں۔ قرآن پاک کا عربی مبین میں نازل ہونا اس امر کی کھلی شہادت ہے کہ یہ محض ایک الہامی کتاب نہیں جیسا کہ یہی تو میں انجیل کے بارے میں گمان کرتی ہیں یہ ایک الہامی inspired کتاب ہے جس کی پوری عبارت خدا کی طرف سے ہے۔

② قرآن کے لیے عربیت لازم ہے قرآن اسے ہی کہیں گے جو عربی میں ہو قرآن پڑھا بھی وہی ہے جو عربی میں پڑھا جائے اور قرآن لکھا بھی وہی ہوگا جو عربی میں لکھا جائے۔ قرآنیت عربیت کے بغیر متصور نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا الاصلیٰ القرآن کہ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہوتی۔ تو نماز کی زبان بھی عربی ہی ہوگی کیونکہ قرآن عربی ہی میں پڑھا جائے گا ترجمہ قرآن تو قرآن نہیں سمجھا جاتا۔ اظہار، اور الانوار اور توضیح وغیرہ کتب اصول میں ہے۔

هو اسم للنظم والمعنى جميعاً.

ترجمہ قرآن نام ہے ترتیب الفاظ اور معنی کے مجموعہ کا۔

ترتیب الفاظ زبان کے بغیر ممکن نہیں جب قرآن پاک کے الفاظ ایک نظم اور ترتیب رکھتے تو ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک اپنی زبان بھی ہوگی۔ قرآن کی یہ زبان عربی مبین ہے۔ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

هو اسم للفظ العربی المنظوم هذا النظم الخاص المكتوب في

المصاحف المنقول اليها نقلًا متواترًا والا عجمی اتمادیمی قولنا مجازًا

ولذا يصح في اسم القرآن عنده

ترجمہ قرآن اس کتاب کا نام ہے جو عربی نفلوں میں اس خاص نظم و ترتیب سے آری
جوان صحیفوں میں ہے جو ہم تک پہنچے۔ اس میں ان کی نقل متواتر ہے۔ اس کے
غیر عربی ترجمے کو مجازی طور پر قرآن کہا جاتا ہے اسی لیے اس سے قرآن کے نام
کی نفی درست ہوگی۔

فیہ کبر علامہ برہان الدین الرفیعی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس میں لکھتے ہیں۔
دیمع من کتابہ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع لاقہ یودی للاختلال بحفظ
القرآن لانا امنا بحفظ النظر والمعنی جمیعاً فانہ دلالة علی النبوة بلہ
ترجمہ قرآن مجید کو غیر عربی میں لکھنا بالاجماع ممنوع ہے کیونکہ الیہ کہ قرآن مجید کے
محفوظ رہنے میں رکاوٹ پیدا کر دے گا ہم لوگ قرآن مجید کے الفاظ و معنی دونوں
کی حفاظت کے مامور ہیں کیونکہ ہوت کی راہ کا پتہ اسی سے ملتا ہے۔

قرآن مجید غیر عربی میں لکھنے کے ممنوع ہونے سے مراد قرآن کے نام سے اسے غیر عربی میں لکھنا ہے
یہ تب ہے کہ بڑی عبارت لکھی ہو کسی اور عبارت کے ضمن میں ایک دو آیتوں کا غیر عربی میں لکھ
لینا اور انہیں مجازاً آیت کہہ دینا ہرگز منع نہیں اور پھر سے قرآن کو غیر عربی میں لکھنے کی ممانعت بھی
اسی صورت میں ہے کہ اصل عربی ساتھ نہ رہے اگر اصل عربی قائم رکھ کر اس کا ترجمہ یا تفسیر کسی اور زبان
میں لکھ لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

محقق ابن الہمام (۸۲۱ھ) فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

ان اراد ان یکتب مصحفاً بما یمنع فلن فعل آية اذایتین لا فلن
کتب القرآن وتفسیر کل حرف و ترجمة جزء۔

ترجمہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو فارسی میں لکھنے کا قصد کرے تو اسے روک دیا
جائے کیونکہ اگر الفاظ قرآن بھی ساتھ ساتھ لکھا جلا جائے تو پھر اس کا ترجمہ کرنا

لہ والظاهر ان الفارسیۃ غیر قید در رد المحتار شامی جلد ۱ ص ۲۵۵ لکھ لیا اخذ من المنفعة
القدسیۃ ص ۳۱ لفظہ حسن الشرینالی صاحب اور الايضاح ص ۲۵۵ فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۵۵ مطبوعہ مصر باب
کیفۃ الصلوة و نحوه فی رد المحتار جلد ۱ ص ۲۵۵

اور دوسری زبان میں تفسیر کرنا جائز ہے ہاں ایک دو آیتیں اکیلی غیر عربی میں لکھ سکتے ہیں۔

ایک شخص نے شیخ ابی بکر محمد بن فضل کے زمانے میں سوال کر لیا کہ ہمارے زمانے میں بچوں کو عربی پڑھنا شاق ہے تو کیا ہم انہیں فارسی زبان میں قرآن کریم پڑھا دیا کریں؟ اس پر شیخ نے فرمایا:-

ان هذا كان يريد ان يبطل كتاب الله.
ترجمہ: یہ شخص اللہ کی کتاب کو گم کر دینا چاہتا ہے۔
اور ہم فتوے لکھا:-

من تعمد ذلك يكون زنديقا او مجنونا فالمجنون يداوى والزنديق يقتل. ۱۷

ترجمہ: جو شخص قرآن پاک کو عربی کے سوا کسی اور زبان میں عمداً لکھے وہ یا زندقہ ہو سکتا ہے یا دیوانہ۔ اگر دیوانہ ہے تو اس کا علاج کرایا جائے اور زندقہ ہے تو قتل کر دیا جائے۔

آئیے اب اس مسئلہ میں جنہی فقہ کا بھی مطالعہ کریں سعودی عرب میں امام احمدؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا جاتا ہے منعی ابن قدامہ کے حاشیہ میں ہے:-

قام بعض المرتدين من اعاجم هذا العصر يدعون الى ترجمة القرآن وانما مرادهم التوسل بذلك الى سهيل الردة على قومهم ونبذ القرآن المنزل من عند الله ودعاء ظمورهم وهو انما نزل باللسان العربي كما هو مصرح في الايات المتعددة. ۱۸

ترجمہ: اس زمانہ کے عجمی لوگوں میں بعض مرتدین لوگوں کو محض ترجمہ قرآن کی دعوے سے رہے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی قوم پر تردید ہونے کی راہ آسان کر دیں اور اس قرآن کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عربی زبان میں اترا تھا پس پشت ڈال

۱۷ کفایہ شرح ہدایہ بہاش فتح القدیر جلد ۲ ص ۲۴۹ ۱۸ المنعی مع الشرح البکیر جلد ۱ ص ۵۳

دیں وہ تو عربی میں اترتا تھا اور قرآن کا عربی میں اترنا کسی آیات میں تصریح کے ساتھ موجود ہے۔

مالکی مسک کے مقتدر عالم ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی لکھتے ہیں :-
 امر معمر بن الخطاب ان لا یقرأ القرآن الا عالم بالعربیۃ۔ (الذکار)

ترجمہ حضرت عمرؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ قرآن وہی شخص پڑھے جو اکثری میں شہر مکتا ہو۔
 علم و ترقی کے اس دور میں کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو علماء کے خلاف انہماک و نفرت اپنی ترقی پسندی کا نشان سمجھتے ہیں اور محض اس لیے کہ وہ علم دین اور متدین کے ہاں ادا و خیال سمجھے جائیں اعمال دین۔ شاعر اسلام اور علمائے کرام کے خلاف وہ طرح طرح کے ریمارکس پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بار بار یہ بھی کہتے گئے سُنئے گئے ہیں کہ علماء نے قرآن کا ترجمہ کرنے کو کفر قرار دیا تھا اور دہلی کے علماء انگریزی سیکھنے کو حرام قرار دیتے تھے۔

اس قسم کی باتیں حقیقت سے خالی ہیں۔ علمائے اسلام کا فتنے ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ کرنا بالکل جائز اور صحیح ہے اور وہ علماء قرآن کریم کے اردو ترجمے کے ثابت کر چکے ہیں کہ ترجمہ قرآن کرنا جائز قرار دینا ہم پر علم دین کی ایک تہمت ہے۔ اسی طرح دوسری کوئی زبان سیکھنی کوئی عیب نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ من تعلّم لسان قومہ امن شرہم۔

ترجمہ۔ جو شخص کسی قوم کی زبان سیکھ لے وہ اس کے شر سے امن میں آجاتا ہے۔
 ہاں زبان سیکھنے سے مراد اگر یہ ہو کہ اپنی تہذیب اور اپنے کلچر کو حیرانگی تہذیب اور کلچر میں گم کر دیا جائے اور مسلمان اپنی اصل کو محو کر جائے تو یہ بے شک جائز نہیں۔ جہاں تک اصل ترجمے کا تعلق ہے اس کا کوئی مخالف نہیں۔ ہاں ترجمے کی کچھ شرائط ضرور ہیں اور جو شخص ان شرائط کو پورا نہ کر پائے اس کے لیے ترجمہ کرنا ضروری نہیں۔

ایک مُحمدانہ راہِ عمل

بعض لوگ اُردو و غیرہ میں نماز پڑھنے کی مُحمدانہ راہیں ہموار کر رہے ہیں وہ قرآن کریم کی اس آیت سے استہلال کرتے ہیں :-

لا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ. (پہ انشاء ۴۷)

ترجمہ: نماز کے قریب نہ آنے کی حالت میں نہیں بلکہ اس وقت جبکہ تمہیں علم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ نماز اسی زبان میں پڑھنی چاہیئے جس میں ہمیں پتہ چل رہا ہو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

جو آپا گذارش ہے کہ یہاں علم کا اجمالی درجہ مطلوب ہے پورا علم سرگز مراد نہیں اگر کسی نمازی کو اتنا معلوم ہو کہ وہ سبحانک اللہم پڑھ رہا ہے یا سورۃ فاتحہ، انتہیات اس کی زبان سے نکل رہا ہے یا وہ قتل ہو اللہ احد کی قرأت کر رہا ہے، درود شریف پڑھ رہا ہے یا تسبیحات کہہ رہا ہے تو علم کے اس اجمالی درجہ سے اس شخص کی نفی ہو جاتی ہے جس کے ہوتے ہوئے اس نماز کے قریب آنا منع تھا یہاں علم کا مقابلہ جہل سے نہیں نہتے سے ہے۔ اگر کسی کو اس درجے میں علم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور اس کی زبان سے کیا نکل رہا ہے تو وہ پورا مکلف ہے کہ نماز پڑھے اسے بصورت جہل نماز سے کنارہ کش ہونا ہرگز جائز نہیں ترجمہ آتا ہو تو بڑی سعادت ہے اور عبادت کی پوری لذت ہے لیکن ترجمہ کو اس اہمیت کی زور سے ضروری قرار دینا یا نماز ہی اپنی جانی ہوئی زبان میں لے آنا اس کا اس اہمیت میں کوئی جواز نہیں۔ جو لوگ بے ہوشی اور نشے میں ادھر ادھر کی لائینی باتیں کرتے ہیں وہ ان باتوں کی زبان سے جاہل نہیں ہوتے بے ہوشی کی بنا پر ان باتوں کی مرادات اور ان کے مصداق سے غافل ہوتے ہیں۔

نماز کو اردو میں لانے کی تحریک خطبہ عبادت کی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ پہلے خطبہ عبادت کو اردو لانے کی کوشش کی جاتی ہے پھر پھر لڑان اور نماز دونوں کے لیے میدان ہموار ہو جاتا ہے۔ پیش نظر ہے کہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عید خطبہ عبادت ہیں خطبہ تعلیم نہیں۔ تذکیر و تعلیم ان میں ضما آتی ہے اصلاتیہ ذکر و عبادت ہیں ان کے علاوہ خطبات تعلیم بھی ہیں جن کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں شخصیت اور خلفائے راشدین نے خطبات تعلیم بلا تعین اوقات ارشاد فرمائے خطبات تعلیم اسی زبان میں ہونے چاہئیں جسے سامعین سمجھ رہے ہوں لیکن خطبہ عبادت اسی زبان میں ہونا ضروری ہے جو ہماری مرکزی عبادت (نماز) کی زبان ہے۔ اگر کچھ اصحاب توفیق معنی بھی سمجھتے جائیں

اور نصیحت لیتے رہیں تو زہے قسمت لیکن اگر کچھ لوگ مطالبہ مذہب یا سکیں تو عبادت ان کی بھی ادا ہو جائے گی وہ تذکیر سے تو محروم رہے مگر ذکر کی فضیلت انہوں نے بھی پالی جو حضرات خطبہ جمعہ کو اصالتہ خطبہ تعلیم اور مناسبات سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ اصالتہ خطبہ عبادت ہے تعلیم منشا ہے۔

جن لوگوں نے خطبہ کو اردو میں لانے کی کوشش کی ہے وہ دراصل خطبہ عبادت اور خطبہ تعلیم میں فرق نہیں سمجھتے وہ اس کے نتائج پر بھی نظر نہیں رکھتے کہ بالآخر یہ نماز کو اردو میں لانے کی ایک کڑی ہوگی۔ یاد رکھیے کہ قرآن کریم نے خطبہ جمعہ کو ذکر قرار دیا ہے۔ تذکیر نہیں کہا لہذا منشا اس کا تحقق بھی ہو جائے۔

فاسعوا الخ ذکر اللہ (پہلا اجماع)

ترجمہ جب تمہیں جمعہ کے دن بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ۔

عربی مسبین سے مراد

اس بات کی وضاحت کے بعد کہ قرآن کریم کی زبان عربی مسبین ہے۔ یہ جاننا چاہیے کہ عربی مسبین سے کیا مراد ہے اس کے لیے اس کا پس منظر یاد رکھیے :-

جاہلیت کے عرب صلاح و مشورہ اور اجتماعی فکر و تعمیر کی خوبیوں سے پورے آشنا تھے۔ وہ اس قسم کے اجتماعات چھوٹی مجلسوں سے لے کر اسواق (میلے) تک بڑے اہتمام سے منعقد کرتے ان دنوں بھی عربوں کا اجتماعی مرکز اور کعبہ عقیدت مکہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا تاریخی اجتماع سوق عکاظ کہہ ہی قریب منعقد ہوتا۔ یہ بازار ذیقعد کی یکم سے لے کر بیس تاریخ تک نکار رہتا اور تمام ادبی ادبی شعری تجارتی اور قومی مہمات یہیں طے ہوتیں۔ شاعروں اور خطیبوں کو اپنے اپنے کمالات دکھانے کا یہی موقع ملتا تھا۔

قریش مکہ کے رئیس اور خاندان کعبہ کے متولی تھے۔ انہیں مارے عرب میں نہایت عزت اور احترام سے دیکھا جاتا تھا رحلة الشتاء والیاف میں صرف وہی اشرف رستوں کے خوف و خطر سے

لہ اطعمہم من جوہر وامنہم من خوف (پہلا قریش)

محفوظ تھے، سوقِ محاکمات میں بھی انہی کا اقتدار و اختیار چلتا تھا۔ وہ مختلف اطراف سے آئے ہوئے ہل کمال کے اشعار و خطبات کو کپوری توجہ سے مٹھتے ان کے بہترین الفاظ عمدہ ترکیبات اور محاورات کو اپنالتے اور اپنی زبان کے کمزور پہلوؤں کو حرک کر کے چلے جاتے۔ یہاں تک کہ ان کی زبان بلاغت کی انتہا کو پہنچ گئی۔ سالہا سال کی ارتقائی منزلوں سے گزر کر جب یہ زبان اپنے نقطہ کمال کو پہنچی تو اس نے عربی مبین نام پایا۔ ملک کا علمی اور ادبی معیار یہی قریش کی زبان تھی اور اسی زبان میں قرآن پاک نازل ہوا۔ حضرت امیر عثمانؓ نے کاتبین قرآن کو نصیحت فرمائی تھی :-

فاكتبوها بلسان قريش فان القرآن انزل بلسانهم

ترجمہ اے قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن پاک انہیں کی زبان میں نازل ہوا ہے۔
قرآن پاک میں غرائب لغات بھی ہیں۔ یہ عربی مبین کے متغی نہیں ان غرائب سے قرآن پاک کے ذوق عربیت اور اس کی ادبی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے :-
اعربوا القرآن والتمسوا غرائبہ۔

ترجمہ قرآن کے معانی اچھی طرح سمجھو اور اس کے غرائب کی تحقیق کرو۔

غرائب سے وہ الفاظ و محاورات مراد ہیں جو عام عربوں میں معروف نہ تھے۔ علامہ زجاج اخفش ابن ددید اور راضی نے بہت سے غرائب قرآن کی نشاندہی کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ذوق عربیت منتہائے کمال پر تھا۔ اہل علم کا اختلاف ہے کہ قرآن پاک میں معرب الفاظ وارد ہیں یا نہ۔ حضرت امام شاہی، ابن جریر، ابو عبیدہ، قاضی ابوبکر باقلانی اور ابن فارس جیسے اکابر قرآن کے کسی لفظ کو معرب (عربی میں لایا ہوا) تسلیم نہیں کرتے وہ ان روایات کو جن میں بعض الفاظ قرآن حبشی، رومی، بنطی اور فارسی کے بیان کیے گئے ہیں۔ توارد لغات اور استناد اسناد پر محمول کرتے ہیں دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں کئی الفاظ معرب ہیں مگر ان کا ہونا عربی مبین کے خلاف نہیں وہ ان معرب الفاظ کی پوری نشاندہی کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک قرآن کریم کا کوئی لفظ اس طرح تو معرب نہیں کہ قرآن نے خود کسی غیر عربی

لہ جامع بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۷۷ رواہ البیہقی یہاں اعراب سے مراد تحریروں کی اصطلاح نہیں مطلق لفظ معانی مقصود ہے لہ دیکھئے الاعتقان فی علوم القرآن جلد ۱ ص ۱۸۷

لفظ کو عربی میں داخل کیا ہوا البتہ غیر زبانوں کے وہ الفاظ جو نزولِ قرآن سے پہلے عربوں میں آچکے تھے اور قریش عرب انہیں عربی میں اپنا چکے تھے ان میں سے بعض الفاظ قرآن میں ضرور وارد ہیں۔ سہلے نزدیک یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ قرآن کجیم کی عربیت عربی میں کی شان سے کہیں نہیں گرتی اور زبان کی شوکت و جلالت اور فصاحت و سلاست ہر مقام پر قائم رہتی ہے۔

قرآن کے قریب کرنے والی دوسری زبانیں

قرآن کے حروف تہجی کئی مشرقی زبانوں میں ہر جہو پائے جاتے ہیں عربی فارسی اردو سندھی اور پشتو کے ابجد ایک ہیں۔ انیسویں صدی تک ترکی بھی انہی ابجد میں لکھی جاتی رہی ہے۔ مسلم سلاطین ہندوستان نے تو وہ اپنی فارسی زبان ساتھ لائے اور دیکھتے دیکھتے فارسی زبان پر ہندوستان کی بگڑی زبان بن گئی۔ ہندوستان میں زیادہ آبادی اگرچہ ہندوؤں کی تھی مگر مسلمان اپنے کچھ اور اپنی سرکاری زبان سے پورے ہندوستان پر چھانکے تھے یہی طرح ہوا ہے جس طرح انگریزوں کی آمد سے برصغیر پاک و ہند میں انگریزی زبان کا عروج ہوا اور سکولوں اور دفاتروں میں انگریزی کچھ چھا گیا کسی تہذیب کو قریب لانے یا دور کرنے میں اس کی زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے۔

قرآن کے حروف تہجی جن جن زبانوں میں آکے ہیں وہ زبانیں اسلامی تہذیب میں اپنی تدریج رکھتی ہیں۔ فارسی اور اردو میں جتنا اسلامی لٹریچر آچکا ہے اس کا ایک فیصد بھی ہمیں ہندی چینی اور جاپانی زبانوں میں نہیں ملتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں اسلام پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن اس میں زیادہ کام خود مستشرقین کے ہاتھوں ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اسلامی لٹریچر ابھی تک یورپ میں اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کو نہیں لے جاسکا۔

ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کر دیا گیا

پہلی جنگ عظیم میں اترک جرمنوں کے ساتھ تھے اور یورپ کا یہ مرد بیدار ابھی تک مخالفت کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے جرمنوں کی شکست کے بعد ان کے اتحادی بھی انگریزی استقام کی زد میں آئے انگریزوں نے اس لیے کہ آئندہ ترکی مسلمانوں کی سیاسی قوت نہ بن سکے ترکی زبان کو عربی حروف سے خالی کر لے اور انگریزی حروف تہجی میں لانے کا فیصلہ کر لیا اور دیکھتے دیکھتے ترکی زبان ایک مشرقی زبان کی بجائے

یورپ کی زبانوں کا ایک حصہ بن گئی اور ان کی تہذیب قرآن کے حروفِ تہجی سے یکسر دُور ہو گئی۔
ہندوستان میں بنگال سب سے بڑا اسلامی صوبہ تھا، انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ہر
ممکن کوشش کی کہ یہاں کی علمی زبان بنگو رہے۔ اس کے ادب کی ایک اپنی چھاپ ہو یہ اس لیے
کہ ان کی عام زبان جہاں تک ہو سکے قرآن کے حروفِ تہجی سے دُور رکھی جائے اور عربی یہاں اسلامی
تہذیب اور کچھ میں بنیادی حیثیت حاصل نہ کر پائے۔

صوبہ بنگال میں بھی مسلمان ایک بڑی تعداد میں تھے یہاں گجراتی زبان بولی جاتی تھی یہاں
بھی انگریز حکومت کی یہ مصیبت رہی کہ اردو یہاں کی عام زبان نہ ہونے کے باعث اردو کے حروفِ
تہجی اور قرآنِ کریم کے حروفِ تہجی ایک سے ہیں اور گجراتی کے حروفِ تہجی قرآنِ حوالے نہیں۔

تھریک پاکستان میں مسلمانوں نے جہاں اپنی جداگانہ تہذیب کا غور لگایا وہاں ایک یہ تحریک
بھی تھی کہ مسلمان جس صوبے میں بھی ہوں وہ اپنی سرکاری زبان اردو لکھائیں اس میں سبھی ایک مصیبت
تھی کہ مسلمانوں کو ایک قوم بنانے کے لیے انہیں ان زبانوں پر لانا پڑا ہے جو عربی حروفِ تہجی میں لکھی
جاتی ہیں اور قرآنِ کریم تمام ممالک اسلامی میں اپنے عربی حروف میں بھی پڑھا جائے اسے عربی حروف
سے نکالنے اور رومن حروف میں لانے کی ہر کوشش ناکام بنا دی جائے۔

مسلمان جہاں بھی گئے قرآنِ کریم کو عربی زبان میں لے کر گئے اور انہیں ممالک کی کوئی
مصیبت قرآن کی زبان سے بے گانہ نہ کر سکی۔ یورپ ہدیا کینیڈا و امریکہ چین ہو یا جاپان بنگلہ دیش
ہو یا برما یا اسام یا افریقہ کا کوئی ملک، جہاں بھی مسلمان ہیں ان کی منازیں اور ان کی اذانیں سب
عربی میں ہو رہی ہیں اور قرآن کی زبان صرف عرب ممالک کی زبان نہیں اسلام کی سرکاری زبان بھی
ملتی جاتی ہے۔

اس پہلو سے عربی کو قرآن کے نام سے پیش کرنا اور جہاں تک ہو سکے
اپنے کچھ قرآن کے حروفِ تہجی کے قریب کرنا تمام مسلمانوں کا مشترک فریضہ ہے یورپ کے مسلمانوں
کو چاہیے کہ قرآنِ کریم کو رومن حروف میں لانے سے یکسر بچیں اور قرآن کے غلام کے طور پر جہاں بھی ہو
سکے ان زبانوں کے قریب آئیں جو قرآن کے قریب کرنے والی ہوں۔ قرآنِ کریم کو دشمنی رسمِ اٹھانے سے
بچانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

اپنی تہذیب اور کلچر کا تختہ بدمردت ضروری ہے، زبان اپنے کلچر کا حصہ ہوتی ہے
 اور مشرقی اقوام کی اپنی مشرقی زبانوں سے دُوری بالآخر انہیں اپنی اصل سے بے گانہ کر دیتی
 ہے۔ اسلام کو مشرق اور مغرب دونوں کے لیے ہے لیکن اس میں بھی کسی شرمک کو راہ نہیں
 کہ اس کی ابتداء مشرق سے ہوئی تھی۔

ترجمۃ القرآن

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امجد :

ملک اپنی کوئی زبان نہیں ہوتی اسے جس زبان کا بھی لباس پہنائیں پہن لیتا ہے۔ قرآن کریم ایک نہایت اہم علمی دستاویز ہے لوگوں کو اس کے مطالب سے آشنا کرنے کے لیے اس کے تراجم ہر زبان میں ہونے چاہئیں۔ باوقاف عہد النور میں بھی اس کے حوالے زیر بحث آجاتے ہیں۔

عیسائی مشنری اور قادیانی مبلغین بھی کئی دفعہ مسلمانوں کو گھیر لیتے ہیں اور قرآن کے حوالے سے وہ کچھ کہتے ہیں جو قرآن نے نہیں کہا ہوتا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس کوئی صحیح ترجمہ قرآن ہو تاکہ لوگوں کو ان دلوں قوموں کے خنث استہلال پر مطلع کیا جاسکے۔ علمی پہلو سے ترجمہ قرآن کی ہر غیر عرب کو ضرورت ہے اس سے ہر شخص کو اسلام کے بارے میں کچھ ابتدائی درجے کے معلومات حاصل ہو جاتے ہیں پھر اس کا مطالعہ جتنا گہرا ہوتا جائے گا وہ اس کے گہرے مطالب کے بھی پاسکے گا۔

ابتدائی قرآن کریم کے مشکل اور پیچیدہ مقامات کو صرف تراجم کے ذریعہ سمجھا نہیں جاسکتا۔ ان کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے یہ قرآن ہے تو سب مسلمانوں کے لیے لیکن اسے سمجھنے صرف عالم ہیں۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَها لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُها إِلَّا الْعَالِمُونَ (پہلے انکسیرت ۴۴)

ترجمہ اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن سمجھتے انہیں صرف علماء ہیں اور پھر علماء بھی مختلف درجات کے ہیں ان میں سب سے اونچے وہ حضرات ہیں جو اجتہاد کے درجے کو پہنچے ہوئے ہوں یہ ترجمہ کی افادیت ہیثیت علمی پہلو سے ہے عبادت کے پہلو سے ترجمہ قرآن ہرگز قرآن نہیں قرآن وہی ہے جو کلام الہی ہے اور اس کا نظم حروف اور نظم الفاظ سب خدا کی طرف سے ہیں۔

عبادت کے طور پر جو قرآن پڑھا جائے وہ عربی ہی میں پڑھا جائے گا جسے پاک ہاتھوں کے سوا کوئی نہ چھوئے وہ یہ عربی الفاظ ہی ہیں ترجمہ سے اس کی صرف علمی خدمت ہوتی ہے۔

ترجمے کی شرائط

- کسی کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں لے جانے کے لیے چند شرطیں ہیں :-
- ① مترجم دونوں زبانوں میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ خصوصاً جس زبان سے ترجمہ کرنا ہے اس پر پورا عبور ہو۔ اس کے ادب، اسلوب، لغات، محاورات اور گرائمر پر پوری پوری نظر ہونی چاہیئے۔
 - ② جس عبارت کا ترجمہ کرنا ہے اس میں اگر کئی معنوں کا احتمال ہے تو ترجمہ میں خاص ایک معنی کو نہ لیا جائے بلکہ اس کے لیے دوسری زبان کے بھی ایسے ہی الفاظ لائے جائیں جو اصل کی طرح خود کئی معنوں کے محتمل ہوں۔
 - ③ اصل کلام میں اگر تخصیص، تعمیم یا احتراز و اطلاق کی قیود موجود ہیں تو دوسری زبان میں بھی ویسی ہی قیود لنگانی چاہئیں کنایات و استعارات کو صراحت اور حقیقت میں لانے کی بجائے دوسری زبان میں بھی کنایات اور استعارات کی صورت میں ہی ترجمہ کرنا چاہیئے۔
 - ④ علمی اور مرکزی کتابوں کے ترجموں میں کسی ایک علاقے کے محاورات کی پابندی نہیں ہونی چاہیئے انہیں دوسری زبان کے ایسے انداز میں ترجمہ کرنا چاہیئے جو زیادہ سے زیادہ آبادی کے لیے سمجھنے کا موجب ہو۔
 - ⑤ ترجمے کو اصل سے بڑھنے نہ دے اپنی کسی خاص غرض کے لیے پہلے ترجموں میں تصرف کرنا یا میں القومین جیسے ساتھ لگانا ترجمہ نہیں بلکہ ترجمہ پر ایک اضافہ ہے اور اپنے مخصوص فرقہ وارانہ نظریات کے لیے ترجمے میں تصرف کرنا تو نہایت ہی مذموم ہے۔
 - یہ ترجمے کے اہم اصولی تقاضوں کا بیان ہے۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے لیے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کچھ اور شرطیں بھی بیان کی ہیں :-
 - ① مترجم بد مذہب اور بے قید نہ ہو جس طرح تفسیر میں متدین ہونے کی شرط ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی متدین شخص کے فاسد اور غلط خیالات کی آمیزش سے اس کا ترجمہ قابل اطمینان نہیں ہو سکتا۔

② علوم مذکور جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں مترجم ان میں ماہر ہو۔ ضروری ہے کہ اس میں علم کی یہ وسعت ہو۔

③ علم قرأت، صرف و نحو، علم ادب، معانی و بیان، افتہ، حدیث و کلام کا ضرور فاضل ہو۔

تراجم القرآن

اب ہم قرآن کریم کے چند مشہور تراجم کا تعارف پیش کرتے ہیں اس سے پتہ چلے گا کہ علماء کرام نے ترجمہ قرآن میں ہمیشہ پیش قدمی کی ہے اس کے کبھی دوسروں کو نہیں روکا۔

فارسی تراجم

① ترجمہ سید شریف تجرستانی (متوفی ۸۱۶ھ)

یہ ترجمہ ہمارے بلاد میں شیخ سعدی شیرازی کے نام سے معروف ہے ارباب مطبع نے محبت عام کے لیے اس کی نسبت بدل رکھی ہے یہ ترجمہ بارہا چھپا ہے۔

② ترجمہ حسین واعظ کاشفی (متوفی ۹۱۰ھ)

یہ ترجمہ تفسیر حینی کے ضمن میں بارہا شائع ہوا ہے۔

③ ترجمہ نظام نیشاپوری

ملہ البیان فی علوم القرآن ص ۲۴۴ ملکہ بجز خزانہ کے ساری صوبہ جہان میں پیدا ہونے والے علامہ عبدالعزیز نقیانی کے معاصر تھے تیمور نے شیراز فتح کیا تو یہ اس وقت شاہ شجاع کے ہاں معلم تھے تیمور نے پھر نہیں سہمزد بھیج دیا انہوں نے تفسیر کشف پر بھی ایک حاشیہ لکھا ملکہ یہ ترجمہ میر علی شیر لوانی کے لیے لکھا گیا تھا حسین واعظ کاشفی ایک پیشہ ور واعظ تھے بہت کے کلامیات سلطان فیہم غلط کہتے تھے عجیب و غریب آقا دہمتی علم نجوم اور فن انشا میں کمال حاصل تھا درپردہ شیعہ تھے روضۃ الشہداء دہلی کی تصنیف ہے بلوچ لکھتے ہیں کہ تاریخی نقطہ نظر سے اس کی کوئی اہمیت نہیں واعظ کاشفی کا ترجمہ نہایت نفیس ہے تفسیر حیدر خاں حیدر نہیں دہلی کے ابتدائی اردو ترجموں کا اس کے ترجمہ سے تقابلی مطالعہ کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان مترجمین کے سامنے اس وقت یہ ترجمہ ضرور ہوگا واللہ اعلم بالصواب واعظ کاشفی کے شیعہ ہونے کی تصریح منتخب التواریخ ص ۲۴۵ مطبوعہ ایران میں موجود ہے۔

۴) تالعت اللہ طبرانی

۵) ترجمہ مرزا غلیل اصفہانی

۶) ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

نہایت عمدہ اسلوب میں ہے نمبروں کی اکٹھن ایسے نفیس انداز میں حل کرتے ہیں کہ قرآنی مراد بالکل واضح ہو جاتی ہے اس ترجمے پر حضرت شاہ صاحب کے نہایت محقر فرامد بھی درج ہیں اس کا نام فتح الرحمن ہے۔

۷) ترجمہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن محدث دیوبندی

حکومت افغانستان نے یہ ترجمہ اپنے خرچ سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے یہ ترجمہ دراصل حضرت شیخ الہندؒ کے اردو ترجمے کا پچاس کی پوری فنی رعایات کے ساتھ افغانی نڈی میں ایک کامیاب ترجمہ ہے تین ضخیم جلدوں میں نہایت نفیس ہارٹ پیپر پر شائع شدہ ہے۔

قرآن حکیم کے اردو تراجم

۱) ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

یہ با محاورہ ترجمہ ۱۲۰۵ھ میں مکمل ہوا۔ آئندہ ترجموں کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲) ترجمہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی

تحت اللفظ ترجمہ ہے سید نجف علی شاہ صاحب سے ترجمہ پڑھتے اور لکھتے تھے اور شاہ صاحب اس پر نظر ثانی فرمادیتے تھے۔ سب سے پہلے ۱۲۵۶ھ میں کلکتہ کے نامی پریس سے شائع ہوا۔

۳) ترجمہ مولوی عبدالسلام سلام

یہ ترجمہ اردو نظم میں ہے ۱۳۵۰ھ کے قریب لکھا گیا ۱۳۱۵ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۴) ترجمہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی

یہ ترجمہ خلاصۃ التفسیر کے ساتھ پانچ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔

۵) ترجمہ مولانا امیر علی طبع آبادی

سہ ایران میں یہی ترجمہ زیادہ ہے۔

یہ ترجمہ تفسیر مہاسب الرحمن کے ساتھ شائع ہوا۔ مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کا بھی ترجمہ کیا ہے۔

⑦ ترجمہ مولانا عبدالحق دہلوی

یہ ترجمہ تفسیر تفتانی کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ پہلی جلد ۱۳۰۵ھ میں اور آخری ۱۳۱۸ھ میں شائع ہوئی۔ پھر یہ بار بار شائع ہوتا رہا ہے۔

⑧ ترجمہ مولانا وحید الزمان حیدر آبادی

مترجم اہل حدیث مسلک کے قریب ہیں متعدد کتابوں کے مترجم ہیں۔

⑨ ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب

مترجم سرسید کے ساتھیوں میں سے تھے۔ حضرت مولانا مٹھانوی نے اصلاح ترجمہ دہلوی کے نام سے اس پر تنقید کی ہے۔

⑩ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی

مترجم نے ڈپٹی نذیر احمد کا لقب بھی کیا ہے۔ مولانا مٹھانوی نے اصلاح ترجمہ حیرت کے نام سے اس پر بھی تنقید فرمائی ہے۔

⑪ ترجمہ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی

مستند اور مستند ترجمہ ہے مترجم حضرت شیخ الہند کے خاص شاگرد ہیں۔

⑫ ترجمہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی مٹھانوی

۱۳۲۰ھ میں لکھا گیا۔ نہایت عام فہم اور مفید مطلب ہے۔ تفسیر بیان القرآن کے ساتھ اور علیحدہ بھی بار بار شائع ہو چکا ہے۔

⑬ ترجمہ حضرت شیخ الہند

حضرت شاہ عبدالقادر کی روشنی میں اردو تراجم کا شاہکار ہے۔ ۱۳۲۶ھ میں مکمل ہوا۔ کلامی اور فقہی اعتبار سے بے مثل ہے۔ شیخ الاسلام مولانا عثمانی کی تفسیر کے ساتھ متعدد بار ہندو پاکستان، بنگلہ کنگ اور افغانستان وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ سعودی حکومت نے بھی اسے بار بار شائع کیا ہے۔

⑭ ترجمہ مولانا فتح محمد خاں جالندھری

بہت مقبول ترجمہ ہے تاج کسینی نے بھی شائع کیا ہے۔

(۱۳) ترجمہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری ماسشیہ کے ساتھ کئی دفعہ شائع ہوا ہے۔

(۱۵) ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

یہ ترجمہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کا متفق علیہا اور محدثہ ترجمہ ہے۔

(۱۶) ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی

۱۳۲۳ھ میں مکمل ہوا۔ تاج کسینی نے اسے مترجم کے نہایت عمدہ حاشیے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

(۱۷) ترجمہ مولانا احمد سعید دہلوی

نہایت ہی لطیف اور جدید پیرایہ بیان میں قابل اعتماد اردو ترجمہ ہے۔

نوٹ: ماسشیہ کے ہاں لا مقبول دہلوی اور مولوی فرمان علی کے ترجمے رائج ہیں، مرزا فی لوگ

محمد علی صاحب لاہوری کے اردو اور انگریزی ترجموں کو بہتر سمجھتے ہیں، مسلمانوں کے انگریزی ترجموں

میں علامہ یوسف علی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور پکتال کے

ترجمے زیادہ مقبول ہیں، انگریزی میں پروفیسر رے جے آر بری کا مظلوم انگریزی ترجمہ خاصی اہمیت

کا حامل ہے۔ تاہم انگریزی تراجم میں کوئی بھی بعد میں صحیح نہیں۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اصل عربی کو قائم رکھتے ہوئے قرآن پاک کا ترجمہ کرنا بالکل

جائز ہے اور علماء اسلام نے ہر ملک کے تقاضے کے مطابق قرآن عزیز کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا

ہے اگر کسی عالم نے کسی زمانے میں ترجمہ قرآن کی مخالفت کی ہے تو اس کا منشاء صرف یہ تھا کہ قرآن

کریم کو عربی سے علیحدہ کر کے صرف دوسری زبان میں باقی رکھنا جائز نہیں، برصغیر پاک و ہند کے

علماء کو حجۃ الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مدظلہ العالی اس فکر سے فداغ کہ چکے ہوئے

ہیں، یتیمۃ البیان میں ہے :-

وبالجملة علماء الهند جمعون على جواز تراجم القرآن في هذا العصر وعلماء مصر

ومشقة الازهر افراد هذه المسئلة بالتاليقات ينعظم فيهم الى الآن امرها بله

لہ یتیمۃ البیان ص ۲۷

ترجمہ ہندوستان کے علماء سب متفق ہیں کہ قرآن کریم کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا اس زمانے میں بالکل جائز ہے لیکن علمائے مصر اور مشائخ اذہر اس مسئلہ میں کئی مختلف رسالے لکھ چکے ہیں اور محاط اب تک طے نہیں ہوا۔

ہاں ہمہ تراجم اصل قرآن وہی ہے جو عربی ہے قرآنیت کے لیے عربیت لازم ہے۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پس اردو زبان یا کسی اور زبان میں نماز پڑھنا کسی طرح درست نہیں۔ نماز قرآن کے بغیر نہیں اور قرآن عربیت کے بغیر نہیں۔ نماز کو اپنی زبانوں میں منتقل کرنا اور قرآن کو عربیت سے بے نیاز کرنا مرکز اسلام سے گریز پائی ہے۔ عربی زبان محض ایک زبان نہیں اسے مسلمانوں کی مرکزی زبان ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے اور اس کا بقدر ضرورت سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے

علمائے ہند کی وسعت نظری

یہ بات علمائے ہند سے چلی تھی کہ قرآن کریم کو کسی دوسری زبان میں نہ لایا جائے اس کے مطالب معنائین احکام اور تفسیر میں تو بے شک دوسری زبانوں میں لکھے جائیں لیکن متن قرآن ایک ہی رہے۔ یہ علمائے ہند کی وسعت نظری تھی کہ محدثین دہلی خود ترجمہ قرآن کے لیے اٹھے اور قرآن کریم کے باقاعدہ اور فطری ہر طرح کے ترجمے کیے۔ ان کی تفصیل آپ کو تراجم قرآن کے عنوان میں ملے گی یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی اپنی زبان عربی ہے اور اسے کسی پہلو سے بھی عربی نہیں سے نہیں نکالا جاسکتا اور نہ اس کا کوئی ایسا مترجم ہو سکتا ہے جو اسے اردو کے مابین میں لے آئے

عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے

امت اجابت کا فرض ہے کہ اس کلام فرد بقدر ضرورت عربی سیکھے اور ایسے حالات پیدا کئے کہ تمام قومیں قرآن کریم کے قریب آئیں اور اللہ کی محبت ان پر تمام ہو۔ تمام دنیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے۔ ترجمہ قرآن سے علمی حد تک مدد لی جاسکتی ہے لیکن اپنی عبادت کی زبان اس عربی مبین کو ہی چاہیں عربیت دارجہ بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتی قرآن کریم کی وجہ سے عربی سیکھنا تمام قوموں پر فرض ہے۔

حضرت امام شافعیؒ ارشاد فرماتے ہیں :-

ان الله تعالى فرض على جميع الامم تعلمه اللسان العربي بالفتح لمخاطبتهم
بالقرآن والتعبده به
اس پر شارح لکھتے ہیں :-

ولم ينكر ذلك عليه احد من علماء الاسلام لانه امر ومجمع عليه و
وان اهمله الا عاجم بعد ضعف الدين والعلم.

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے اس وقت تمام قوموں پر عربی سیکھنا فرض کیا ہے یہ حکم
انہیں قرآن مجید کے مخاطب بنانے اور اس کے سکھ کر لے کے ضمن میں
ثابت ہوتا ہے امام شافعیؒ کے اس فتوے کا علماء اسلام میں سے کسی نے
انکار نہیں کیا یہ اجماعی مسئلہ ہے اگرچہ بعض محبی اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

۱۔ منہی مع الشرح البکیر جلد ۲ ص ۵۲ صرف خط کشیدہ عبارت حضرت امام شافعیؒ کی ہے جو ان کے علم اصول
کے رسائل سے منقول ہے باقی کلام شارح کا ہے۔

تجوید القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اجمعہ :

تجوید القرآن کا معنی ہے قرآن کریم کو سنوار کر پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ابتداء وحی میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے چکی کہ قرآن کریم کو کھول کھول کر پڑھیں۔ اس کے حرف صاف صاف ادا ہوں۔ اس حکم میں یہ بتلانا تھا کہ قرآن کریم صرف ایک پیغام عمل نہیں یہ بار بار پڑھنے اور سنوار سنوار کر پڑھنے اور سمجھنے کی شے ہے۔ اس کا مقصد بے شک عمل ہے مگر اس کا پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ پڑھنا بے شک ایک کارِ ثواب ہے۔ سورۃ منزل پہنچے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ اس میں قرآن پاک ایک پیرایہ عبادت بھی محض لیا گیا اور اسے کھول کھول کر پڑھنے کا حکم ہوا۔

درتلى القرآن توتيلًا ۝ انا سنلقی عليك قولًا ثقیلاً ۝ (پک المنزل ۴)

ترجمہ۔ اور آپ قرآن کو کھول کھول کر پڑھیں صاف صاف۔ ہم آپ پر ایک وزن دار بات ڈالنے والے ہیں۔

ابھی پورا قرآن نہ اُترا تھا۔ یہ جو فرمایا کہ آپ قرآن پاک کو صاف صاف پیرائے میں پڑھیں تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی سبکدوشی قرآن ہے اور جو احکام اور آداب پورے قرآن کے ہیں وہ ایک آیت کے بھی ہیں اور اکیلتے پڑھنا بھی قرآن پڑھنا ہے۔

ایک ایک حرف سمجھیں آئے تو پڑھنے میں جہم و تدبیریں مدد ملتی ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے ذوق و شوق اور پڑھنا ہے اور بات کتنی وزن دار کیوں نہ ہو وہ دل میں اُترتی ہے اور عمل کے قدم چلنے لگتے ہیں۔ آپ پر ایک وزن دار بات (وحی الہی) اتاری جا رہی تھی اس لیے حکم ہوا کہ اسے ترتیل سے پڑھیں اس سے وحی الہی کا تحمل آسان ہو جائے گا۔

اصول فقہ کی رو سے ترتیل واجب ہے امر و صلا و جوب کے لیے ہوتا ہے صاحب فہم والا نوار

کھتے ہیں :-

علامہ جزیری (۸۳۳ھ) لکھتے ہیں :-

الخذ بالقوید حتم لا زمر من لم يجد القرآن أشد

ترجمہ قرآن کریم کھول کھول کر پڑھنا لازمی طور پر ضروری ہے جو قرآن کریم کو

تجوید سے نہ پڑھے وہ گنہگار ٹھہرے گا۔

صحابہ کرامؓ قرآن کریم کو صرف حکم و عمل کے لیے نہیں دیکھتے تھے وہ اسے صحیح پڑھنے پر بھی

محنت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی منزلت علمی سے کون واقف نہیں آپ کے

ایک شاگرد نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور فقراہ پر مدد کی :-

اتما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا۔ (مائدہ ۶۰)

تو آپ نے اسے ٹوکا اور فرمایا :-

۲ حضرت نے ہمیں اس طرح نہیں پڑھایا تھا۔

اس نے پوچھا تو پھر اسے کس طرح پڑھیں آپ نے پھر خود یہ آیت پڑھی اور للفقراہ پر

تذکی۔ آپ فرماتے ہیں :-

واللہ لقد اخذت من فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعضاً وسبعین

سورۃ ولقد علم اصحاب النبیؐ انی من اعلمہ بکتاب اللہ وما انا بخیرہم

ترجمہ میں نے خود حضورؐ کی زبان سے اتنی کے قریب سورتیں سیکھی ہیں اور سب

صحابہ جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جانتے والا ہوں

گو میں سب سے افضل نہیں ہوں۔

کوئی کس قدر بڑا سرگرم علم ہو گا جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر روز کتاب و سنت کا درس

دیتے تھے اس سے اس کی منزلت علمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ

لہ تفسیر است احمدیہ ص ۷۷ رواہ الطبرانی مہ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۸

کو شہود کی پوری وضاحت سے قرآن پڑھا گئے تھے۔ سو تجوید کی ابتداء خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی ہے۔ حضرت علامہ نسفی (۷۰۰ھ) درتل القرآن کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

(درتل القرآن) بین و فصل من الشجر الموتی ای المفلح الانسان و کلام
 قل بالتحریک ای منزل و ثغر و قل ایضا اذا کان بمستوی البیان او
 اقراء علی قوۃ بتبیین الحروف و حفظ الوقوف و اشیاع الحركات
 (قرشیا) و هو تاحکید فی ایجاب الامر و انه لا بد به للقرآنی ۛ

ترجمہ: قرآن ترتیل سے پڑھیں واضح کر کے اور کھل کھل کر حرف اپنی حدود و ترتیب سے نکلیں گئے
 و منزل کلام منزل تب ہو گا کہ اپنے غرض سے برابر ہو کر نکلے یا اس طرح پڑھے کہ ادائیگی
 میں تمام حروف واضح ہو کر آدھوں اور جہاں وقف کرنا ہے اس کا دھیان ہے
 اور جہاں حکمت ہے وہ کھل کر آئے۔ رتل کے بعد ترتیل کا لفظ تاکید کے لیے
 ہے کہ امر و وجوب کے لیے ہے اور پڑھنے والے کے لیے ترتیل
 سے چارہ نہیں۔

حضرت قتادہؓ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے جنبت انسؓ سے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس
 طرح قرأت کرتے تھے آپ نے بتایا آپ حروف کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔ امام بخاریؒ نے صحیح میں ایک
 باب اس عنوان سے ہاندھا ہے :-

باب مد القراءة حدیث قتادہ قال سألت انس بن مالک عن قراءة النبي

صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان یمدّ مدّاً ۛ

آپ کی اس طرح پڑھنے سے آواز بہت خوبصورت اور پُر سوز ہو جاتی تھی اور آپ کو اس
 میں لحن و آوادی کی لذت ملتی تھی۔ آپ نے ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ کو مخاطب کر کے فرمایا :-
 یا ابا موسیٰ لقد اوتیت مزمناً من مزامیر ال داؤد ۛ
 ترجمہ: اے ابو موسیٰ! تجھے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک ساز
 ملا ہے۔

ماخذ ابن جوزی (۵۵۹۷) لکھتے ہیں۔

بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس کی حدود و قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا غیب صحیح اور درست پڑھنا اور حروف کو اس طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت ہے جو قرأت کے اہاموں سے منقول اور حضرت جنوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے۔ جو ضعیف تر عربیت ہے اس کی ذمہ لغت جانے ہے نہ اس کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض تو محسن (قابل ثواب) ہیں اور بعض خطا کار (گنہگار) اور بعض معذور و ناچار ہیں۔

آنحضرت کے قرآن میں سند یافتہ چار صحابہ

آنحضرت نے اپنے پاس بیٹھنے والے اور حاضر باش صحابہ کے سامنے قرآن کریم پڑھا آپ سب مومنین کے سامنے قرآن ایک جیسا پڑھنے کے مامور تھے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت یتلوا علیہم آیاتہ مکہ الفاظ میں موجود ہے۔ یتلوا علیہم آیاتہ مکہ الفاظ میں تعلیم قرآن بھی آپ کی ذمہ داری میں دی گئی تھی۔ پھر آپ نے جن کو قرآن کریم پڑھایا ان میں صف اول کے ان چار بزرگوں کو سند ملی۔ آپ نے فرمایا :-

خذوا القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی

ابن کعب۔

ترجمہ تم قرآن ان چار شخصوں سے لو، عبد اللہ بن مسعود سے، حضرت سالم سے،

حضرت معاذ سے اور حضرت ابی بن کعب سے۔

ان چار میں بھی محمد بن عبد اللہ بن مسعود سے پہلے نمبر پر ہے

صورت نے فرمایا :-

من اراد ان یقرأ القرآن غضا کما انزل فلیقرأ علی امراءہ ابن ام عبد

لہ منقول از مجلس الامراء ص ۳۳، صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۷، لہ الاستیعاب جلد ۲ ص ۲۹۱ عن عبد اللہ بن عمر رضی

ترجمہ بوجہ چاہے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھے جیسے یہ نازل کیا گیا تو اسے چاہیے کہ
عبدلہ بن مسعودؓ کے مطابق پڑھے

سوجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرامؓ کو ترتیل سے قرآن پڑھنے کی تعلیم دیتے تو معلوم
ہوا کہ قرآن کریم کا صحیح پڑھنا اہم الواجبات میں سے ہے اور جو قرآن کریم کو قواعد کے مطابق صحیح
نہ پڑھے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گنہگار رکھا گیا ہے

ترتیل کے لغوی اور شرعی معنی

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں :-
لغت کی رو سے ترتیل کے معنی واضح اور صاف پڑھنے کے ہیں اور شریعت میں ترتیل
قرآن پڑھنے میں سات چیزوں کی رعایت رکھنے کا نام ہے وہ سات امور یہ ہیں :-
① ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے اس کی صفات سمیت ادا کیا جائے۔
② ہر حرف کی آواز اس سے ملتی جلتی دوسرے حرف سے جدا ہو۔
③ زبر، زیر، پیش کو اس طرح صاف پڑھے کہ ایک دوسرے کا دم نہ ہو۔
④ آواز اتنی ضرور نکلے کہ خود پڑھنے والے کے کان اُسے ضرور سُن سکیں۔
⑤ آواز اس طرح نکالنا کہ اس میں عاجزی اور دردمندی پائی جائے۔
⑥ تشدید و تمذید (شد اور مد) کا پورا دھیان رہے اور اس پر عمل ہو۔
⑦ خوف کا مضمحل نہ ہونے کو پڑھنے والا ذرا ٹھہر جائے اور خدا سے پناہ چاہے۔
ان سات امور کو ادا کرنے اور ان کا دھیان رکھنے سے ترتیل کے اصولی آداب سب
عمل میں آگئے۔ یہ سات امور ہم نے اپنی عبارات میں پیش کیے ہیں تاکہ طلبہ کو یاد کرنے میں تسانی
رہے حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنی عبارت اردو ترجمہ میں حسب ذیل ملاحظہ کیجئے :-

۱۔ پہلے حرفوں کو صحیح نکالنا۔ یعنی اپنے مخرج سے نکالنا تاکہ طاء کی جگہ تاء اور ضاد
کی جگہ زاء نہ نکلے۔ ۲۔ دوسرے وقوف (وقف کرنا) کی جگہ پر اچھی طرح ٹھہرنا تاکہ وصل

اور قطع کلام ہے موقع نہ ہونے پائے اور کلام کی صورت مبتدل نہ ہو جائے۔ ۴۔
 میرے حرکتوں میں اشباح کرنا یعنی زیر دبر پیش کو آپس میں امتیاز دینا تاکہ ایک دوسرے
 سے ملنے اور مشتبہ ہونے نہ پائے

چوتھے آواز کو تھوڑا سا بلند کرنا تاکہ قرآن شریف کے الفاظ زبان سے کلان
 تک پہنچیں اور وہاں تکسے دل پر اور دل میں کوئی کیفیت پیدا کریں۔ جیسے
 ذوق اور شوق اور خوف اور دہشت، اس واسطے کہ قرآن شریف کے پڑھنے
 سے یہی چیزیں مطلب ہیں۔ پانچویں اپنی آواز کو اچھا کرنا اس طور سے کہ اس
 میں درد مندی پائی جاوے تاکہ دل پر جلدی تاثیر کرے اور مطلب حاصل ہووے
 اس واسطے کہ جو مضمون خوش آوازی سے دل تک پہنچتا ہے تو اس سے
 روح کو لذت ہوتی ہے اور قوی بھی اس کو جلد جذب کر لیتے ہیں اور اس
 سبب سے روح پر اس کی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ اسی واسطے اطباء نے کہا
 ہے کہ جب کسی درد کی کیفیت دل کو پہنچانا منظور ہو تو اس درد کو خوشبو میں
 ملا کر دیا جائے اس واسطے کہ دل خوشبو کا جاذب ہے یعنی کھینچنے والا تو
 اس خوشبو کے ساتھ اس درد کو بھی جلدی کھینچ لے گا اور اسی طرح جس درد کی
 کیفیت جگر یعنی کبجے کو پہنچانا منظور ہو تو اس کو مٹھائی میں ملا کر دیا جائے۔
 اس واسطے کہ جگر مٹھائی کا عاشق ہے تو وہ بھی اس کو کھینچ لے گا۔ چھٹے
 تشدید اور مد کا جس جگہ پر ٹھہروں وہاں لحاظ رکھنا اس واسطے کہ شد اور مد کی نسبتا
 کے سبب سے کلام الہی میں قہقہے اور بزرگی نمودار ہوتی ہے اور تاثیر میں بھی
 مدد کرتا ہے۔ ساتویں اگر قرآن شریف میں کوئی خوف کا مضمون ملے تو وہاں
 تھوڑا ٹھہر جاوے اور حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرے۔

قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھنا مسنون ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس صُوت سے قرآن کریم پڑھتے تھے اُسے حضرت براءؓ سے نہیں۔
 ① حضرت براء بن عازبؓ (۷، ۵) کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشاء کی نمازیں
 والبتین والذینون سُنّی ہیں نے ایسا حسنِ صوت کہیں نہیں سنا۔

قرأ في العشاء والتين والذینون فما سمعت احدا احسن صوتا منه
 حضرت ام سلمہؓ سے حضورؐ کی قُرأت کے متعلق پوچھا گیا آپؐ نے کہا آپؐ ایک ایک حرف کھول
 کر پڑھتے تھے۔

② حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا۔

اقرأ القرآن بلحون العرب واصوا قناداياكم ولحون اهل العشق و
 اهل الكتاب۔

ترجمہ: قرآن کو عرب کے لہجوں اور آواز میں پڑھو اور اہل عشق کے لہجوں سے
 بچو اور یہود و نصاریٰ کی لے سے بچو۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔
 لا تفتروہ من القرآن ولا تفتروہ کلهذا الشعر۔ فقرا عند عبا بنہ و
 حو کو ا به القلوب ولا یکن ہم احدکم اخرا السورۃ۔

ترجمہ: قرآن کو نہ بکھرو، نہ اسے شعروں کی طرح کہیں جو اس کے عجائب پر پڑاؤ
 کرو۔ اور اس کے دلوں کو کرکٹ اور سورت کو آخر تک ختم کرنا ہی تمہارا قصد نہ ہو۔

③ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ دتل القرآن ترتیلا میں ترتیل سے مراد حروف کی تجوید،
 ان کی عمدہ ادائیگی اور اس کے اوقاف کا پورا علم رکھنا ہے۔

④ حضرت ابن عباسؓ بھی ترتیل کا یہی معنی کرتے تھے کہ حروف کو کھول کھول کر پڑھو۔

سہ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۵۵ الترمذی والبوداقد والنسائی منظرہ جلد ۱۲ ص ۱۲۷ رواہ البیہقی
 فی شعب الایمان ص ۱۵۵ منظرہ جلد ۱۲ ص ۱۵۵ التفسیر عزیزی ص ۲۳۲

امام تفسیر حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں ایسی ترتیل کہ اس میں ار سال ہو۔

حضرت عبید اللہ المکی کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

يا اهل القرآن لا تتوسدوا القرآن واملوه حتى تلاوه من افاء اللیل و
النهار واخشوه و تقنوه و متدبروا ما فيه لعلکم تفلحون ولا تعجلوا
ثوابه فان له ثواباً. ۱

ترجمہ۔ اے قرآن والو قرآن کو سر ہانہ نہ بناؤ اس کی تلاوت رات دن جیسا کہ
حق ہے کرو۔ قرآن کو پھیلاؤ اور اسے خوش آوازی سے پڑھو۔ اس پر
غور کرو۔ جلدی جلدی نہ کرو۔ اس کی تلاوت ثواب ہے۔

تجوید قرآن ایک باقاعدہ فن کی صورت میں

قرآن کریم کی ہدایت و تہدیل القرآن ترتیلًا شروع سے چلی آرہی تھی اس پر پیچھے عمل کر لے
والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ جس اچھی آواز سے قرآن پڑھتے اس کی مثال نہ تھی۔
آپ کے بعد دس صحابہ کرامؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ،
حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ،
حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ قرآن کریم کو کھول کھول
کر پڑھتے اور حروف کا پورا پورا حتیٰ ادا کرنے میں ممتاز تھے۔ انہی میں وہ چار حضرات ہیں جن کا نام
لے کر آپ نے اپنی امت سے کہا کہ قرآن ان سے سیکھو۔ ان میں آپ نے پہلے نمبر پر حضرت عبداللہ
بن مسعودؓ کا نام رکھا۔ ان کی منہ علی کو فہم تھی اسی سند کے جانشین امام ابو حنیفہؒ ہوئے۔

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کو پوری عمدگی اور تجوید حروف سے پڑھنا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے شروع ہو چکا تھا۔ آگے چل کر اسی نے ایک فن کی
شکل اختیار کی۔ پھر امت میں محدثین (اچھی طرح پڑھنے والے) بھی تھے۔ خلا کا رہی تھے اور

معذور و ناجار بھی تھے۔

حافظ ابن جزئی (۵۹۷ھ) کی یہ عبارت آپ دیکھ آئے ہیں :-
 بے شک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی سمجھنا اور اس
 کی حدود قائم رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح
 اور درست پڑھنا اور حروف کو اسی طریق سے ٹھیک ادا کرنا بھی بہترین عبادت
 ہے جو قرأت کے اماموں سے منقول اور حضرت نبویؐ تک سلسلہ بہ سلسلہ
 متصل ہے جو فیصیح تر عربیت ہے جس کی نہ مخالفت جائز ہے اور نہ اس کو
 چھوڑ کر دوسرا امر اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعض محسن ہیں
 (قابل ثواب) اور بعض خطاکار (گنہگار) اور بعض معذور و ناجار ہیں۔

تجوید کے پہلے ائمہ فن

جس طرح ائمہ مجتہدین حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ اور امام احمدؒ استنباط احکام اور استخراج مسائل
 میں امت کے امام ٹھہرے اور لوگ عملی فقہ میں ان کے پیچھے چلے ہیں۔

فن قرأت میں حضرت عاصمؒ (۱۲۷ھ) حضرت حمزہؒ (۱۵۶ھ) امام کساییؒ (۱۸۹ھ) ابن کثیرؒ
 (۲۰۰ھ) نافعؒ (۱۶۹ھ) ابو عمرو بصریؒ (۱۵۴ھ) اور ابن عامر شامیؒ (۱۱۸ھ) اس فن کے امام قرار
 پائے۔ ان میں پہلے تین عاصمؒ، حمزہؒ اور کساییؒ کوفہ میں ہوئے۔ ابن کثیرؒ مکہ میں۔ نافعؒ مدینہ
 میں۔ ابو عمروؒ بصرہ میں اور ابن عامر شام میں اس فن کا مروج بنے۔

کوفہ میں اس فن پر زیادہ توجہ رہی۔ اولاً اس لیے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت
 علی المرتضیٰؓ کی علمی مرکز تھا۔ ثانیاً یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے جہاں علم
 کا مسکن تھا۔ ثانیاً یہ شہر نوآبادیات میں سے تھا۔ یہاں مسلمانوں کی ایک نئی تعداد تھی اسے حضرت عمرؓ
 نے وہاں بچنے سمجھنے والے لوگ آبلو کر کے بسایا تھا اور ظاہر ہے کہ نوآبادیات کیلئے ٹائون

اور ماڈل ماؤن (دیگر) میں عام طور پر اونچی سرائی کے لوگ ہی زیادہ آباد ہوتے ہیں۔ امام نووی (۷۵۲ھ) کوذ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

دارالفضل ومحل الفضلاء بناها عمر بن الخطابؓ

ترجمہ: کوذ علم و فضل کا گھر اور فاضلوں کی ایک چھاؤنی تھا اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا۔

آپ نے یہاں عرب کے ذہین ترین لوگ بلائے تھے اور ان کے لیے وہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مرجع علم بزرگی کا انتخاب کیا تھا۔

ان سات قراء کرام کے علاوہ یعقوب بن اسحق حضرمی بصری (۲۰۵ھ) جعفر بن یزید قنصاری مدنی (۲۰۵ھ) اور خلیف بن ہشام کوئی (۲۲۹ھ) بھی اس فن کے امام ہیں۔ قرأت کے یہ کُل دس امام ہوئے آج قاریوں کی سند قرأت عشرہ انہی حضرات تک پہنچتی ہے۔

دوسرے دور کے قراء کرام

امام عاصم کوئی سے پہلے راوی شعبہ اور دوسرے امام حفص ہیں۔ امام حمزہ کے پہلے راوی خلف اور دوسرے غلام ہیں۔ امام کسائی سے اسے روایت کرنے والے اول ابو الحارث اور دوسرے شیخ دوری ہیں۔ ابن کثیر کی کہ پہلے راوی بنی اور دوسرے تغلب ہیں۔ امام نافع سے اسے قالون اور ورش نے لیا اور ابو عمر بصری سے اسے شیخ دوری اور شیخ موسیٰ نے لیا۔ ابن عساکر شامی کے پہلے راوی ہشام اور دوسرے ابن ذکران تھے۔

نوٹ: ہندوستان، پاکستان، افغانستان اور ترکی میں اس فن میں امام حفص کی سند چلتی ہے۔ اساتذہ فن زیادہ اسی روایت کے ہوئے ہیں۔ آپ کے استاد امام عاصم کوئی تالیفی ہیں اور انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زہریؓ، حضرت عیسیٰ بن عیسیٰؓ اور عبداللہ بن حبیبؓ سے پڑھا اور ان حضرات نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے قرآن کی سند لی۔ اور ان سب نے حضرت خاتم النبیین ﷺ سے قرآن پڑھا تھا۔

قاری حمزہ سے قرأت سیکھنے والوں میں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان حضرات کا نام
طور پر ذکر کیا ہے۔

- ① ابو عبد الرحمن محمد بن فضیل الکوفی (۱۹۵ھ)
- ② ابو اسحق بن یوسف واسطی (۱۹۵ھ)
- ③ ابو محمد بن عبید اللہ بن موسیٰ الکوفی (۲۱۳ھ)
- ④ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید (۲۱۳ھ)

ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید بہت بڑے مقلدی تھے آپ نے یزید بن قاری نافع سے
بھی سیکھا تھا۔ ابو اسحق اسماعیل بن ابن کثیر اللندی (۱۸۰ھ) نے امام کسائی سے تجوید و قرأت کی تعلیم
حاصل کی تھی یہ حضرات صرف قاری نہ تھے حفاظ حدیث میں سے بھی تھے ابو اسماعیل حماد بن زید
بصری (۱۷۹ھ) سے کون واقف نہیں آپ بلند پایہ قاری بھی تھے اور ممتاز حافظ حدیث تھے

تیسری صدی کے مشہور قراء کرام

ابو عبید قاسم بن سلام البغدادی (۲۲۴ھ) امام لغت ہیں مگر آپ علم تجوید و قرأت کے بھی امام
تھے آپ نے کتاب القراءات لکھی یہ سب قرأت سمیت ۱۵ قراءتوں پر مشتمل ہے قرأت سبعہ میں
سے ہیں۔ ابن ماسر کی قرأت، حمزہ کی قرأت اور کسائی کی قرأت اس میں موجود نہیں۔ ایک کتاب
القراءات احمد بن جعیر بن محمد الکوفی نزیل الطاکیہ (۲۵۸ھ) کی ہے۔ آداب القراءات کے مصنف ابن قتیبہ
(۲۷۶ھ) ہیں۔ ہشام بن عبد الملک (۲۵۱ھ) بھی اسی زمانہ میں تھے اور ممتاز قاری تھے۔

- ① ابو یوسف اسمعیل بن یزید القشیری (۲۵۲ھ)
- ② ابو عبد اللہ احمد بن ابراہیم اللہ دوسی البغدادی (۲۴۲ھ)
- ③ ابو زکریا یحییٰ بن عبد الحمید الحمائی الکوفی (۲۲۸ھ)
- ④ ابو اسحق اسماعیل قاضی الازدی (۲۸۲ھ)
- ⑤ ابو الفضل احمد بن نصر البصری (۲۹۰ھ)

یہ حضرات اپنے وقت کے مشہور مفسرین کرام اور علم تجوید کے ماہرین تھے

پچوتھی صدی کے مشہور قراء کرام

- ① ابو جعفر محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)
- ② ابو حفص عمر بن بہل دینوری (۳۲۰ھ)
- ③ ابوالحسن احمد بن جعفر البغدادی (۳۲۶ھ)
- ④ ابراہیم محمد بن احمد قتال (۳۲۹ھ)
- ⑤ ابوبکر محمد بن حسن النقاش (۳۵۱ھ)
- ⑥ آپ محل القراءت اور کتاب السبع کے مؤلف ہیں
- ⑦ ابوالحسن محمد بن محمد نیشاپوری (۳۶۸ھ)
- ⑧ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن اصفہانی (۳۶۹ھ)
- ⑨ امام حدیث ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)
- ⑩ ابوالفرج معانی بن زکریا النہروانی (۳۹۰ھ)
- ⑪ امام ابوبکر بن مجاہد (۴۰۰ھ) مؤلف کتاب السبع

یہ پہلی کتاب ہے جس میں صرف قراءت سبع کی بحث کی گئی ہے آپ ان میں امام نافع کو سب سے پہلے لائے ہیں۔

ابن خالویہ حسین بن عبد اللہ نخعی (۴۴۰ھ) نے کتاب السبع کی منہایت عمدہ شرح لکھی اور اس فن پر ایک مستقل کتاب القراءت بھی تصنیف کی۔
ابن عدو القیردانی (۴۴۰ھ) کی کتاب ترویج المشکل بھی اسی صدی کی ہے مشہور محدث ماکہ نیشاپوری (۴۴۵ھ) اور ابوالحسن بن احمد شیرازی (۴۴۵ھ) بھی اسی دور کے قراء کرام تھے۔

پانچویں صدی کے مشہور قراء کرام

- ① ابو محمد عطیہ بن سعید الاندلسی (۴۰۸ھ)
- ② ابوالفتح محمد بن احمد البغدادی (۴۱۲ھ)

- ۳) ابو الفضل محمد بن جعفر خزاعی (۲۰۸ھ)
- آپ کی کتاب المستنبی فی العشر دس قراتوں پر مشتمل ہے۔
- ۴) ابو عبد اللہ محمد بن سفیان الثیرانی مالکی (۲۱۵ھ)
- آپ نے الہادی فی السبعہ سات قراتوں پر لکھی۔
- ۵) ابو عمر احمد بن محمد المقرئ الاندلسی (۲۲۹ھ)
- ۶) ابو العباس احمد بن ابی العباس (۲۳۰ھ)
- کتاب الہدایہ فی السبعہ اور التیسیر آپ کی تالیف ہیں۔
- ۷) ابو الحسن علی بن حسن مبین الدمشقی (۲۳۶ھ)
- ۸) حافظ ابو عمر عثمان بن سعید الاموی الدانی الاندلسی (۲۴۴ھ)
- صاحب طبقات القراء اور صاحب التیسیر شرح کتاب السبعہ
- ۹) ابو عمر عثمان بن سعید القرطبی (۲۴۴ھ)
- ۱۰) ابو عمر دیوسف بن عبد اللہ بن محمد النعمانی المالکی (۲۶۳ھ)
- تالیفات میں المدخل فی القرات اور الاكتفاء بہت مشہور ہیں۔
- ۱۱) ابو طاهر احمد بن علی بن عبد اللہ (۳۹۶ھ)
- آپ نے المستنبی فی العشرہ میں ۱۵۶ روایات و طرق کو جمع کیا ہے۔

چھٹی صدی کے مشہور قراء کرام

- ۱) ابو علی حسین بن محمد الاندلسی (۵۵۴ھ)
- ۲) ابو العلاء حسن بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
- یہ قرات اور علوم قرآن میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے قرات عشرہ پر ایک کتاب لکھی۔ ایک کتاب علم تجوید اور معرفت قراء پر دس جلدوں میں لکھی۔
- ۳) ابو العز محمد بن حسن بن دارقطنی واسطی (۵۷۱ھ)
- آپ نے ارشاد المبتدی اور کفایہ کبریٰ اس فن میں لکھیں۔

- ⑦ ابو جعفر بن علی بن احمد غزالی الاندلسی (۵۵۴ھ)
آپ نے الاتعاج اور الخایہ سبعہ میں لکھیں۔
- ⑧ ابو الکرم مہدک بن حسن شہر ندوی البغدادی (۵۵۰ھ)
مؤلف المصباح الزہر فی العشرۃ المراتب
- ⑨ شیخ القراء والمحدثین حافظ مشرق البراء بن احمد ہمدانی (۵۶۹ھ)
مؤلف فایۃ الاختصار فی العشرۃ مفردہ یعقوب۔
- ⑩ ابوالقاسم خلف بن احمد الشاطبی الاندلسی (۵۹۰ھ)
آپ نے ۱۱۷۳ اشعار میں شاطبیہ نظم میں لکھی۔
- ⑪ علامہ راسبی (۵۵۲ھ)
- ⑫ نور الدین ابوالحسن الباقولی (۵۴۳ھ)
- ⑬ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن جوزی (۵۹۷ھ)

ساتویں صدی کے مشہور قراء کرام

- ① ابوالقاسم علی بن عبدالعزیز اسکندری (۶۲۹ھ)
- ② شارح شاطبیہ علم الدین ابوالحسن علی بن محمد سخاوی (۶۴۳ھ)
- ③ سیف المناظرین علم الدین ابو محمد قاسم بن احمد الاندلسی (۶۲۱ھ)
- ④ ابوالقاسم عبدالرحمن بن اسماعیل البرشامہ (۶۶۵ھ)
- ⑤ ابوالعباس احمد بن علی اندلسی (۶۲۰ھ)
- ⑥ عماد الدین ابوالحسن علی بن یعقوب موصلی (۶۸۲ھ)
- ⑦ عبدالظاهر بن شوالان مدنی (۶۹۹ھ)
- ⑧ موفق الدین ابوالعباس احمد بن یوسف کراشی موصلی (۶۸۰ھ)
- ⑨ تقی الدین یعقوب بن بردان جزائری (۶۸۸ھ)

۲۔ مٹھویں صدی کے نامور قراء کرام

- ① برہان الدین ابوالفتح ابوسعید بن عمر بخاری (۵۷۲ھ)
 - علامہ ابوشامہ کے استاد تھے احکام الہنرہ، الشرعہ فی السبعہ، نزہۃ البرہہ فی العشرہ، منہج الابانہ فی اثنتہ اربعین کی تصنیفات ہیں۔ شاطبیہ کی بہترین شرح آپ کی سمجھی جاتی تھی یہ ۶۹۱ھ میں لکھی گئی تھی۔
 - ② شرف الدین ابوالقاسم بہتہ اللہ الشافعی (۷۳۸ھ)
 - امام ابوالمعالی آپ کے شاگرد تھے۔
 - ③ شیخ الفخامہ والحمد للہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن علی الاندلسی (۷۴۵ھ)
 - صاحب عقد اللالی فی البیع المعوالی۔
 - ④ سیف الدین ابوبکر عبد اللہ شمس (۷۶۵ھ)
- اس صدی میں بچاس سے زیادہ کتابیں اس فن پر لکھی گئیں جن کے نام عنایات رحمانی کے مقدمہ میں دیئے گئے ہیں۔

علم قرأت تاریخ میں ہر دور میں مسلسل رہا ہے

یہ آٹھ صدیوں کا تاریخی تسلسل ہم لے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ان قراء کرام میں آپ کو بڑے بڑے محدثین بھی ملیں گے۔ اگلی صدیوں میں بھی اس فن کا یہی تسلسل رہا ہے۔ نویں صدی کے مشہور محدث، علامہ سیوطی (۹۱۱ھ)

دسویں صدی کے شارح بخاری علامہ قسطلانی (۹۲۳ھ)

یہ حضرات اس فن کے بھی امام تھے اور دسویں صدی کے مجدد قلا علی قاری (۱۰۱۳ھ) تو علمی دنیا میں معروف ہی قاری کے نام سے ہوئے۔ آپ کی شاطبیہ کی شرح اور مقدمہ جزئی کی شرح اس فن کی عظیم یادگار ہیں۔

چودھویں صدی میں ہندوستان میں بھی اس فن نے نکھار پایا اور اس فن کی کتابیں اردو میں لکھی جانے لگیں۔ چودھویں صدی کے مجدد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) ہوئے ہیں،

آپسے اس فن میں اپنا حصہ ڈالا اور تفسیط الطبع اردو تالیف فرمائی، اس میں آپ نے قرأت بعد میں سے ہر ہر روایت کے قواعد بتا کر پاؤ سید پارہ میں قرأت کو جھٹاڑنے کی ترکیب بتائی ہے۔ اس دور کے امام فن مولانا قاری عبدالرحمن (۱۳۴۶ھ) ہیں۔ دیوبند کے قاری عبدالوحید صاحب اور الہ آباد کے قاری ضیاء الدین (۱۳۴۱ھ) قاری عبداللہ صاحب گنگوہی ثم مراد آبادی (۱۳۶۵ھ) سب ان کے شاگرد ہوئے ہیں۔

یہ سب حضرات جو اس فن کے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے حلقے میں امین رہے۔ ان کی خدمات ترقی سہاری تاریخ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ اور یہ حضرات واقعی اس فن کے امام گزرے ہیں۔ امام طاعلی قاری (۱۱۱۴ھ) نے اس فن کے امام جیری (۳۳ھ) سے نقل کیا ہے کہ اس فن میں امام وہ ہے جس میں یہ صفات پائی گئیں :-

- ① کلام مجید نہایت پختہ یاد ہو۔
- ② ہمیشہ اس کے پڑھنے میں مشغول رہے۔
- ③ الفاظ کی تجوید میں پورا ماہر ہو۔
- ④ تجوید کی ابتدائی اور انتہائی منزلوں سے واقف ہو۔
- ⑤ قرأت اور روایات بھی ضبط ہوں۔
- ⑥ نحوی اور لغوی ترکیب میں بھی ماہر ہو۔
- ⑦ علم اشتقاق اور علم صرف سے واقف ہو۔
- ⑧ ناسخ اور منسوخ کی پہچان واضح ہو۔
- ⑨ تفسیر اور تاویل میں ملکہ رکھتا ہو۔
- ⑩ مسائل صرف و نحو کے قواعد سے نہ نکالتا ہو۔
- ⑪ صاحب وقار اور مستقل مزاج ہو۔
- ⑫ حیا اور عدل کی صفات رکھتا ہو۔
- ⑬ پرہیز اور متقی ہو۔
- ⑭ حق تعالیٰ کے مقررین میں سے ہو۔

حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب لکھتے ہیں کہ قراء سبعہ میں واقعی یہ تمام صفات موجود تھیں۔
یہ وہ صفات کریمہ ہیں جن کی وجہ سے یہ حضرات بالاتفاق امت اس فن کے امام مانے گئے ہیں۔

علمائے ہند کی فن قرأت اور تجوید کی خدمات

یوں تو ہندوستان میں لاتعداد قراء کرام نے بعد ق دل اور خلوص تمام اس فن کی خدمت کی۔
تاہم ایک مثل ظاہر کرنے کے لیے ہم یہ چند نام ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔

- ① الدرۃ الفرید
شیخ عبدالحی محمد دہلوی۔
- ② فیوض رحمانی
قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی
- ③ ہدایۃ القراء
مولانا قاری حافظ ہادی حسن (بھوپال)
- ④ شرح سبعہ
امام القراء ابو محمد محی الاسلام (پانی پت)
- ⑤ شرح شاطبیہ
قاری محمد سلیمان دیوبندی (مظاہر العلوم)
- ⑥ افضل الدر اور فوائد مکبہ
مولانا قاری عبدالرحمن مکی الہ آبادی (کانپور)
- ⑦ شرح جزری
مولانا شاہ کرامت علی جوہری (بنگال)
- ⑧ تیسیر التجوید

لے دیکھئے عنایات رحمانی جلد اول ۲ مقدمہ

① مولانا قاری عبدالوحید صدر مدرس شعبہ قرأت دیوبند

②

پاکستان میں فن قرأت اور تجوید کی خدمات

ہندوستان میں الہ آباد اور پانی پت فن قرأت کے دو علمی مرکز سمجھے جاتے تھے۔ الہ آباد کے قاری محمد عبدالرحمن صاحب ۱۸۵۷ء کے مرکز کی ناکامی کے بعد مکہ ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں آپ نے مکہ کے مرکزی قراء سے (جیسے شیخ محمد تھانی، شیخ ابراہیم وغیرہ) مزید مشق کی اور اپنے فن کو خوب نکھارا قاری عبدالرحمن صاحب نوآبادیہ میکہ آپ کے چھوٹے بھائی تھے۔ قاری عبدالخالق اور قاری عبدالملک بھی آپ کے بھائی اور شاگرد تھے۔ ان حضرات کا مرکز علم و قرأت الہ آباد عہد قاری عبدالرحمن صاحب نے مکہ سے آنے کے بعد اسی جگہ کو اپنا مرکز بنایا۔ آپ کے شاگرد دلن گرامی میں قاری عبدالوحید صاحب (دیوبند) قاری غلام الرحمن صاحب (دیوبند) قاری عبدالملک صاحب (کراچی) قاری محمد الدین صاحب (بکمال) قاری سراج احمد صاحب (لاہور) اور قاری محمد صدیق صاحب اور متعدد دوسرے قاری مہتممان ہوئے۔ پانی پت میں مولانا قاری ابو محمد نجی الاسلام عثمانی (۱۳۷۲ھ) سرکاری استاد تھے۔ آپ پندرہ واسطوں سے مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے استاد قاری عبدالرحمن توکلی اور حافظ محمد یعقوب تھے اور یہ حضرات بدو لفظ قاری عبدالرحمن محدث انصاری حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔

پاکستان میں زیادہ تر انہی دو سطحوں کے قراء کرام ہیں۔ قاری عبدالملک صاحب کے شاگرد اور پانی پت کے قاری نجی الاسلام کے شاگرد۔

① قاری عبدالملک صاحب پاکستان اکبر مرکز علم دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے مبعوث قرأت کے صدر مدرس بنے۔ پھر آپ لاہور تشریف لے آئے اور لنٹن روڈ پر اپنا مدرسہ تریل القرآن قائم کیا۔ قاری نجی الاسلام بھی ۱۳۶۶ھ میں پاکستان چلے آئے۔

② قاری نجی الاسلام عثمانی (۱۳۷۶ھ) کے شاگردوں میں قاری فتح محمد صاحب مہاجر کی (۱۳۷۶ھ) اور ان کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحب (۱۳۷۶ھ) صدر مدرس شعبہ قرأت جامعہ خیر المدارس ملتان

پانی پتی سلسلہ کے قاریوں کے استاد میں ان کے شاگردوں سے رسمی طرز ایک اصطلاح بنی ہوئی ہے۔

- ① قاری محمد طاہر رحیمی صاحب مدینہ منورہ
- ② قاری محمد عبداللہ مرحوم جامعہ اذریہ جامع مسجد نورس ہوال
- ③ قاری عبداللہ مرحوم خیر المدارس عثمان
- ④ قاری محمد حسین صاحب فیصل آباد
- ⑤ قاری نصر اللہ صاحب فیصل آباد
- ⑥ قاری اہل اللہ صاحب فیصل آباد
- ⑦ قاری حبیب الرحمن صاحب دارالعلوم کیر داہ

قاری عبدالملک صاحب کے مشہور شاگردان گرامی

- ① حضرت مولانا قاری اطہار احمد صاحب تھانوی پروفیسر جامعہ اسلامیہ اسلام آباد
- ② قاری سید حسن شاہ صاحب بخاری (دانشہ) استاد تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور
- ③ قاری خذائج صاحب
- ④ قاری عبدالرحمن صاحب ڈیروی مدرس دارالعلوم اسلامیہ پرائی انارکلی لاہور
- ⑤ قاری عطار اللہ صاحب استاذ دیوبانی مدرسہ تفسیر القرآن لندن روڈ لاہور
- ⑥ قاری حفص الرحمن صاحب (دیوبند) استاد قاری عبدالعزیز شوقی
- ⑦ قاری محمد شاکر صاحب فرزند حضرت قاری عبدالملک صاحب
- ⑧ قاری محمد افضل صاحب (تلہ گنگ) استاد تجوید مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی
- ⑨ قاری محمد صدیق صاحب لکھنؤی آپ نے قاری عبدالملک سے لکھنؤ میں تجوید پڑھی۔
- ⑩ قاری محمد عبدالوہاب صاحب مکی
- ⑪ قاری تقی الاسلام صاحب جہلوی مدرسہ اذکار القرآن توحید نگر لاہور سابق استاد ریاض
- ⑫ قاری محمد ذاکر صاحب (سعودی عرب) ⑬ قاری محمد شاکر صاحب
- ⑭ قاری غلام نبی صاحب (بلوچستان) کوئٹہ میں ان کا مدرسہ ہے۔

حضرت قاری محمد شریف صاحب لاہوری کے نامور تلامذہ

- ① قاری فیاض الرحمن ملوی مدیر مرکزی دارالقرآن پشاور
 - ② قاری نور الحق صدر مدرس مدرسہ تدیس القرآن ہری پور
 - ③ قاری فضل ربی مدیر معبد القرآن الکریم مانسہرہ
 - ④ قاری عبدالرب ارشد ملتان ریڈیو اسٹیشن
 - ⑤ قاری محمد تقی الاسلام دہلوی توحید پارک لاہور
 - ⑥ قاری محمد عمر دارالقرآن ماڈل ٹاؤن لاہور
 - ⑦ قاری محمد اشرف بن شیخ محمد شریف دارالقرآن لاہور
- قاری اظہار احمد محتاوی کے مشہور شاگردان گرامی

- ① مولانا قاری احمد سیال صاحبزادہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب محتاوی
- ② مولانا قاری سید بزرگ شاہ الازہری مترجم قرآن پتھالی زبان
- ③ قاری مومن شاہ صاحب صدر مدرس تجوید القرآن رنگ محل لاہور
- ④ قاری محمد ادیس صاحب
- ⑤ قاری سعید احمد صاحب صدر شعبہ قراءت جامعہ اشرفیہ لاہور
- ⑥ قاری محمد عثمان النور صاحب استاذ مدرسہ تجوید القرآن مولیٰ بازار رنگ محل لاہور
- ⑦

نوٹ: قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کے شاگردوں میں قاری رحیم بخش صاحب کے بعد قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی محکمہ قادیان قادیان، قاری محمد علی صاحب کانوی راء خانوال کی خدمات بھی لائق تحسین ہیں۔

قرأت قرآن

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ اما بعد :

انسان فطری طور پر نغمہ پسند واقع ہوا ہے انسان کی اسی طلب نے بڑھتے بڑھتے موسیقی کی شکل اختیار کی ہے۔ ساپ بن سن کر اپنے ہوش بھول جاتا ہے، موسیقار اسی ہوشِ نغمہ میں اپنے آپ کو گم لیتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ساز کی نغمے میں گھر کر اپنا آپ بھول جاتے ہیں۔ عہدی خواں اپنے دورِ نغمہ سے اونٹوں کی قطار کو کھینچے چلا جاتا ہے یہ شرقِ نغمہ پر بند دل میں عام ملتا ہے اسلام میں گانا بجانا جائز نہیں اور ساز و فرامیر سے ہوش کھٹا جاتا نہیں۔ ڈھول کی تھاپ اور طبلے کی چھپ قرآنی میں بھی جائز نہیں۔ اسلام میں انسان کے اس فطری ذوق کو قرآنِ کریم کی اعلیٰ تلاوت تحسینِ صوت اور قرأت سے پُرانگیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو چلتا ہوا اپنی ٹھہر جاتا تھا۔

اب اس دور میں قرآنِ کریم جس کی عمدہ اور اعلیٰ تلاوت اور اس کے ساتھ عمل میں آنے والی تحسینِ صوت سے انسان اپنا یہ فطری تقاضا پُر کر لیتا ہے۔

قرآن کا صوتی حسن و جمال

قرآنِ کریم کا پڑھنا صرف اس کے الفاظ سے گزرنہ ہی نہیں اس کا صحیح پڑھنا ایک مستقل فن ہے جس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ قرآنِ کریم اس فن کے مطابق پڑھنا یہ قرأتِ قرآن ہے۔

الہامی کتابیں علم کا مخزن اور ہدایت کا پیغام ہوتی ہیں۔ قرآنِ کریم بھی اپنی ذات میں اللہ سے مقررہ دائروں کے لیے ایک راہِ عمل ہے (ہدیٰ للمعتقین) ہے تاہم اس کی اپنی کچھ صفات بھی ہیں جن میں دنیا کی کوئی الہامی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور کتابیں صرف پیغام message ہیں الفاظ letters کا کوئی اپنا علیحدہ عمل نہیں۔ مگر قرآنِ کریم کے علمی سپہروں کے ورہ اس کے

کے الفاظ کی بھی ایک شان ہے۔ دیگر الہامی کتابوں کی زبانیں تک اب زندہ نہیں صرف ترجموں سے کام چل رہا ہے۔ وہ دنیا کے کسی ملک کی مابولی نہیں ہیں مگر قرآن پاک ایسی واحد کتاب ہے جسکی نہ صرف زبان زندہ ہے بلکہ اس کے الفاظ میں بھی ایک روحانی شان ہے اور اس کا پیرایہ بیان بھی غلط و قرأت میں ایک اپنی شان رکھتا ہے۔

قرآن کے صوتی حسن نے ایک بڑے خلا کو پورا کیا

انسان فطری طور پر گانے اور حسن صوت کا گردیدہ ہے۔ اسلام میں گانے پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کا کہنا گانا اور سننا تینوں ناجائز ٹھہرائے گئے۔ جس طرح سارپ کی فطرت ہے کہ وہ بین بچے تو بھڑکتا ہے انسان کی فطرت ہے کہ وہ نرم اور تغنی سے بھرتا ہے گانے کے جھجکے انسان کی حیوانیت پر پڑتے ہیں اور اسلام حیوانی جذبات کو دبائے کی تعلیم دیتا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ انسان میں موسیقی Music کی جو فطری کشش تھی اسے قرآن کے صوتی حسن سے پورا کیا گیا۔ قرآن کے صوتی حسن کا پرتو انسان کی حیوانیت پر نہیں روحانیت پر پڑتا ہے اور یہ Music کا بدل نہیں نعم البدل ہے۔

قرآن کریم کے حروف کھول کھول کر ترتیل سے پڑھے جائیں تو ان میں خود ایک لطافت ایک سوز ایک کشش اور ایک دردمندی ابھرتی ہے۔ ان الفاظ میں جو معانی لپٹے ہیں وہ ابھر رہے ہیں اور ان سے ان الفاظ و حروف کی ایک مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ عجیب صوتی حسن و جمال ہے۔

پر تو حسنت نگینہ در زمین و آسمان

در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کر دہ

قرآن کریم بے شک دوزن و قافیہ اور آیت کے ایک حد و فاصلے کا پابند نہیں لیکن اس کے باوجود جب یہ پڑھا جاتا ہے تو اس میں ایک عجیب نغمہ کی سی آواز پیدا ہو جاتی ہے ہم یہاں آپ کے سامنے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیات پر ذرا توجہ کریں اور کان دھریں یہ نظم ہے نہ نثر۔ یہ ہے کیا؟ اس میں عقلیں حیران، ہوش خرابان اور کوشش خیزین

درماندہ ہیں۔

① وجوہ یومئذ ناضرةً الی رہا ناظرہ ۰ وجوہ یومئذ باسرةً نظن ان

یفعل بہا فاخرة ۰ (پہلی التیہ ۲۲)

ان نو آیتوں کو۔ ان کے نظم و ربط کو۔ ہر ایک کے آخر کی راکو۔ اور پھر دوم آخرت پر متوجہ کر لے کی اچانک ادا کو۔ غور سے دیکھیں جب قاری ان کے ایک ایک حرف کو کھل کھل کر پڑھے گا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسن صورت سے بھی نوازا ہو تو اس تملادت کا عجیب بحر انگیز نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا۔

فاذا برق البصر ۰ وخسف القمر ۰ وجمع الشمس والقمر ۰ یقول

الا انسان یومئذ ین المفرہ ۰ کلا لا وزر ۰ الی ربک یومئذ المستقر ۰

ینبئوا الا انسان یومئذ ینبعثا فقدم واکثرہ (پہلی التیہ ۱۳)۔

پھر یہ بھی دیکھئے :-

وجوہ یومئذ ناضرةً الی رہا ناظرہ ۰ (پہلی التیہ ۲۳)

ضاد اور نظار قریب الخرج حروف ایک دوسرے کے وزن میں آئیں تو اس تملادت

میں ایک عجیب صوتی جمال پیدا ہوتا ہے جو ضاد اور دال (د) کے قریب ہونے میں نہیں۔ اسے پڑھیں اور پھر لگی آیات کو اس کے ساتھ تلائیں۔ آپ کے دل و دماغ اس سحر انگیز واردات کی گواہی دیں گے :-

وجوہ یومئذ باسرةً نظن ان یفعل بہا فاخرة ۰

بلافت اس انتہا پر ہے کہ ایک قیامت ہے جو واقع ہو گئی۔ پھر آگے چلئے :-

کلا اذا بلغت التراقی ۰ وقیل من راق ۰ وظن انه الفراق ۰ والتفت

التان بالساق الی ربک یومئذ المساق ۰

قیل من کے بعد جو سکتہ ہے وہ الگ لفظ دان کو عجیب اثر انگیز کر رہا ہے۔

جو شخص عربی جانتا ہو اور ان آیتوں کے معنی سمجھتا ہو تو ان آیات کی تملادت سے اپنے صوتی

اچلا سے بالکل دم بخود کر دے گا ہم اسے یہاں حسن قرأت کی بحث میں لارہے ہیں اس لیے ترجمہ

ساتھ نہیں دے رہے ایسے آپ خود ملاحظہ کر لیں۔

② پھر ان آیات کا ترجمہ بھی سنئے اور سر دھنیے۔

فَلَا اقْسَمُ بِالْخَشِ الْجَوَارِ الْكُنْثَى - وَاللَّيْلُ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ.

(نپ انگور ۱۵)

خَش اور کُنْثی کا وزن۔ عَسْعَس اور تَنَفَّس اور پھر رات اور صبح کا مقابل۔ رات کا چھایا جانا اور صبح کا دم مارنا (پوچھنا) ایک عجیب ادراہ ہے۔

③ پھر ان آیات پر بھی غور کریں اور قرآن کے صوتی سن و جمال کا نقشہ دیکھیں الفاظ کے اثر میں کون کس صوت کا نتیجہ دیں گے اسے حضرت بلہ بن عازبؓ (۷۲ ص) کی روایت میں دیکھیں۔
وَالْمَتْنِ • وَالزَّيْتُونِ • وَطُورِ سِنِينَ • وَهَذَا الْمَبْلَدُ الْأَحْيَانِ • لَقَدْ خَلَقْنَا

الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ • (نپ التین)

یہاں تین، سنین اور پھر تقویم کی صوتی مناسبت دیکھیں

حضرت بلہ بن عازبؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ والعتیق پڑھی پھر اس پڑھنے کا کیا نقشہ بچھا اسے حضرت بلہؓ کے لفظوں میں آپ پہلے دیکھ آئے ہیں۔

فَاسْمَعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ •

ترجمہ۔ اس سے زیادہ حسین آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی۔

④ جنتیوں کو دوزخ سے دور رکھا جائے گا اس کے لیے لفظ زحزح دیکھیں یہ اپنی آواز سے ہی ایک دور کے فاصلے پر لے جا رہا ہے پڑھنے والا اسے اپنے حال سے دور جانے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا۔ اب جب اس دوری کو عن النار کے ساتھ جوڑیں تو جنت اور جہنم میں ایک عجیب فاصلہ نظر آئے گا اس پر پھر جنت میں داخل ہونے کی خبر ہے اور پھر اس پر جب فقد فاز (سودہ اپنے انجام میں کامیاب ہو گیا) کی بشارت چسپاں ہو تو تلاوت میں ایک ایک حرف کھٹا نظر آئے گا۔ قرآن پڑھنے کی یہ شان تزیل ہے۔

ضمن زحرج عن الصادق داخل الجنة فقد فاز۔ (پہلے آل عمران ۱۸۵)
ترجمہ: پھر جو کوئی در رکھا گیا آگ سے اور ذلیل دیا گیا جنت میں اس کا تو کام
بن گیا۔

⑤ کافر کو جب پیپ پلائی جائے گی اور وہ اس کے حلق سے نیچے نہ اتر سکے گی اس گھونٹ کی
سگرانی کو قاری کی قرأت میں دیکھیں آپ اس میں ایک عجیب جھکا محسوس کریں گے۔

وَسَيَقِي مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يَسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ
مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ۔ (پہلے ابراہیم ۱۴)

ترجمہ: اور اسے پلایا جائے گا پیپ کا پانی وہ بڑے تکلف سے اس کا گھونٹ
بھرے گا اور وہ آسانی سے اس کے نیچے نہ ہوگا اور ہر طرف سے اسے موت
آئے گی اور وہ مرا ہوا نہ ہوگا۔

اسی موت ہونے اور نہ ہونے کو قرآن کریم دوسرے مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے۔
لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ۔ (نہل الاعلیٰ)

ترجمہ: وہ وہاں نہ مرا ہوگا اور نہ زندہ۔

اس سے اوپر بلاغت کی انتہا اور کیا ہو سکتی ہے۔

اس قسم کی مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک صرف ایک پیغام یا محض ایک منبع علم نہیں
یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا ہر حرف اور لفظ اپنی جگہ متبرک ہے۔ اس کے پڑھنے سے ہوا میں
جو جنبش ہو وہ بہر بعض پر اترے تو اسے بھی اس میں عافیت ملتی ہے۔

موت برحق ہے اور ہر انسان اس کی لپیٹ میں ہے۔ ملک الموت اپنے کام میں
لگا ہوا اور مر لیں جان کنی سے گزر رہا ہو تو اس وقت بھی سورہٴ یٰسین سے لہی ہوا کی ہیریں
اسے سکون دیتی ہیں۔ سو قرآن شریف صرف ایک لائحہ عمل نہیں اس کی تلاوت خود ایک عمل ہے
اور اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف میں اثر ہے۔

وال کے صوتی حسن کا دلائل ویز نقشہ

ان بطش ربك لشديد • انه هو يدك • وبعيد • وهو الغفور الودود •
 ذوالعرش المجيد • فعال لما يريد • هل اقالا حديث الجنود • فرعون وثمود •
 بل الذين كفروا في تكذيب • والله من وراءهم محيط • بل هو
 قرآن مجيد • فی لوح محفوظ • (پہلے البروج ۶)
 شرت کی ابتدا میں بھی اس حسن صوتی کی اٹھی لہر کو دیکھیں
 والسموات البروج • والیوم الموعود • وشاهد مشہود • قتل اصحاب
 الاخدود • النار ذات الوقود • اذ هم علیہا قعود • وهو علی ما یفعلون
 بالمشومین شہود •

یہ صوتی حسن و جمال اس معنوی لطافت، ادنی فصاحت اور اخروی سعادت کے علاوہ ہے جو
 ان الفاظ اور ان کے اس بے مثل پیرایہ سے اٹھ اٹھ کر سننے والے کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ اگر
 کوئی خارجی دباقرہ میں رکاوٹ نہ ہو تو ناممکن ہے کہ سخت سے سخت دل بھی اس کے سامنے گھٹاؤ
 ہوئے بغیر رہیں۔

الفاظ کی اس شوکت و جلال نے قرآن پاک کے پڑھنے کو ایک فن کا درجہ بخشا ہے قرآن
 کریم کے علاوہ دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا پڑھنا بھی ایک فن کا درجہ اختیار کر گیا ہو۔ اسلام
 میں جس طرح فقہاء و محدثین علم نبوت کے وارث اور امین ہیں۔ قرآن کریم بھی اس فن کو نکھارنے میں
 امت میں آواز روح الامین ہیں۔

قاری صاحبان کے لیے اصولی ہدایت

تجوید میں افراط اور تفریط دونوں سے بچنا چاہیے۔ تجوید کے بہانے گالوں کی طرزدوں پر آجانا یقیناً تفریط ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بے ذوق کسی کو سختیں صحت کرتا پائے اور اس پر گانے کی نئے اختیار کرنے کا عیب دھرے تو یہ افراط ہوگی اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔ سختیں صحت قرأت کی صفت میں سے ہے۔

اسلام میں قرآن پڑھتے گانے کی نئے سے تردد کا گیا ہے لیکن سختیں صحت اور زینت قرآن کا اسی جگہ حکم دیا گیا ہے یہ وہ راہ اعتدال ہے جو افراط اور تفریط کے بین بین ہے اور قاری صاحبان کو اس راہ وسط کو کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔

ایک اور بڑی غلطی جو حسن قرأت کی محضوں میں دیکھنے میں آتی ہے وہ ہے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے قرآن پڑھنا۔ یہ قواعد صحیحہ سے بھی پڑھا جائے تو یہ تہذیب لارضا الخلق ہے۔ اللہ کی رضا کے لیے جو تجوید قرآن ہوتی ہے وہ غلو و مبلوت اور مفرد صحت میں ایک جسی ہوتی ہے یہ بات کہ لوگوں کے سامنے تو صحیح پڑھا جائے اور اپنے ہاں تہنائی میں پڑھیں تو وہ مجلس کا سا اہتمام نہ ہو یہ بات بڑی ہے۔ قرآن کرام کو چاہیئے کہ جب بھی قرأت کریں ایک سی وضعداری اختیار کریں۔

عام مسلمانوں کے سامنے قرأت کی ایک اصولی ہدایت

جس جگہ عوام اور نادانف لوگوں کی کثرت ہو اور قرأت سب سے وعشہ کے اختلافات سے لوگ نادانف نہ ہوں مناسب یہ ہے کہ وہاں شخص کی روایت کے سوا دوسرے اختلافات نہ پڑھے جائیں ورنہ عوام اپنی نادانفیت کے سبب اعتقادی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چنانچہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ اور چیزوں میں تو اختلاف تھا ہی ان قاریوں نے قرآن میں بھی اختلاف کر دیا اور یہ قاعدہ شرعی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ اگر خواص کے مستحب پر عمل کرنے سے عوام کے

ہوام میں بہتا ہو جاسکا اندیشہ ہو جائے تو خواص کے لیے بھی اس منتخب پر عمل کرنا منع ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری قرأت روایت حفص اور تجرید کی تکمیل کے بعد پڑھائی جائیں۔

روایت حفص کے خلاف ایک نئی آواز

ان دنوں کچھ ایسے لوگ بھی اُٹھے ہیں جو فقہ اہل العراق فقہ حنفی اور کوفہ کی علمی منزلت کے علاوہ باتیں کرنے کو دین کی ایک بڑی خدمت سمجھتے ہیں وہ یہ منہیں مانتے کہ کوفہ اپنے وقت میں ایک شہر دارالعلم تھا اور اسے حضرت عمرؓ نے بسایا تھا قاری حفص بھی کوئی ہیں جن کی قرأت پر آج ہر جگہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔

اس جویش تعصب میں ان لوگوں نے بہت کوشش کی ہے کہ جس طرح بھی ہو پائے قرآن پاک کو اس کو فی پچاپ سے نکال کر کسی دوسری قرأت میں لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ مسودی حکومت کو بزنے وغیرہ انہوں نے روایت حفص پر قرآن پڑھنے کو سب قرأت پر راجح قرار دیا ہے۔ حجاج کرام کو وہاں سے ہر سال برصغیر کریم تحفے میں ملتا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا ملے گا۔

کتب هذا المصحف وضبط على ما وافق رواية حفص بن سليمان بن المغيرة

الاسدي الكوفي لقراءة عام بن ابي الصعود الكوفي التابعي.

جو لوگ کوفہ کے علمی مرکز سے بغض رکھتے ہیں معلوم نہیں وہ اس کو فی قرأت کو کس طرح گوارا کرتے ہوں گے۔

اس پر ہم قرأت قرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

اسلوب القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

اسلوب پیرایہ بیان کو کہتے ہیں انگریزی میں اسے سٹائل style کہہ سکتے ہیں۔ علم کی دنیا میں اظہار خیال بڑا اہم مرحلہ ہے اور تاریخ میں اس کے لیے نظم اور نثر دونوں سلسلے چلے ہیں جہاں بات سمجھا کر چلنا ہو وہاں زیادہ نثر چلتی ہے۔ عدالتوں اور کاروبار کی کاروائیاں کبھی ادبی پیرایوں میں نہیں ہوتیں لیکن جہاں گہرے حقائق، قلبی احساسات، مافوق الطبیعات اور ذہنی مدوجز کی باتیں ہوں وہاں اہل علم ادبی پیرایوں میں چلتے ہیں اور ان خیالات اور احساسات کے لیے شعر کی زبان زیادہ ساتھ دیتی ہے۔ ہر داسہ علم میں لوگ حسب حال نثر و نظم کے پیرایوں میں چلے ہیں۔

قرآن کریم اپنے مطالب عالیہ اور حقائق غامضہ میں اپنی ادبی شان کا متقاضی ہے اور اپنے مقاصد میں بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے ایک صاف پیرایہ بیان چاہتا ہے۔ اس طور متخل میں یہاں نہ نظم کو راہ ہے نہ صرف نثر کو۔ اس جہاں میں رہتے ہوئے عالم برزخ اور عالم آخرتہ کی باتیں بتانا اور جنت اور دوزخ کے نقشے بیان کرنا کوئی آسان بات نہیں لیکن بنی نوع انسان اظہار خیال میں اب تک انہی دو راہوں نظم و نثر میں چلے ہیں اور انہوں نے اب تک قرآن کریم کے سوا کوئی اور پیرایہ بیان دیکھا ہی نہیں تھا۔ قرآن کریم اتنا تو ایک عجیب ادبی پیرایے میں اتنا ہدایت پلنے کے لیے اس سے سہل کوئی اور ہدایت نامہ نہیں اور ہر غلط فکر اور اچھی سوچ کو گرا کرنے کے لیے اس سے اوپر کوئی پرواز نہیں اس کا یہی پیرایہ بیان ہے جس سے بڑے بڑے اہل دانش اس کے آگے ہتھیار پھینک گئے اور کوئی بڑے سے بڑا مفکر اور ادیب اس کی مثال نہ لاسکا۔

قرآن پاک کا پیرایہ بیان نہ نظم ہے نہ نثر یہ دونوں سے الگ ایک نللا اسلوب اور ایک نیا طرز کلام ہے جس کی کوئی نظیر عرب میں پہلے سے موجود نہ تھی کچھ لوگ اسے شعر کہنے کی جرات کرتے ہیں تو آسمان سے جواب ملتا ہے :-

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذکور قرآن مبین۔ (رپ السین ۶۶)

ترجمہ ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا نہ یہ آپ کی شان کے لائق محتایہ تو
ذکر ہے اور قرآن میں ہے۔

اور جو لوگ اسے شعر کہنا چاہتے تھے وہ اس کی لاثانی بندش اور بے مثل روانی کو دیکھ کر اسے
شعر کہنے سے بھی بھگتے تھے۔ الغرض یہ ایک عجیب انداز بیان ہے جس میں عقلیں اب تک حیران ہیں
یہ وہ ذخیرہ علم ہے جس کے سامنے سب علوم ماند ہیں۔ یہ اسلوب بیان بہت پیارا اور دلآویز ہے
اور یہ صحیح ہے کہ اس کتاب مقدس کے حفظ میں اس کے نزلے اسلوب کا بھی بہت دخل ہے
اور اس کے صوتی اثرات بھی اس خاص اسلوب میں مدخل کرنا ہر سہولت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اس کی اصل زبان عربی ہے مگر عرب و عجم، ایشیا اور یورپ ہر ملک کے رینج
والے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس میں نظم کی سی لذت اور شعر کا سا وقار محسوس کرتے ہیں اس کے
الفاظ میں ایسی ملاوت ہے کہ جو لوگ اسے سمجھتے نہیں وہ بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں یہی
وجہ ہے کہ اس کا بار بار پڑھنا ایک ذوق پیدا کرتا ہے اور اس کے حفظ کے لیے ایک خاص شوق
انگیزا ہے۔

کسی علمی یا تاریخی مضمون کو جب ایک بار سے زیادہ بیان کیا جائے تو سننے والوں کے
لیے کچھ بے لطفی اور انقباض سا پیدا ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کا اسلوب کچھ اس قسم کا واقع ہوا ہے کہ
جب ایک مضمون دوسری بار آتا ہے تو وہ بالکل ایک نیا مضمون معلوم ہوتا ہے اور وہ ایک نیا ہی
لطف پیدا کرتا ہے۔

قرآن پاک کے اس نزلے اسلوب کا ہی نتیجہ ہے کہ ایک طرف جاہل سے جاہل شخص اس کے
بنیادی اصولوں کو بے تکلف سمجھ سکتا ہے اور دوسری طرف رازی و اہلوسی بھی اس کے علوم و معارف
کا احاطہ کرنے سے عاجز نظر آتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی آیت کے لیے دفتروں کے دفتر بھی لکھ ڈالے جائیں
تو اس کے اسرار و حکم منضبط نہیں ہوتے اور اگر سیدھے سادے معنی بیان کرنا ہوں تو بے اوقات ترجمہ
بھی دلوں کو مطمئن کر دیتا ہے اور ذہن کے سارے غبار دور کر دیتا ہے۔

ایک سوال

قرآن کریم جب ایک ضابطہ حیات ہے تو اس کی ترتیب قانون کی دوسری کتابوں کی طرح محبوب اور منظم کیوں نہیں؟ ایک موضوع کی جملہ جزئیات سلسلہ وار ایک ہی جگہ مرتب کیوں نہیں ایسا کیوں نہیں کہ تعلیم توحید، تصدیق رسالت، احوال آخرت، مسائل نماز، احکام زکوٰۃ، آداب رمضان، مناسک حج وغیرہ علیحدہ علیحدہ سورتوں اور مستقل پاروں میں بیان ہوں مختلف انبیاء کے واقعات کے لیے بھی مستقل سورتیں موبود ہوں۔ قرآن پاک زندگی کو اس قسم کی ترتیب سے کیوں پیش نہیں کرتا؟

جواب۔ نزائطے مطلوب میں نزالی ترتیب

قرآن کریم بے شک ایک اسلامی دستور العمل ہے لیکن یہ محض ایک مجبورہ قوانین نہیں بہت سے دیگر حقائق حکیمانہ مکالمات اور واقعات پر بھی مشتمل ہے قانون کی عام کتابیں جزئیات کے ساتھ اس لیے سلسلہ وار مرتب ہوتی ہیں کہ ان کا الفاظ بزور قوت اور ان کا اجزاء ہدایہ اقتدار ہوتا ہے۔ قرآن عزیز اسلامی ضوابط زندگی کو ان کے حکم و مصالح اسرار و رموز، تعامل کے سابق تظاہر اور ذکر آخرت کے نصاب کے ساتھ پیش کرتا ہے یہ بڑی قانون کی کتاب نہیں و خط کی کتاب بھی ہے۔ حد و تعزیرات کے ابواب بھی اس میں و عطاوارشاد کو ساتھ لیے ہوئے ہیں۔

ولکونی القصاص حیوۃ یا اطلال الالباب۔ (پہ البقرہ ۱۷۹)

ترجمہ اور مہتاب سے لیے بدلہ لینے میں زندگی ہے اسے دانشور۔

اس ترتیب بیان سے اسلامی صداقتیں اور حقائق کائنات از خود دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں اور اسے ایک ضابطہ حیات کے طور پر قبول کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اسلام کے اصول و فروع قوت کی بجائے دلائل و اخلاق کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ رب العزت ان سب امور کو اس طرح ظاہر بیان کرتے ہیں کہ ایک ایک سرور پورے اسلام کی ترجمان ہو جاتی ہے یہ محض ایک قانون کی کتاب نہیں و عطاوارشاد کے حکیمانہ اسرار بھی اس کے ہر بیان میں پلٹے ہوئے ہیں۔

قرآن پاک ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف بڑی خوبی اور لطافت سے منتقل ہوتا

ہے توحید کے مضمون سے احکام کی طرف، قصص سے عقائد کی طرف اور احکام سے آثار قدرت کی طرف اس حسن انتقال سے مستقل ہوتا ہے کہ ہر مضمون مقصود بالذات نظر آتا ہے۔ ایک مضمون یا ایک واقعہ اگر دوسری بار بیان ہوتا ہے تو اس انداز اور شان کے ساتھ کہ وہی پہلا مضمون یا واقعہ ایک نیا واقعہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ قرآن عزیز مختلف مضامین کے مابین ایسا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل قائم کرتا ہے کہ یہ ترتیب طوقِ بشر سے خارج نظر آتی ہے۔ آسمان پر چمکتے ستارے ایک عام نگاہ میں کس بے ترتیبی سے بکھرے پڑے ہیں لیکن علمائے ہیئت Astronomy اور ماہرین نجوم سے پوچھو کہ ان منتشر چمکتے ہوئے نورانی تاروں میں کیا تناسب اور توازن ہے۔ اگر ایک ستارہ نظامِ فلکی کو توڑ کر اپنے مقام سے نکل جائے تو کتنے بڑے بڑے انقلابات پیش آسکتے ہیں۔

اسی طرح قرآن پاک میں ایک مضمون کی آیات جب مختلف مقامات پر پھری دکھائی دیتی ہیں تو نا محرم نگاہیں بہت پریشان ہو جاتی ہیں لیکن وہ لوگ جنہوں نے پورے خلوص و وفائے زندگیوں کا کچھ حصہ قرآن کو دیا ہے وہ اس کے اسرار و معارف کے پورے رمز و شانس ہیں انہیں پتہ ہے کہ اگر ایک اہمیت اپنے محل سے بدل جائے تو رب العزت کی صفت کلام اور اس کا سارا نظام کس طرح دہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر علامہ ابو جعفر کی کتاب ”البرہان فی مناسبتہ ترتیب سور القرآن“ اور علامہ برہان الدین کی کتاب ”نظم الدرر فی تناسب الایہی والسور“ ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔

قرآن کے نئے اسلوب پر ایک قدیم شہادت

ہمارا یہ دعوئے کہ قرآن پاک کا اسلوب نرالا ہے یہ نہ نظم ہے نہ نثر اس میں نظم کی سی لہزت اور نثر کا سا وقار ہے۔ ہمارا ہی دعویٰ نہیں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود (۳۷ھ) نے اپنے نثر اور شعر سے عباد رکھا ہے مندرجہ ذیل روایت میں نثر اور شعر دونوں وارد ہیں، آپ نے فرمایا۔

لا تشرؤہ نثر الا قبل ولا تھذوہ کہذ۔ الشعر فموا عند عجائبہ وحرکوا

بلہ القلوب ولا یکن ہم احدکم انحر السور۔

ترجمہ نہ بکھر و قرآن کے لفظوں کو جیسے ناقص کھجوریں ادا دھڑ دھڑ گرتی ہیں اور نہ لپیٹو
قرآن کو جیسے شریٹ لپیٹے جالتے ہیں (اپنے قافیہ اور روی میں لانے جالتے ہیں اور
ان میں جلدی کی جاتی ہے) مظہر و اس کے عجائبات پر اور اس سے دلوں کو ہلکا کر
رکھ دو اور اس کی فکر میں نہ لگو کہ اس سورت کا آخر کب آئے گا؟

نثر پڑھنے کے کوئی قاعدے نہیں ہوتے مگر قرآن پاک کو پڑھنے کے قاعدے ہوں گے اسے
نثر و قیل کے پیمانے میں لانے سے منع فرمایا اور اس کے پڑھنے میں شعر کا سامنے لینے سے بھی منع کیا۔
کیونکہ بعض اوقات شعر اس لیے بھی جلدی پڑھتے ہیں کہ اس کا وزن پہلے مصرعہ سے کہیں جھوٹا
یا بڑا محسوس نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے کہ قرآن پاک اپنے اسلوب میں
نہ شرع نہ ظلم اس کا اپنا ایک اسلوب ہے اور اس اسلوب کے کچھ اپنے حقوق ہیں ان کا حیاں کر۔

اسلوب قرآن پر ایک اور سوال

بعض مخالفین کہتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے عرب میں کئی ایسے بلند پایہ خطیب گزے
ہیں کہ آنحضرتؐ کو ان کے خطبے اور اشارے سننے کا بار بار موقع ملا تھا اس سلسلہ میں وہ قس بن ساعدہ
اور امیہ بن الصلت وغیرہ کے نام آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کے کلام میں بعض ایسے فقرے
ملتے ہیں جن کا اسلوب، قرآن کی بعض جھڑی جھڑی آیات کے انداز پر ہے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کا
اسلوب نرالا نہیں پہلے سے اس کے آثار موجود تھے۔

جواب: قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت کے جن خطبات اور اشارے سے استدلال
کیا گیا ہے ان کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ وہ سب اپنے ثبوت میں موضوع اور اپنی تاریخی نسبت میں
ناقابل اعتبار ہیں کسی صحیح سند سے وہ قس بن ساعدہ اور امیہ بن الصلت سے منقول نہیں ہو سکتے
ان خطبات کا جاہلی ہونا تسلیم نہیں کرتے وہ قطعات کلام آنحضرتؐ سے پہلے کے نہیں آپ سے
کافی بعد کے ہیں۔ بنو امیہ اور بنو عباس کے بعض درباری شعراء اور خطباء کی عاجزیت تھی کہ بعض اوقات
اپنی وجاہت اور ثقاہت ظاہر کرنے کے لیے اپنے کلام کو عہد جاہلی کی طرف نسبت کر دیتے تھے

ان متاخرین کے کلام میں اگر کہیں اسلوب قرآنی کی پیروی ملے اور وہ اسے عہد قدیم کی طرف نسبت کر دیں تاکہ ان کی تعریف وسیع تر ظاہر ہو اور قدما کے کلام پر ان کی دھاک بیٹھ جائے تو اس چال سے اصل کلام عہد جاہلی ہرگز نہ بن سکے گا۔

ان دماغین میں حماد الراویۃ (متوفی ۱۵۵ھ) اور خلف الاحمر کی بہت شہرت ہے صہمی کہتے ہیں کہ حماد اعلم الناس ہے اگر وہ اشعار میں کبھی پیشی نہ کرے اس قول کی تشریح میں عربی کے بلند پایہ ادیب علامہ یاقوت لکھتے ہیں :-

صہمی نے یہ اس لیے کہا ہے کہ حماد کے متعلق یہ خیال عام تھا کہ وہ اپنے اشعار کو قدیم شعرائے عرب کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔

اس شخص کا شعرائے جاہلیت کے انداز بیان اور ان کے اسالیب پر قیادہ ہونا علماء ادب نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح خلف احمر عہد جاہلیت کے محاورات اور لغات میں اس قدر ماہر تھا کہ اپنے طبع زاد اشعار قدیم شعراء کے نام سے پیش کرنے میں اسے کوئی باک نہ تھا۔ علامہ ابوالطیب عبد الوہاب اللغوی لکھتے ہیں :-

كان خلف يضع الشعر وينسبه الى العرب فلا يعرف.^۱
ترجمہ: خلف احمر خود شعر وضع کرتا ہے اور انہیں اس طرح عربوں کی طرف منسوب کر دیتا تھا کہ پتہ ہی نہیں چلتا دیتا تھا۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے پہلے کے بعض خطباء اور شعراء کے اسالیب کا پیروی قرار دیتے ہیں ان کے ذمہ ہے کہ اپنی پیش کردہ نقول ایسے اسناد سے ثابت کریں جن میں حماد اور خلف الاحمر جیسے دماغین کی کارکردگی کو کوئی دخل نہ ہو۔ علامہ سیوطی نے ایسے بعض خطباء پر خوب تنقید فرمائی ہے۔^۲

پروفیسر مارگرٹ کیوتھ۔ جو اس قسم کے اعتراضات کے لیے ہر تنکے کا سہارا لیتے ہیں خود تسلیم کرتے ہیں کہ :-

^۱ مجمع البلدان جلد ۱۰ ص ۶۵۵ ^۲ المناجید جلد ۱ ص ۶۸
^۳ دیکھئے التلوی المصنوع فی الاماویث الموضوہ جلد ۱ ص ۲۸ مصر

قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر وضع کر لیا گیا ہے۔ بلکہ حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم نے جس نئے اسلوب سے دنیا کو روشناس کرایا ہے اس کی کوئی نظیر پہلے سے موجود نہ تھی اگر کوئی ایسا نمونہ کلام پہلے موجود ہوتا تو جب قرآن نے عرب کے صحابہ و بلغار کو پوری تحدی سے مقابلہ کے لیے آواز دی تھی تو وہ اسے لے کر میدانِ مبارزت میں ضرور نکلتے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کے خطباء و شعراء کو وہ نظائر کیوں میسر نہ آئے جواب ہمارے ان کرم فرماؤں کو مل رہے ہیں؛ جب اس مقابلہ کے وقت کوئی ایسا نمونہ کلام پیش نہیں ہو سکا تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ سب مواد بہت بعد کی پیداوار ہے قرآن ان کے پہلے نہیں یہ خود قرآنی اسالیب کی پیروی میں وضع ہوئے ہیں اور اس میں بھی وہ بُری طرح ناکام ہیں۔

تکرار فی القرآن پر ایک سوال

قرآن کریم میں انبیاء گزشتہ کے واقعات میں بہت تکرار ہے یہ تکرار قرآن کے اسلوب پر ایک جرح ہے جو مخالفین کی طرف سے کی گئی ہے۔

جواب : قرآن کریم نے مخالفین کو کہا تھا کہ اگر تمہیں میرے کلام الہی ہونے میں شک ہے تو اس جیسے کلام کی ایک ہی سورت بنالاف اس کا جواب ان کی طرف سے یہ ہو سکتا تھا کہ جہاں الفاظ ایک مضمون کے بیان کے تھے وہ تو قرآن نے استعمال کر لیے اور اس مضمون کی ادائیگی اتفاقاً ایک اچھے انداز میں ہو گئی، علاوہ ازیں قصص کا دائرہ بلاغت محتاج و انکار کے دائروں کی طرح زیادہ وسیع نہیں یہ بہت تنگ ہے اس لیے اگر یہ مضمون کسی ویسی ہی طبع ترکیب میں دوبارہ نہ آ سکے تو کوئی تعجب نہیں اگر کسی کو دہونے ہے تو وہ ہی ان مضامین کو ان جیسی دوسری ترکیب میں لاکر دکھائے۔

قرآن کریم نے ان مضامین کو مختلف لفظوں اور مختلف طریقوں میں پیش کیا ہے کہیں مختصر اور کہیں مفصل اور ہر دفعہ اس میں بلاغت کا اعلیٰ ترین درجہ ملحوظ ہے پس کئی اعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ قرآن کا عالمگیر جیلنج اور چکر لگایا کہ تم کسی لفظوں سے اور کسی طریقہ پر جو متبادرے نزدیک ممکن ہو بعد

تذکرہ قرآن کی نظیر لے اور ایک بات کو مختلف جہاتوں میں پیش کرنا اور بلاغت کا سیار ہر دفعہ ایک رکنا
 بطنہ کے نزدیک ایک بڑی ہی مشکل بات ہے اور قدرت بشری سے خارج ہے۔ قرآن کریم اگر
 کلام بشری ہوتا تو اس میں یہ تکرار ہرگز نہ ہوتا۔

تکرار قصص کی دوسری وجہ

۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی قوم کی شرارتوں اور بے وجہ مخالفتوں سے طول خاطر
 ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ حضور اکرم کی تسلی خاطر کے لیے کچھ انبیاء کے واقعات کو بار بار نقل کرتے
 تاکہ حضور کے دل کو تسلی ہو۔

وَكَلَّا نَقْصُصَ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرِّسَالِ مَا نَتَّبِعُ بِهِ فَوَادِكَ وَجَاءَكَ فِي
 هَذِهِ الْحَقِّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ. (آلہ ہود ۱۲۰)

ترجمہ۔ اور یہ پیغمبروں کے تمام قصے جو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں یہ
 تمہارے دل کو مضبوط کرنے کے لیے ہیں اور ان میں تمہارے پاس حق اور
 ایمان والوں کے لیے نصیحت اور تذکرہ ہے۔

چونکہ اس قسم کے تذکرے بار بار گزرتے اور ایسی تکلیفات کا بار بار سامنا کرنا پڑتا اس
 لیے اللہ تعالیٰ نے کچھ انبیاء کرام کے ان صبر آزمائوں کو بھی بار بار پیش کیا تاکہ ان کی یاد سے
 آپ کا دل تسلی پکڑے۔

پیش نظر ہے کہ قرآن پاک جب کسی واقعے یا مضمون کو دوسری بار پیش کرتا ہے تو اس
 میں صرف تکرار نہیں مضمون کی زیادتی اور لطافت ایک اور ذوق بلاغت پیش کرتے ہیں جسے تاکیہ
 اور تائیس کے مختلف مدارج سے تعبیر کیا جاسکتا ہے یہ تکرار محض نہیں جو محض فصاحت ہو سورۃ
 الرحمن میں بھی تکرار نہیں تائیس کا فرما ہے۔

قرآن پاک کے اسلوب بیان کے بعد اب اس کے اسلوب نصیحت پر بھی غور کیجئے معذری
 اقبال سے یہ کامیاب ترین پیرایہ بیان ہے۔

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت

قرآن کریم نے جہاں انسان کو حقائق کائنات اور انسانی واقعاتی آیات پر غور و فکر کی بارگاہِ دعوت دی ہے وہاں ابتدائی نصیحت اور فکرِ آخرت کے لیے ایک بڑی سیدھی راہ بھی پیش کی ہے اس کے مضامین جتنے گہرے ہیں اتنے آسان بھی ہیں اگر ایک طرف اس کی بلند لہروں میں رازِ اور وسطاویٰ حیران نظر آتے ہیں تو دوسری طرف یہ فطرتِ انسانی کے آسان قریب بھی ہے کہ معمولی توجہ سے اس میں ہدایت کی راہیں کھلی نظر آتی ہیں۔

وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ (پکڑا قرآن)

ترجمہ۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کر دیا ہے کیا ہے کوئی جو سوچنے والا ہو۔

اس سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی اور آپ کے بچ بچکنے کا ذکر تھا اسے قرآن کریم نے ان غفلتوں میں بیان کیا۔

وَلَقَدْ تَوَكَّلْنَا آيَةَ هَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ كَلِمَةً عِلْمِيَّةً وَنَفَذَ

(پکڑا قرآن)

ترجمہ۔ اور ہم نے اسے ایک نشان بنا چھوڑا۔ سو ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا پھر میرا عذاب اور ڈرانا گیا رہا۔

اس کے بعد قرآن کریم کے آسان ہونے کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔

قرآن کریم کا اسلوب نصیحت یہ ہے کہ بلند تر صد اقیں عام فہم مثالوں سے عام ذہنوں میں اتاری جائیں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَلِكُ الْأَمْثَالِ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ (پکڑا حکمت ۴۴)

ترجمہ۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے لاتے ہیں لیکن انہیں صرف عالم ہی سمجھ پاتے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان سے بھی کما حقہ اہل علم ہی استفادہ کر سکتے ہیں تاہم دینِ فطرت کے

عام تعارف اور مائتہ الناس میں غور فکر کی راہیں کھولنے کے لیے قرآن کا یہ اسلوب نصیحت منہایت مؤثر رہا ہے۔

وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ۔ (سجۃ ابراہیم ۲۵)
ترجمہ۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ سوچیں۔
پھر ارشاد ہوتا ہے۔۔

وَلَقَدْ صَرَفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كَلِّ مَثَلٍ فَاِنْ اَكْثَرَ
النَّاسِ الْاَكْثَرُونَ۔ (سجۃ بنی اسرائیل ۸۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے ہر مثال کو کئی کئی صورتوں میں پھیر کر اس قرآن میں بیان کیا
لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔

قرآن عزیز نے ان کی خیر خواہی کے لیے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں
میں طرح طرح کی مثالوں سے بیان کیے ہیں تاکہ بات ان کے ذہن میں اچھی طرح سے اتر جائے
قرآن عزیز مضمون کو عام فہم کرنے کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ غیر سرئی صد اقیس لغشوں ذہن میں
آتا رہی جاتی ہیں تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ غیر محسوس اور غیر سرئی حقیقت کو عوامی ذہن کے قریب
کرنے کے لیے کسی ایسی صورت سے نسبت دی جائے جو روز مرہ کے مشاہد میں پہلے سے محسوس
اور واضح ہو۔ جن حقائق تک عوام الناس کی نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں تمثیلات کے ذریعہ ان کا
مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے۔ انسان کے اخلاقی کردار تمثیلی پیرایہ میں اس طرح سامنے لانے جلتے
ہیں کہ بعض اخلاق کی عظمت اور بعض اخلاق کی نفرت محسوس صورت میں اُن کے سامنے آ
جاتی ہے۔ اپنے کیے کام کو بر باد کرنے کی مثال اس سے زیادہ بلیغ کیا ہوگی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي تَفْتَضُ خِزْلًا مِنْ جَبْقَةٍ اَنْكَاثًا يَتَخَذُونَ اِيَّامًا فَاَنْكَاهُ خَلًا

بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُونَ اَمَةٌ هِيَ اَبْنِي مِنْ اَمَةٍ۔ (سجۃ النحل ۹۱)

ترجمہ۔ اور نہ تم ہو جیسا اس عورت کی طرح جس نے اپنا کاتا ہوا ثوب محنت کے بعد
ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تم ٹھہراتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے میں دخل دینے
کا بہانہ کہ ایک طبقہ چڑھا ہوا ہے دوسرے سے۔

امام فخر الدین رازی (۷۰۶ھ) رقمطراز ہیں :-

ان المقصود من ضرب الامثال : انها تؤثر في القلوب مالا يؤثر وصف
الشئ في نفسه وذلك لان القرض من المثل تشبيه الحق بالجلي و
الغائب بالشاهد فيؤكد الوقوف على ماهيته ويهيئ الحس مطابقاً
للعقل وذلك نهاية الابصاح الا ترى ان الترغيب اذا وقع في الايمان
مجرداً عن ضرب مثل له لم يتأكد وقوعه في القلب كما يتأكد وقوعه
اذا مثل بالنور واذا زهد في الكفر بمجرد الذكر لم يتأكد قبحه في
العقول كما يتأكد اذا مثل بالظلمة واذا اخبر بضعف امر من الامور
وضرب مثله بنسخ العنكبوت كان ذلك ابلغ في تقرير صورته من
الاجبال بضعفه مجرداً ولهذا اكثر الله تعالى في كتابه المبين د
في سائر كتابه امثاله قال تعالى وتلك الامثال نضربها للناس لعل
هم يرجعون مثالیں اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ ان کا اثر دلوں پر اصل چیز کے بیان
کرنے سے بھی زیادہ ہوتا ہے مثال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جو چیز مخفی ہے
اسے کسی جلی چیز سے تشبیہ دی جائے اور جو غائب ہے اس کی مثال حاضر
سے لائی جائے تاکہ اس کی ماہیت کا پوری طرح پتہ چل جائے اور جس عقل کے
مطابق اثر کرے اور یہ بات بڑی واضح ہے ایمان کی ترغیب مثال کے بغیر
کتنی کیوں نہ دلائی جائے دل پر اس کا وہ اثر نہیں ہوتا جو اسے نور کی تمثیل
دے کر ہوتا ہے اسی طرح کفر سے کتنا ہی متنفر کیوں نہ کیا جائے اس کی قناعت
چھٹل میں اتنی نہیں جیتی جتنی اسے اندھیرے سے مثال دے کر واقع ہوتی
ہے کسی چیز کا ضعف بیان کیا جائے اور اس کی مثال بکڑی کے جلے سے
لائی جائے تو اس کی ذہن میں رسائی اس کے مجرد ذکر سے زیادہ ہوگی اسی
لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اور اس سے پہلی کتابوں میں امثال بہت بیان کی

ہیں اور فرمایا کہ یہ مثالیں ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔
 رب العزت کی انتہائی شفقت اور رحمت ہے کہ بلند حقیقتیں تشبیہات کے پیرایہ میں آسان
 کر دی جاتی ہیں لیکن حق قبول کرنے کی سعادت جن کی قسمت میں نہیں ہوتی وہ ان مثالوں سے بہت
 حاصل کرنے کی بجائے اُن ان مثالوں پر ہی اعتراض کرتے لگتے ہیں۔ مخالفین قرآن کریم کے اس
 اسلوب نصیحت پر کبھی یوں لب کشا ہوتے ہیں کہ خدا کی شان کے لائق نہیں کہ وہ معمولی اور حقیر چیزوں
 کو جسے مکڑی پھیر وغیرہ مثالوں میں پیش کرے۔

مخالفین یہاں ایک بڑی غلطی کر رہے ہیں مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت
 سے نہیں ہوتا بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت پیش نظر ہوتی ہے۔ اگر وہ حقیر اور کمزور ہے تو
 تشبیہ بھی ایسی ہی حقیر اور کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی غلطی کا اس سے کیا تعلق
 حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:-

مثال سے تو ضیح و تفصیل مثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے مثال دینے والے کی
 حدت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جمعی ہوگا کہ مثال اور مثل لہ میں
 پوری مطابقت ہو۔ مثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیے۔ ورنہ
 تشبیہ ہی بیہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تفصیل میں یہ ضروری ہو تاکہ مثال اور
 مثال دینے والے میں ہموافقت ضروری ہوتی تو بے وقوفوں کا اعتراض چل سکتا
 تھا مگر اس کا تو کبھی بیٹے وقف بھی قائل نہ ہوگا۔ تو رات انجیل اور کلام حکماء و
 سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت
 اور عناد کی بات ہے بلکہ

ان الله لا يستحي ان يضرب مثلا ما بعوضة فما فوقها۔ (پل بقرہ)
 ترجمہ۔ بے شک خدا کو حد نہیں کہ کوئی مثال پھیر کر یا اس چیز کی جو (حقارت
 اور حقیر مائی میں) اس سے بڑھ کر ہو بیان کرے۔

ادبی اعتبار سے پھیر کر مثال میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ مثل لہ اپنی حقیر میں پھیر کر عملی

تصویر ہو اس انتہائے حقارت کو بیان کرنے کے لیے جتنی دلی سے دلی مثال تلاش کی جائے گی اتنی ہی متفقانے حال کے مطابق ہرگی سبب تیش کی بندی اور بلاغت کی انتہا ہے اس غایت تحقیر میں جانا پستی کی طرف انتقال نہیں بندی کی طرف ایک قدم ہے یہی درجہ ہے قرآن کریم میں مقام پر مثلاً ما بعوضۃ فاد و نہا کی بجائے مثلاً ما بعوضۃ فماد و نہا کی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ گو یہ فوقیت حقارت اور چھوٹائی میں ہو جیسا کہ اہت مذکورہ کے ترجمہ میں ہم نے اشارہ کر دیا ہے پھر کو تو پھر بھی کوئی نہ کوئی اچھا عنوان مل سکتا ہے لیکن یہ کفار و مشرکین تو اس کے بھی اہل نہ تھے۔

سہ پشہ سے سیکھ شیوہ مردانگی کہ وہ

جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

جو لوگ ایمان کی حقیقت سے محروم تھے اور زعم خود اپنے آپ کو ”مومن“ کہتے تھے ان کے لیے ایمان کی ایک محسوس صورت پیش کر دی گئی۔ صنفِ اول کے صحابہ کو ایمانیات کی مثالی صورت میں پیش کیا انہیں معیارِ ایمان قرار دیتے ہوئے سمجھا دیا کہ اگر تم حقیقتِ ایمان کا فیصلی جائزہ نہیں لے سکتے تو اپنے آپ کو ایمان کی اس کسوٹی ”صحابہ کرام کے ایمان“ کے مطابق کرنے کی کوشش کرو تم ایمان پا جاؤ گے۔

واذا قيل لهم امنوا كما امن الناس قالوا انؤمنن كما امن السفهاء الا

انهم هم السفهاء ولكن لا يعلمون۔ (پ البقرہ)

ترجمہ۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ تم ویسا ایمان لاؤ جیسا کہ یہ لوگ (صحابہ کرام) ایمان لائے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہم ان بیوقوفوں کو معیارِ ایمان قرار دیں جواریہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں۔

دوسرے مقام پر اسی مثال کو ان الفاظ میں پیش کیا۔

فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانتم بهي سقاق۔

(پ آخر البقرہ ۱۳۷)

ترجمہ پس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جیسا کہ تم (اے صحابہ) پیغمبرِ خاتمِ ایمان لائے ہو تو بے شک یہ ہدایت پر ہیں اور اگر یہ (اس اصول سے) پھر جائیں تو پھر یہ محض ہند پر ہیں۔

یہاں قرآن کریم کی جملہ مثالوں کا احاطہ مقصود نہیں انہیں ہم انشاء اللہ آگے ایک مستقل عنوان میں پیش کریں گے۔ یہاں ہم قرآن کریم کے اسلوب پر بات کر رہے ہیں۔ قرآن کریم ہدایت کو ذہن نشین کرانے کے لیے اس کے لیے مثالیں لاتا ہے اور یہ اسلوب تقریباً ہر کتاب میں پایا گیا ہے۔ قرآن کریم کے اسلوب نصیحت کی ایک بہار مثالوں کے علاوہ اس کی نہایت مؤثر مضمون بندی میں بھی ہے ہر صفت کا آغاز وسط اور خاتمہ خصوصی شان کے حامل ہیں کلام اس انداز سے شروع ہوتا ہے کہ سننے والا ابتداء میں اس کی عظمت اور بندگی کا معترف ہو جاتا ہے انداز تبارہ ہوتا ہے کہ کوئی نہایت ہی اعلیٰ مضمون بیان ہونے والا ہے وسط اس کی تصدیق کر دیتا ہے اور تفصیل کھل کر سامنے آجاتی ہے پھر خاتمہ اس کا پورا حاصل چند لفظوں میں لپیٹ کر اس مضمون پر مہر لگا دیتا ہے آیات کے فوائج و مقاطع میں عجیب مناسبت ہے اس موضوع میں ملاحظہ المطالع فی تناسب المقاطع والمطالع ایک قابل دید کوشش ہے۔

بخیل (نئے عہد نامے) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار تشیل پیش کرتے دکھایا گیا ہے خدا کی طرف سے تشیلات مسکاشغول کی صورت میں دکھائی جاتی ہے اور بندوں کی طرف سے عالم مشہدت کو بطور تشیل پیش کیا جاتا ہے۔

سُورَةُ الْقُرْآنِ

تقسیم القرآن فی صحف الرحمن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

قرآن کریم اربع محفوظ میں ایک مسلسل کتاب کی صورت میں نہیں مختلف صحیفوں میں تقسیم تھا پھر ایک ایک صحیفہ میں بھی باسٹنڈر جیسے صحف کئی کئی ابواب Chapters تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جو بڑے ابواب باندھے ہیں وہ کتاب العلم، کتاب الصلاة، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج وغیرہ ناموں سے لکھے ہیں۔ صحیح بخاری کے اندر یہ مختلف کتابیں ہیں۔ ستقرآن کریم بھی ایک کتاب ہے مگر اس میں بھی متعدد صحیفے ہیں اور ان میں مضبوط تحریریں پائی جاتی ہیں اور یہ صحیفے اور ان میں پائی گئی تحریریں یہاں پہلے حضورؐ کی زبان پر آئیں اور آپؐ کی تلاوت سے پھر یہ صحابہؓ کی دستاویزات بنیں پھر سرکاری طور پر انہیں محفوظ کیا گیا ان کی نقلیں لی گئیں اور آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی اتنا یہ قرآن دنیا کے ہر طرف رکھنا کافی ہے جو موجود محفوظ اور محفوظ و مزبور ہے نہ اس میں ہر گز سے باطل شامل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے یہ ایک الہی تنزیل ہے۔

رسول من الله يتلو اصحفاً مطهرة فيها كتب قيمة۔ (ذیل البینہ ۲)

ترجمہ۔ اللہ کا رسول پڑھ رہا ہے پاک صحیفے ان میں ہیں قائم رہنے والی تحریریں۔

یاد رکھیے یہ تحریریں قائم رہنے والی ہیں انہیں زمانے کی کوئی دستبرد نہ مل سکے گی۔

صحف کے معنی کھنڈے کے پتے ہیں اسے باب افعال میں اوصاف کہیں گے جس کے معنی اوراق مشترکہ کو ایک جگہ کھنڈے کے ہیں صحف اسی سے اسم مفعول ہے صحیفہ بھی اسی نوع کا ایک تحریری مجموعہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات اتریں آپ انہیں ان کی مناسبت سے ان کے متعلقہ صحیفے میں لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح قرآن کئی صحیفوں میں تقسیم ہے۔ ان صحیفوں کے مجموعہ کو بھی صحف کہتے ہیں۔ قرآن کے اصول پہلی کتابوں میں بھی دیئے گئے تھے

قرآن کریم کے اصول جن پہلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں وہ پہلی کتابیں بھی صحیفہ کہلاتی تھیں

ان امور پر مشتمل ہونے کے سبب سے انہیں بھی صحیفہ کہا گیا ہے۔ گو وہ صحیفے حضرت ابراہیم پر اترے یا وہ تو رات میں موجود ہوں۔ آخرت ہی باقی رہنے والی ہے اور یہی خیر ہے۔ الاخرۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون۔ یہ مضمون قرآن کریم میں متعدد پیرایوں میں آیا ہے۔ اس کے بارے میں خبر دی گئی۔

والاخرۃ خیر والبقیٰ ان هذا فی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم

وموسیٰ۔ (نپ الاعلیٰ ۱۹)

قرآن کریم کا ایک نام صحف ہے اور اس کے اندر مختلف صحیفے ہیں انہی صحیفوں کو قرآن کریم کی مختلف سورتیں کہا جاتا ہے۔ مورعہ عربی میں دیوار اور فسیل کو کہتے ہیں فسیل شہر کی خارجی دیوار کو کہتے ہیں۔ جس طرح فسیل شہر کا احاطہ کرتی ہے اس طرح جو قطعہ آیات ایک مضمون یا چند متناسب مضامین کا احاطہ کرے اسے بھی ایک سورت کہہ سکتے ہیں۔ قرآن کریم ایک کتاب ہے مگر یہ متعدد (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل ہے۔

کبھی یہ لفظ ان اصطلاحی معنی میں نہیں چند آیات پر بھی اجاتا ہے لیکن مراد اس سے بھی نازل شدہ بات ہوتی ہے نہ کہ اپنی کبی بالحق۔

واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضهم الی بعض۔ (نپ التوبہ ۱۲۴)

ترجمہ۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں۔ کلام الہی کا سننا ان پر بہت شاق گزرتا ہے خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے ہیں اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن آنکھیں سے اشارہ کرتے اور ادھر ادھر دیکھتے قالہ شیخ الاسلام:

یہاں سورت کا لفظ چند آیات کے معنی میں ہے یہ اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں ایک اور مقام پر فرمایا:-

واذا انزلت سورۃ ان امنوا باللہ وجاہدوا مع رسولہ استاذنک ادلوا الطیل

منہم۔ (نپ التوبہ ۸۷)

قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توفیقی ہے

قرآن کریم کی پاروں میں تقسیم اور کوعوں میں تقسیم منافی تقسیم ہے لیکن قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم توفیقی ہے جو لوح محفوظ کے صحیفوں کے مطابق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر سورتوں کا نام لے لے کر ان کی طرف رغبت دلائی، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے ہاں بھی قرآن ان سورتوں کے ایک مجموعہ کا نام ہے اور قرآن کریم کی یہ سورتوں میں تقسیم خدا کی طرف سے ہے یہ انسانیوں کی اپنی نہیں۔

قرآن کریم کی دس سورتوں کے بعد گیارہویں سورت میں کہا گیا کہ اگر یہ کلام واقعی منافی کلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں گھر لاؤ۔

قل فأتوبشور مثله معنقریات (پہ ۱۳)

پہلی دس سورتوں کو یہاں دس سورتیں کہا گیا ہے یہ ان کا دس سورتیں ہو نا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان شدہ ہے اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ الانفال اور التوبہ دو سورتیں ہیں ایک نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منہجہ سورتوں کا نام لے لے کر ان کے بارے میں کوئی خاص بات کہی ملاحظہ کیجئے۔

آنحضرت نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو کہا الا تکفیلک ایتہ الصیف فی آخر سورۃ النصارۃ فتنہ دجال سے بچانے کے لیے فرمایا من حفظ عشر آیات من اول سورۃ الکہف عصم من فتنۃ الدجالؑ یہ بھی فرمایا من قرأ ایتین من آخر سورۃ البقرہ فی لیلۃ کفناہؑ اور یہ بھی فرمایا من قرأ ثلث آیات من آخر سورۃ الحشر وکل اللہ بہ سبعین ملکاً یصلون علیہ حتی یمسیؑ اور یہ بھی فرمایا من قرأ سورۃ الواقعة فی کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابداًؑ

امام ابو بکر الانباری فرماتے ہیں:-

یوقف جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی موضع الایتۃ والسورۃ فاستاق السور کاستاق الایات والحروف کلہ عن النبیؐ من قدم سورۃ او اخرھا فاقۃ احسد القرآنؑ ترجمہ حضرت جبریلؑ نے آنحضرتؐ کو اہمیت اور ضرورت کا مقام بتلائے وہ سورتوں کا جوڑا آیتوں اور حروف کے جوڑ کی طرح ہے امدان میں ہر ایک ہلت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

صحیح مسلم ص ۲۱۵ البیضاوی ص ۱۹۱ سنن ابی داؤد ص ۱۹۱ جامع ترمذی ص ۳۱۳ مشکوٰۃ ص ۱۸۱ الانقان ص ۱۸۱

جس نے کسی سورت کو اپنے مقام سے آگے یا پیچھے کیا اس نے نظمِ قرآن کو بدل ڈالا۔

شانِ نزول اور مواقع النزل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور تابعین نے جس طرح شانِ نزول کی معرفت ضروری سمجھی اس طرح مقامِ نزول کو بھی، انہوں نے بڑی احتیاط سے یاد رکھا اور مواقعِ نزول کی تعیین میں یہاں تک اہتمام کیا کہ مکی اور مدنی سورتوں کی تعیین تو ایک طرف ان حضرات نے بخزنی و سفری، منہاری و ثبلی، صیفی و شتائی، بکری و غنائی و نومی اور ارضی و سماوی آیات تک کی تعیین کر دی ہے۔ فجزاهم اللہ احسن الجزاء مکی اور مدنی آیات کی تفصیل و تعدید سے پہلے مکی اور مدنی کی اصطلاحی حدود بیان کرنی ضروری ہیں اہل علم اس کو تعیین دو اعتبارات سے کرتے ہیں :-

① مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں خواہ ہجرت سے پہلے خواہ ہجرت کے بعد فتح مکہ اور حجة الوداع کے موقع پر ان کا نزول ہوا اور مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اسس اصطلاح کے مطابق وہ سورتیں جو سفر و غیرہ میں آئیں مکی یا مدنی کسی ذیل میں نہ آسکیں گی اور ایک تیسری قسم کی ضرورت لاحق ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ مکہ کے نواحی علاقوں جیسے منی، عرفات اور مزدلفہ وغیرہ میں نازل ہونے والی سورتوں کو مکی اور مدینہ کے مضافات جیسے بدر، احد، بسلح وغیرہ میں نازل ہونے والی سورتوں کو مدنی کہہ سکیں گے لیکن سارے سفروں کو مکی اور مدنی کی یہ تقسیم پھر بھی جامع نہ ہو گی اور ایک تیسری قسم کی صورت بہر حال لاحق ہوگی۔

② مکی سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے آپ کی زندگی میں نازل ہوئیں مقامِ نزول خواہ مکہ ہو خواہ اور کوئی جگہ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی سورت مدینہ کی طرف سفر کرتے ہوئے راستے میں نازل ہوتی تو اسے بھی مکی ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح مدنی سورتوں سے مراد وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں مقامِ نزول خواہ مدینہ ہو خواہ مکہ ہو خواہ کوئی اور جگہ۔

اس صورت میں مکی و مدنی سے مراد مکہ منظر اور مدینہ منورہ کی طرف نسبت نہیں۔ جنسور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کی طرف نسبت مراد ہوگی اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے انہی دو مناظر

کے اعتبار سے قرآن کریم کی اور مدنی دو قسم کی سورتوں میں منقسم ہو گا۔ جس حالت سفر میں نازل ہونے والی آیات اور سورتیں بھی انہی میں سے کسی ایک ذیل میں درج ہوں گی اور مدنی کی تقسیم سارے قرآن کو شامل ہوگی۔

یہ دوسری اصطلاح بھی زیادہ مقبول اور علمی حلقوں میں مشہور ہے اور یہی مختار عند مجہور ہے علامہ شامی لکھتے ہیں:-

المدنی ما نزل بعد الهجرة دان كان في غير المدينة والملكى ما نزل وان كان في غير مكة وهو الاصح. بله

ترجمہ۔ مدنی آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں گو وہ مدینہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں اور مدنی سے مراد وہ آیات ہیں جو ہجرت سے پہلے اُتریں گو وہ مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ اُتری ہوں یہی بات زیادہ صحیح ہے۔

المکی والمدنی

قرآن کریم کل ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے ستائیس کی اور ستائیس مدنی ہیں۔
 ① فاتحہ الکتاب کی ہے اور سورۃ بقرہ سے سورۃ مائدہ تک چارہجس سورتیں مدنی ہیں۔
 ② آگے سورۃ انعام (ماسوائے تین آیات کے جو مدینہ میں اُتریں) اور سورۃ احزاب دونوں کی ہیں۔

③ پھر سورۃ الفال اور سورۃ توبہ دونوں مدنی ہیں۔
 ④ اس کے بعد سورۃ یونس سے سورۃ احزاب تک (ماسوائے الحج، النور، الاحزاب کے) سب (۲۵) کی ہیں۔

⑤ پھر سورۃ محمد، سورۃ فتح اور سورۃ حجرات تینوں مدنی ہیں۔
 ⑥ اس کے بعد سورۃ ق سے سورۃ قمر تک پانچ کی سورتیں ہیں۔
 ⑦ پھر سورۃ الرحمن سے لے کر سورۃ تحریم تک (ماسوائے الواقعہ کے) گیارہ سورتیں مدنی ہیں۔

۸) پھر سورۃ ملک سے سورۃ قدر تک (باستثناء سورۃ دھیرات) کی سورتیں ہیں۔

۹) اس کے بعد سورۃ البقیۃ اور الزلزال دو مدنی سورتیں ہیں۔

۱۰) اور اس کے بعد سورۃ العادیات سے آخر قرآن تک (ما سوائے سورۃ نصر کے) چودہ سورتیں
 ملی ہیں۔ یہ کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔

اگرچہ ملی اور مدنی دونوں طرح کی سورتوں میں جملہ علوم غزالی سے بحث ہوتی ہے۔ تاہم ان کے عمومی تقابل
 میں ان میں کچھ امتیازات بھی سامنے آتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ کا رخ خطاب
 زیادہ مشرکین کی طرف ہوتا تھا۔ مسلمانوں میں اعمال کی تہقین نسبت کم تھی۔ اسلام کی اخلاقی زندگی کے زیادہ مظاہر
 اسی کی زندگی میں سامنے آتے۔ ہم ان امتیازات کو یہاں یوں بیٹھتے ہیں:-

ملی اور مدنی سورتوں کے مضامین کا عمومی تقابل

۱) ملی سورتوں کے موضوع زیادہ تر عقائد ہیں۔ اصلاح نظر کے لیے حقائق کا سنات اور اصول
 دانش پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ وجود باری، توحید ذات، توحید صفات، بعثت رسل بشر،
 انزال کتب اور نشر و نشر جیسے بنیادی مسائل زیادہ تر عقلی دلائل سے پیش کیے گئے ہیں۔
 فکر اخلاقی کے لیے پہلی قوموں کے وہ عبرت آموز واقعات بھی پیش کیے گئے ہیں جو عربوں
 میں بالعموم مشہور تھے۔ ان بیانات سے مقصود تاریخ دانی یا قصہ خوانی نہیں بلکہ مختلف قوموں کی
 غلطیوں سے آئندہ نسلوں کو درس عبرت دینا ہے۔

مدنی سورتوں کے موضوع زیادہ تر اعمال ہیں۔ عبادات، اخلاق اور معاملات کے اصول و فروع
 کا بیان ہے۔ قانونی جزئیات اور حرام و حلال کی تفصیلات ہیں۔ تمدن و سیاست کے لیے واضح ہدایت
 ہیں۔ انداز بیان منظرانہ کی بجائے حکیمانہ ہے۔ ولایت و رہبیت کی میزان قائم ہے۔ عقائد اور احوال
 آخرت بھی ضمیمہ ذکر اور ہر جگہ ملحوظ ہیں۔

۲) ملی سورتوں میں مخصوص زیادہ تر مشرکین سے ہے۔ اور مدنی سورتوں میں تقابل بالعموم یہود و نصاریٰ
 ہیں۔ ان سورتوں میں ارشادات عامہ مسلمانوں سے متعلق ہیں اور انہی خطابت میں فروع اسلام
 کی تکمیل ہوتی ہے۔ ملی سورتوں میں خطاب پوری نوع انسانی سے ہے۔ ان میں زیادہ تر اسلامی

اصول کی تعلیم ہوتی ہے۔ مکی سورتوں کے الفاظ خطاب عام طور پر یا ایہا الناس اور یا بنی آدم وغیرہ ہیں اور مدنی سورتوں میں بیشتر خطاب یا ایہا الذین آمنوا سے ہے کہیں کہیں یا اہل الکتاب کہہ کر اہل کتاب کو بھی مخاطب کیا گیا ہے۔

(۳) مکی سورتوں کی زبان مدنی سورتوں کی نسبت کچھ دقیق ہے صنائع و بدائع بھی بیشتر کی سورتوں میں ہی ہیں جن عربوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر نڈھتا۔ ان کے کمالات کا مرکز یہی گڑھی سرزمین تھی۔ انہیں عاجز کرنا اور مقابلہ کی دعوت دینا یہیں زیادہ مناسب تھا اس فضا کی جھلک مکی سورتوں میں عام پائی جاتی ہے۔ مدنی سورتوں میں زبان زیادہ سلیس اور کچھ قانونی انداز کی ہے۔ مدنی سورتوں کے بیشتر ارشادات اولہم و لو اسی اور احکام سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ احکام کا پیرایہ جتنا سادہ اور سلیس ہو بہتر ہوتا ہے۔

(۴) مدنی سورتیں مکی سورتوں کی نسبت زیادہ طویل ہیں کیونکہ مکی سورتوں میں سے ہر ایک سورت ایک مستقل موضوع اور ایک خیر الایہ بیان ہے۔ افادی پہلے سے یہی مناسب تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ غزلوں کے ساتھ پیش کیا جائے یہ بیان مقتضائے حال کے مطابق انتہائے بلاغت پر ہیں۔ مدنی سورتوں میں چونکہ احکام و مسائل اور مسلسل واقعات کا بھی بیان ہے اس لیے وہ سورتیں نسبت لمبی ہیں لیے مضامین ایک پیرایہ بیان میں ادا ہو سکتے ہیں۔

ایک تنبیہ

اہل علم کا اتفاق ہے کہ بعض آیات تعلیم غایت اور تذکیر مومنین کے لیے دودفعہ بھی نازل ہوئیں سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کے نزول کو بھی مکرر بتایا گیا ہے۔ سورۃ اخلاص قل ہو اللہ احد کو میں مکرر کہنے کے جواب میں اللہ مدینہ میں اہل کتاب کے مقابلہ میں نازل ہوئی۔ علامہ زکریا نے بُرہان میں اور علامہ سیوطی نے الاتقان میں اس موضوع کو کہ ایک مستقل خزانہ سے بیان کیا ہے اس امر کے پیش نظر وہ بہت سے اشکالات جو بعض آیات کے مکی اور مدنی ہونے کے مختلف روایات سے پیدا ہوتے ہیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں اصطلاح کا اختلاف اثر انداز ہو رہا ہو جس کی تفصیل پیچھے ہو چکی ہے مکی اور

معنی کی تعریف definition میں اہل علم میں اختلاف رہا ہے یہ تطبیق صرف اس صورت میں ہے کہ روایات مختلفہ اپنی اپنی جگہ اسناداً صحیح ہوں۔

قرآن پاک کے فوارج

سُورَتوں کے شروع ہونے کے مختلف انداز

- ① چودہ سورتیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء سے شروع ہوتی ہیں۔ پانچ الحمد کے ساتھ دو تبارک کے ساتھ سات لفظ سبحان اور اس کے مشتقات کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔
- ② اُنیس سورتیں حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں ان کی مجموعی تعداد (سجذہ مکرات) کل حروف تہجی کا ایسی طرح نصف ہے کہ ہر صنف حروف کا نصف اس میں شامل ہے۔
- ③ دس سورتیں بلفظ نداء شروع ہوتی ہیں۔ پانچ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالقلب مختلفہ مخاطب ہیں اور پانچ میں امت اجابت یا ایہا الذین آمنوا کے خطاب سے مخاطب ہے۔
- ④ تین سورتیں حمد خبریہ سے شروع ہوتی ہیں جیسے لیسو تک من الافعال اور بارہ من اللہ ورسولہ وغیرہ۔
- ⑤ پندرہ سورتیں قسم سے شروع ہوتی ہیں جیسے والضحیٰ والتمین۔ والعصر وغیرہ۔
- ⑥ سات سُورَتوں کی ابتداء حرف شرط سے ہوتی ہے جیسے اذا وقعت الواقعة اور اذا جاء نصرنا وغیرہ۔
- ⑦ تین سورتیں بصیغہ امر شروع ہوتی ہیں جیسے قل ادھی الی انہ استمع لغیر من الجن اور قل ہو اللہ احد وغیرہ۔
- ⑧ تین سورتیں بصیغہ مستفہم شروع ہوتی ہیں جیسے بل اتی علی الانسان اور اللہ شرح وغیرہ۔
- ⑨ تین سُورَتیں بدو علم کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ ویل للطفین۔ ویل لکل ہمزہ اور تبت یذا ابی لہب و تبت۔

⑩ ایک سورت کی ابتداء حرف تفسیل سے ہوتی ہے لاطیف قریش۔
 قرآن مجید کی سورتیں شاہی قرآین کی طرح ہیں، خطوط شاہی کبھی حمد باری تعالیٰ سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی اس کے بغیر کسی کا عنوان پہلے بیان ہوتا ہے اور کسی کا نہیں کسی کی ابتداء بھیجئے اللہ کے نام سے اور کسی کی ابتداء مکتوب الیہ کے خطاب سے۔ پھر بعض مختصر ہوتے ہیں اور بعض مطول و مفصل۔ اسی طرح قرآن کریم کے فواتح اور سورتوں کے شروع ہونے کے انداز مختلف ہیں۔
 جس طرح قصائد میں پہلے تشبیہ ہوتی ہے اور اس کے بعد مقصد کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اسی طرح بعض سورتوں کی ابتداء بڑی زوردار تمہید سے ہے جیسے والقصافات صفًا فالزاجرات زجراً۔ اذالشمس کخورت اور والسموات ذات البروج وغیرہا۔ اور اس کے بعد قرآن کے مضامین عالیہ کا بیان ہے بعض سورتوں کے اختتام کا وہ انداز ہے جو شاہی خطوط کے اختتام کا ہوتا ہے ان میں مخاطب کو خصوصی توجہ دلانے کے لیے پہلے احکام کا حاصل پھر دہرایا جاتا ہے۔
 گویا کے رنگ رنگ سے ہے زینت چین لے ذوق اس جہاں کہ ہے زیب اخلاق سے

سورتوں کے فواتح اور مقاطع میں فرق

① سورۃ البقرہ کا آغاز ھدی للمتقین اور یومنون بالغیب کی مناسبت سے ہوا تھا ایمان اور تقویٰ کے ساتھ دعویٰ عمل اور اپنی خودی باقی نہیں رہی۔ اس کا پتہ بندوں کی عاجزی، توبہ، طلب مغفرت اور درگم کی اپیل سے چلے گا سورت کا خاتمہ ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

واعف عنا و اغفر لنا وارحمنا انت مولانا خلاصنا علی القوم الکافرین۔
 سورت کی ابتداء اور انتہا میں یہ مناسبت بتلائی ہے قرآن کریم کی ہر سورت بجائے خود ایک مکمل کتاب ہے تبھی تو ان کے منافع اور مقاطع میں یہ ربط موجود ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں میں تقسیم ترقیبی ہے یہ انسانوں کی اپنی قانم کردہ نہیں۔

② الحمد نماز کا نہایت اہم جزو ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ قرآن کریم میں پانچ سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہوتا ہے۔

۱۔ الفاتحہ ۲۔ الانعام ۳۔ سورۃ الکہف ۴۔ سورۃ سبا ۵۔ سورۃ فاطر

پندرہ سورتوں کا آغاز قسم کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔ ان کی تفصیل ہم ان شاء اللہ العزیز ایمان القرآن کے عنوان کے تحت کریں گے۔

ہم یہاں قرآن کریم کی ۱۱۴ سورتوں کو اپنے مختلف عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں طلب نہیں اس ترتیب سے آسانی یا ذکر سکیں گے۔

① بیع طوال (سات لمبی سورتیں)

۱۔ البقرہ ۲۔ آل عمران ۳۔ النساء ۴۔ المائدہ ۵۔ الانعام ۶۔ الاعراف ۷۔ الانفال والبراءۃ

② متین (کم و بیش سو آیتیں رکھنے والی سورتیں)

سودہ یونس سے سورۃ فاطر تک ۲۶ سورتیں ہیں۔

③ مثانی (یہ سورۃ یسین سے سورۃ ق تک ہیں)

ان میں پچھپے انبیاء اور ان کی امتوں کے حالات اور عبرت و نصائح ہیں

④ مفصل (ان کی دو فہرستیں ہیں)

۱۔ اور ساط مفصل۔ یہ لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب تک ہے۔

۲۔ فقار مفصل۔ یہ آخر قرآن کریم تک۔

قرآن کریم کی یہ تقسیم ترتیب رسولی کے اعتبار سے ہے۔ ترتیب نزولی حسب بیان علامہ سید علیؒ

اس طرح واقع ہوئی :-

- ۱۔ اقرأ ۲۔ ب ۳۔ المزمل ۴۔ المدثر ۵۔ تبت ۶۔ تکویر ۷۔ ص ۸۔ الضحیٰ ۹۔ طہ ۱۰۔ الضحیٰ ۱۱۔ الم نشرح ۱۲۔ الحجر ۱۳۔ العاديات ۱۴۔ کوثر ۱۵۔ تکویر ۱۶۔ یٰٰکون بالذین ۱۷۔ الکافرون ۱۸۔ الم تر ۱۹۔ الفلق ۲۰۔ الناس ۲۱۔ الاخلاص ۲۲۔ النجم ۲۳۔ ص ۲۴۔ القدر ۲۵۔ الشمس ۲۶۔ والسماء ۲۷۔ التین ۲۸۔ قریش ۲۹۔ القدر ۳۰۔ القیمہ ۳۱۔ ہمزہ ۳۲۔ المرسلات ۳۳۔ ق ۳۴۔ البلد ۳۵۔ الطارق ۳۶۔ السامۃ ۳۷۔ ص ۳۸۔ الاعراف ۳۹۔ قتل اوجی ۴۰۔ یٰٰسین ۴۱۔ الفرقان ۴۲۔ الملک ۴۳۔ مریم ۴۴۔ طہ ۴۵۔ الواقعة ۴۶۔ الشرح ۴۷۔ طہ ۴۸۔ نمل ۴۹۔ طہ ۵۰۔ القصص ۵۱۔ اسرئیل ۵۲۔ یونس ۵۳۔ ہود ۵۴۔ یوسف ۵۵۔ الحجر ۵۶۔ الانعام ۵۷۔ الصافات۔

ایمان القرآن

قرآن کریم کی قسمیں

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى (اصطفاۃ)

عام طور پر قسم تعلیم کے لیے ہوتی ہے جس میں ذات معظمہ کے تصرف اور گرفت کے ذریعے انسان اپنے آپ کو سچ کہنے پر مجبور کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں دو باتیں ہر مذہب اور ہر عقیدے میں تسلیم کی گئی ہیں۔ اولاً یہ کہ اس کا علم محیط ہے کوئی بات اس کے علم سے پردہ میں نہیں رہ سکتی۔ ثانیاً اس کی ہمہ گیر قدرت سے کوئی مخلوق باہر نہیں۔ یہ دو عقیدے اسے حق کہنے پر مجبور کر سکتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں بھوٹی کھا کر اپنے آپ کو مذاب الہی کی گرفت میں دوں گا۔ اس خوف سے وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو جاتا ہے بھوٹی قسم آبادیوں کو دیرانوں میں بدل دیتی ہے۔

قسم کا یہ تصور شروع سے انسانی سوانحی میں چلا آیا ہے اور بہت سے مقامات میں جو قسم اٹھانے سے صل جوتے ہیں جو قسم کی عظمت کا کوئی انکار نہیں کرتا۔

ہاں کسی ایسی چیز کی قسم کرنا جس کا علم نہ محیط ہو اور نہ اس کی قدرت ہر گیر ہو قطعاً جائز نہیں۔ قسم واقعات پر بھی دی جاتی ہے اور حقائق پر بھی۔ واقعات پر قسم دینے یا لینے سے حقوق کے فیصلے ہوتے ہیں اور حقائق پر قسم کس وقت کھائی جاتی ہے جب ان کے مقابل کوئی فریق نہ ہو حقائق کائنات میں کسی چیز کے بارے میں سزا دینے پر گواہی دینی ہو اور اکثر لوگ کسی بات کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے قسم اپنے بکریہ کلام میں لے آتے ہیں۔

① قسم کی پہلی قسم اپنے اوپر کسی ذات عالی کی گرفت کا اقرار کرنا ہے اور اسی گرفت سے بچنے کے لیے بات صحیح صحیح کہہ دینا ہے خواہ اس پر کوئی سزا کیوں نہ آئے۔

② قسم کی دوسری قسم کسی آفاقی حقیقت پر اپنے عقیدے کی سچائی کا مزید یقین دلانا ہے بندے جب نہیں کھائیں تو ان کی قسم پہلی قسم میں سے ہوگی۔ اس میں جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اس کی تعلیم اور اور اس کے تصرف کا اقرار ہوگا۔

اسی عام تصرف کے باعث بعض لوگوں نے قرآن کریم کی قسموں پر اعتراض کیا ہے کہ رب العزت کو

کسی کی تکفیم کی کیا ضرورت۔ سو اس موضوع پر یہ اصول پیش نظر رہے کہ :-

بعض مقامات پر قرآن کریم اپنے مضمون و مدعا کو قسم کے ساتھ بیان کرتا ہے اس مقام پر جس چیز کی قسم ہوتی ہے اسے مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے یہ قسم اپنے مضمون پر ایک شہادت ہوتی ہے اس قسم کی قسمیں اونچے درجے میں بجزرت ملتی ہیں۔ ضلعائے عرب کے کلام میں بھی اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں۔ ایک عاشق اپنے محبوب کو جب یوں کہتا ہے کہ تیرے سرخ بوٹوں اور مشکیں زلفوں کی قسم تو ایک دلربا محبوب ہے تو اس کا معنی یہی ہے کہ بوٹوں کی یہ رنگت اور زلفوں کی نگیبت تیرے محبوب ہونے کی ایک کھلی شہادت ہے۔ قسم بارادہ شہادت اس قسم سے بالکل مختلف ہے جو باعتقاد تصرف کھائی جاتی ہے اس میں تقسم بہ (جس کی قسم کھائی جائے) کے متعلق یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ بات پوری نہ ہونے کی صورت میں وہ مجھے نقصان پہنچائے نہ تھا ورنہ میں اس کی گرفت سے کسی طرح باہر نہیں۔ قسم باعتقاد تصرف تو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا کے سوا کسی کے بارے میں یہ اعتقاد تصرف جائز نہیں لیکن قسم بارادہ شہادت ہر اس چیز کی جائز ہے جس کو کسی مدعا پر بطور گواہ پیش کیا جائے چلی عادیہ مطول میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عربوں کا یہ خصوصی ذوق ہے کہ جب انہیں کسی بات کا یقین ہو جائے تو اس کی سچائی کو دوسروں پر واضح کرنے کے لیے وہ قسم کا پیرایہ اختیار کر لیتے ہیں بات بات پر واللہ باللہ کہتے ہیں۔ قرآن کریم لغت عرب پر اترا ہے۔ سو اس میں عربوں کے اسس پیرایہ بیان کی رعایت کی گئی ہے قرآن کریم میں لائی گئی قسمیں جو اب قسم پر ایک شہادت پیش کی گئی ہیں۔

مام قاعدہ ہے کہ کسی بات کو پختہ کرنے کے لیے یا اس پر شہادت لائی جاتی ہے یا اس پر قسم گندائی جاتی ہے۔ جب کسی بات پر گواہ نہ ملیں تو پھر قسم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم کا کر بھی فارغ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی بات کی تصدیق کے لیے گواہ پیش کیے ہیں اور قسمیں بھی کھائی ہیں۔ گواہ اس کے کون ہیں خدا کے فرشتے اور علماء کرام اور قسم کے پیرایہ میں وہ اس دعوے پر زندہ شہادت ہیں جن کی قسم کھائی جا رہی ہے۔
قرآن کریم میں ہے :-

اس کا کوئی شریک نہیں کہ بندہ اس کے نام کی بھی قسم کھا سکے

اللہ رب العزت کے لیے یہ مروت حال نہیں۔ کوئی اس سے بڑا نہیں وہ اپنے نام سے قسم کھائے اپنی کسی سخت سے قسم کھائے یا اپنی مخلوقات میں سے کسی کی دوسروں پر برتری ظاہر کرنے کے لیے قسم کھائے تو اس میں عالم شہادت میں اپنی بات پر شہادت خرام کرنا ہے سو اس پر اپنے میں قسم کھانا ہرگز اس کی شان کے خلاف نہیں۔

اللہ کی قسموں کے مقسم بہ

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے اپنے افعال مقدسہ کی بھی قسم کھائی ہے اور اپنی مخلوقات میں کسی کو عزت دیتے ہوئے اس کی بھی قسم کھائی ہے اور یہ قسم دراصل اپنے اس فعل عالی کی قسم ہے جس نے اس مخلوق کو یہ عزت بخشی۔

وَنُفِثَ دَمَاسًا رَاحًا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا. (پل انش)

ترجمہ اور قسم انسان کی جاں کی اور اس ذات کی جس نے اس کو دیت بنایا پھر جو بد کرداری اور پرہیزگاری دونوں کی افکار کیا۔ اس میں اپنے اس فعل مقدس کی قسم ہے جس سے نفس انسانی نے یہ مقام پایا۔

اللہ تعالیٰ کی اپنی برگزیدہ مخلوق کی قسمیں

ہم حضرت علیؑ علیہ السلام کی حیات طیبہ پر اللہ تعالیٰ کی طاعت محدث تھی اس کی اس طرح قسم کھائی۔

لَعَمْرُكَ أَهْلُكَ لِي سَكُونُ يَوْمَ يَوْمٍ. (پل الحجر ۷۲)

ترجمہ۔ آپ کی جاں کی قسم وہ اپنی مستحی میں مدہوش تھے۔

مخلوقات جہادات، نباتات اور حیوانات پر مشتمل ہے

یہاں ہم انہی مخلوقات پر دسترس رکھتے ہیں انہی تک ہمارا ہاتھ پہنچتا ہے۔ سورج اور چاند تک اور لوح و قلم تک یا عالم ملکوت و لاہوت تک ہمارے ہاتھ نہیں چاند تک پہنچے بھی مگر ابھی اس تک قبضہ نہیں پاسکے تاہم اس میں شک نہیں کہ یہ انواع مخلوقات بھی اللہ رب العزت کے جلال و عظمت کے نشان ہیں۔

شیخ الاسلام اللہ رب العزت کے قسم کھانے کے وسیع دائرہ کو اس طرح ذکر کرتے ہیں :-
 دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں جن کی قسم لوگ کھاتے ہیں۔ ۱۔ اپنے محبوبہ کی۔ ۲۔ کسی منظم و محترم
 ہستی کی۔ ۳۔ کسی محترم بالشان چیز کی۔ ۴۔ کسی محبوب یا نادار شئی کی اس کی غولہ یا ندرت
 جتانے کے لیے جیسے کہتے ہیں فلاں کی قسمت کی قسم کھائیے۔ پھر بغیر یہ بھی رعایت
 کرتے ہیں کہ قسم بہ مقسم علیہ کے مناسب ہو یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ
 کے لیے شاہد ہی گردانا جائے جیسے ذوق نے کہا ہے :-

اتنا ہے تیری تیغ کا شرمندہ آسمان سر میر اترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا
 یہاں اپنے سر کے ذائقہ سکھنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے شہریت
 حق نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لیے حرام کر دیا لیکن اللہ کی شان بندوں سے
 جدا کا نہ ہے وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک
 محبوب یا ۲۔ نافع یا ۳۔ وقع بہتم بالشان ہوں یا ۴۔ مقسم علیہ کے لیے بطور شاہد و
 محبت کام دے سکیں ۔

اللہ رب العزت کی کچھ ان قسموں پر بھی نظر کیجئے اور غایت قسم خود دریافت کیجئے۔ آپ ان شاء اللہ
 خود اس قسم کی لطافت کو پائیں گے۔ یہ تین سے زیادہ قسمیں آپ کے سامنے ہیں ۔

① لا اقسم بغير القيله ولا اقسم بالنفس اللوامه ابيحب الانسان ان لن نجمع
 عظامه . (القيامہ)

ترجمہ۔ میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے جی کی جو ملاحت کرتا
 ہے کیا سمجھتا ہے آدمی کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے۔

② لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد ودالد وما ولد لقد خلقنا الانسان
 في كعبه . (البعد)

ترجمہ۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور آپ کے لیے حجاز ہو گا اس شہر میں اور قسم ہے جنتے
 کی (باپ کی) اور جو جنتا اور ہم نے انسان کو محنت میں بنایا۔

② فلا اقيم بالحنس الجوار الكنس والليل اذا عسعص والصبح اذا فتنس انہ
لقول رسول کریم۔ (الانکور)

ترجمہ سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے، سیدھے چلنے اور دیک جانے والے ستاروں کی
اور رات کی جیب وہ اٹھنے لگے اور صبح کی جیب وہ دم مارے۔ بے شک یہ (قرآن)
کہا ہوا ہے ایک عزت والے بھیجے ہوئے کا۔

③ فلا اقيم بمواقع النجوم وانه لثم لوتعلمون عظیم وانه لقوان کریمہ فی
کتاب مکنون۔ (الواقف)

ترجمہ سو میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے پھینچنے کی اور یہ قسم اگر تم سمجھ کر بڑی قسم ہے
اور بے شک یہ قرآن کریم کہا ہوا ہے ایک چھپی کتاب میں (لوح محفوظ میں جو دو سرول
کے پردے میں ہے)

④ فلا اقيم بالشفق والليل وما دسق والقمر اذا اتسق لتركبن طبقاً
عن طبق۔ (الاشفاق)

ترجمہ سو میں قسم کھاتا ہوں شام کی سرخی کی اور رات کی اور اس کی جواں میں شمشاد
اور چاند کی جیب وہ پورا بھرے تم کو چڑھنا ہے دسبے پر دربر۔

⑤ فلا اقسر بما تبصرون وما لا تبصرون انہ لقول رسول کریم۔ (الحاقہ)

ترجمہ سو میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو اور جو تم نہیں دیکھتے یہ کہا
ہے ایک پیغام لانے والے سردار کا۔

⑥ والمنازعات عرقاً والمناشطات فسطاً والساجات سبحاً فالساجات سبحاً
فالمنازعات امراً۔ (المنازعات)

ترجمہ قسم ہے سختی سے کہنے والے ڈوب کر اترنے والے فرشتوں کی اور کھول کر بند
بھرا سینے والے فرشتوں کی اور تیر لے والوں کی تیر لے پر اور آگے بڑھ جانے والوں کی
پھر کام بنانے والوں کی (اللہ کے حکم سے)۔

⑦ والسماء ذات البروج واليه بر الموعود وشاهيد مشهود قتل اصحاب الاخدود

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی جس میں برج ہیں اور دھندہ کیے ہوئے دن کی اور ماضی ہونے والے دن کی اور ان کی جن کے پاس ماضی ہوگی مارے گئے خندقوں والے۔

⑨ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَمَا ذَاكَ مَا الطَّارِقُ النُّجُومُ الثَّاقِبَةُ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق)

ترجمہ: قسم ہے آسمان کی اور اندھیرے میں آنے والے کی اور آپ کیا سمجھیں اندھیرا پڑے کون آنے والا ہے وہ ایک روشن ستارہ ہے۔

⑩ وَالنَّجْمِ دَلِيلُ الْبَلَدِ وَالشَّعْثِ وَالْمَوْتِ وَاللَّيْلِ إِذَا بَرَأَ مِنْكَ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّمَنْ يَجْزِي (النجم)

ترجمہ: قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور رخصت اور طلاق کی اور اس رات کی جب وہ اس رات چلے گی ان چیزوں کی قسم، پوری عقل مند کے واسطے۔

⑪ وَالضُّحَىٰ دَلِيلُ إِذَا سَجَىٰ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقِي وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (الضحى)

ترجمہ: قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جب وہ قرار پکڑے آپ کے پروردگار نے آپ کو چھوڑ نہیں دیا اور نہ وہ ناراض ہوا اور بہت کچھ ہی بہتر ہے آپ کے لیے پہلی سے۔

⑫ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ وَمَا خَلَقَ الذَّكَوٰةَ إِلَّا تَنفَىٰ إِنَّ سَمِيكَمُ لَشَقِيٌّ (الليل)

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاوے اور دن کی جب وہ روشن ہوا اور اس کی جھٹکس نے پیدا کیے زاوہ مادہ بے شک تمہاری سب طرح کی ہے۔

⑬ وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا وَالنَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا وَالْأَرْضُ وَمَا طَبَّهَا وَالنَّفْسُ وَمَا سَوَّاهَا خَالِصَةً لِّمَا خَبَّرَهَا وَقَفَّوْهَا (والشمس)

ترجمہ: قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب آوے اس کے پیچھے اور دن کی جب وہ اس کو روشن کرے اور رات کی جب وہ اس کو ڈھانپ لے

اور آسمان کی جیسا اس کو بنایا اور زمین کی جیسا اس کو بنھیلایا اور جی کی اور جیسا اسے
ٹھیک بنایا پھر اسے سمجھ دی بدکرداری کی اور سمجھ داری کی۔

﴿التین والذیقون۔ وطور سینین۔ وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان﴾
فی احسن تقویم۔ (التین)

ترجمہ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر کی جیسا
ہم نے انسان کو بہترین انداز سے پر بنایا۔

﴿والذاریات قدروا خالقاً ما علما ت وقرأوا الحاربات یسرا خالما تمات امرا﴾
امنا قودون لصادق۔ (الذاریات)

ترجمہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو غبار بکھیرتی ہیں اور بوجھ اٹھانے والے بادلوں
کی پھر زری سے پھٹنے والی کشتیوں کی اور ان فرشتوں کی جو حکم کے موافق تقسیم
کرتے ہیں جیسا جس چیز کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ہو کر رہے گی۔

﴿والعصر ان الاھن ان لف خسر الا الذین امنوا و عملوا الصالحات﴾ (العصر)
ترجمہ قسم ہے زمانے کی انسان بے شک خارے میں جا رہا ہے مگر وہ لوگ جو
ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔

ان قسموں پر غور کیجئے ان میں آپ کو زیادہ تر آفاقی حقیقتوں پر متوجہ کیا گیا ہے۔ سورج چاند ستارے
آسمان و زمین روشنی اور اندھیرا ستاروں کی مختلف گروہیں ہواؤں کی مختلف سمتیں۔ بادلوں کی گردش کایاں
ہو کا پھٹنا۔ صبح کا دم مارنا۔ دھوپ کا اترنا۔ اندھیرے کا چھا جانا۔ شفق کے رنگ یہ سب آفاقی حقیقتیں ہیں
قرآن کریم ان سب پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

پھر نفس انسانی اور نفسِ حلیہ اپنی جگہ ایک دوسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ فرشتے اور ان کی مختلف
اراع ایک تیسری طرح کی حقیقتیں ہیں۔ قرآن کریم نے ان سب کو الہی قسموں میں پیش کیا ہے یہ ناممکن ہے
کہ انسان ان سب میں غور کر لے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے جواب قسم کو نہ پالے۔ ان قسموں کو ایک تسلسل
سے پڑھنے کے ساتھ ان انسانوں کے دل بل جلتے ہیں جن کی انسانیت جاگتی رہے۔

عبادات میں سے اس نے پہاڑوں کی قسم کھائی (والطور وکتاب مسطور) غار کعبہ کی قسم کھائی (وهذا السبلۃ الامین) نباتات میں والتمین والذیتون کی قسم کھائی حیرانات میں والعبادات ضجاً کی قسم کھائی شمس و قمر کی قسم (والشمس و صنفها والقمر اذا املتھا) مواقع الخبوم کی قسم (فلا اقسم بمواقع النجوم) فجر و عصر کی قسم (والفجر و لیل الی عشر اور العصر کی قسم)

زمانے کی قسم کھائی تو اس پر پوری انسانی زندگی کو معرض زوال میں آتے دکھایا۔ والعصر کا قسم علیہ کیا ہے، ان الانسان لفی خسر۔ پھر انسان کو مایوسی کے کنوئیں میں گرنے سے بچانے کے لیے ایک روشنی کی کرن دکھائی اور بتلایا کہ ایمان بالآخرت رکھنے والوں کے لیے یہ دنیا فائدے بخش نہیں مورت صرف ایک جہان سے دوسرے جہان میں انتقال ہے۔ لیسلیل ظاہر فرمایا۔

الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات وقوا حوا بالحق وقوا حوا بالصدق۔

یعنی مہربی لوگ ان الانسان لفی خسر کی مایوسی سے نکل سکتے ہیں جو آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور اس زندگی کو بہتر بنانے کے لیے نیک اعمال بجالائیں نیکی کو آگے بھلائیں اور اس راہ میں جو سختیاں آئیں انہیں صبر سے جھیلیں

حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے بندوں کو اپنی عظمت و وحدت اور اپنے انبیاء و مرسلین کی حرمت و رسالت منوانے کے لیے ہر طرح کے عقلی و نقلی دلائل دیے انہیں انفس و افاق پر متوجہ کیا قرآن مامنیہ کی تاریخ سے انہیں ابدی سچائیوں پر متوجہ کیا۔ ان تمام ذرائع اور دلائل سے انہیں حق پر آنے کی دعوت دی، پھر بھی انسانوں نے اس طرف کان نہ دھرے تو اس کا غضب بھڑکا اور نوبت بایں جا رسید کہ ایک ہی پیرایہ جو تصدیق حق کا رہ گیا تھا (یعنی قسم کھا کر اپنی بات کی تصدیق لانا) وہ بھی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ساتھ اختیار فرمایا۔

اسخبرت علی اللہ علیہ وسلم نے بھی بحیثیت ایک عرب ہونے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے بار بار یہ پیرایہ قسم اختیار فرمایا۔ ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ گواہ عدالتوں میں صدیق عہد کے لیے قسم اٹھا کر ہی اپنا اعتبار قائم کرتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب النبیان فی اقسام القرآن میں اور علامہ سیوطیؒ نے تفسیر القرآن میں اس پر گواہد رکھنے کی ہیں۔ اس پر ہم ایمان القرآن کی اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلیہ اتم و احکم فی کل باب

مقام القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

قرآن اللہ کا کلام ہے کلام اللہ کی صفت ہے یہ اس کی مخلوق نہیں کلام جب حروف و الفاظ کی ادائیگی اسے تو یہ کلام لفظی ہو گا۔ بایں طور کہ یہ اللہ کا کلام ہے یہ کلام نفسی ہے اس کی حقیقت تک ہماری رسائی نہیں اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ہم اسے حروف و الفاظ کی صورت میں جانتے اور پہچانتے ہیں۔

قرآن میں طے ظہریت اور مکتوبیت بعد میں آئی ہے ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہونے کے پہلو سے یہ بات قطعی ہے کہ یہ مخلوق نہیں اور اس کی صفات اس کا غیر نہیں۔ دربار اول میں جو اعتقادی فتنے اٹھے وہ قرآن کریم کو مخلوق کہتے تھے۔ شدید اور مضمر دو دنوں اسے مخلوق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کن کہا تو کائنات وجود میں آگئی۔ کن مخلوق نہیں اس کا کلام ہے اور کائنات بے شک مخلوق ہے۔

قرآن کے معنی

لفظ قرآن قرأۃ (بمعنی پڑھنے) سے ہے اس صورت میں اس کا معنی پڑھنا کے ہوں گے قرآن کریم میں ہے۔

ان علينا جعله وقرآنہ۔ (نہ القلم ۱)

اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

مصدر اپنے مشتقات میں بھی استعمال ہوتا ہے اس صورت میں اس کا معنی مقروء و (قرأت سے اسم مفعول) کے ہوں گے یعنی "بار بار پڑھی جانے والی کتاب" یہی ہے اور اس اعتبار سے کوئی دوسری کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی یہی ایک کتاب ہے جو اپنی اصل زبان میں اب تک

برابر پڑھی جا رہی ہے۔

انا انزلناہ قرآنًا عربیًا۔ (پ ۲ یوسف ۲)

یہاں قرآن مقدرہ کے معنی میں ہے۔

قرآن کا مصداق

قرآن کا مصداق صرف الفاظ نہیں جو پڑھے اور لکھے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ اس کے وہ معنی بھی ہیں جو اس کے نزول کے ساتھ ساتھ سمجھے اور بوجھے گئے۔ قرآن کریم عربی میں اتنا اور حضورؐ اور آپ کے ساتھیوں کی زبان بھی عربی تھی سو اس کلام سے جو معنی و مفہوم اس وقت سمجھا گیا اس کے ساتھ یہ کلام الہی سمجھا جائے گا اور قرآن الفاظ کے اس نظم اور ان کے معنی کے مجموعہ کا نام ہو گا جب ہم کہیں گے یہ قرآن کریم قیامت تک محفوظ ہے یہ کبھی انسانی ہاتھوں کی دستبرد کا شکار نہ ہو گا تو اس سے معنی کی حفاظت بھی ساتھ مراد ہے۔

قرآن کریم کو اگر کوئی غلط پڑھ جائے تو اسے تعریف نہ کہیں گے کیونکہ اس کی فصیح کے لیے فوراً حافظ بول پڑیں گے تراویح میں جب کبھی امام مجملے پیچھے سے فقرہ آتا ہے اس طرح جب کوئی مسند قرآن کے معنی بدلے تو علماء فوراً بول پڑتے ہیں اور قرآن کی محفوظیت برقرار رہتی ہے۔ مرزا غلام احمد نے جب آیت خاتم النبیین کے معنی بدلے تو کیا سب علماء نے بلا امتیاز فرقہ و مسلک اسے لقمہ نہیں دیا اور اسے نہیں ٹوکا؟

سو حق یہ ہے کہ قرآن کا مصداق الفاظ معانی دونوں میں اور دونوں کی حفاظت موجود ہے۔ قرآن نام ہے اس خاص نظم الفاظ کا اور اس کے معنی کا۔

قرآن ایک ہی ہے

قرآن ایک ہی ہے۔ اسلام میں دو قرآن کا کوئی قصہ نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات بالکل عظمت کے مطابق ہیں اور صحیفہ عظمت میں قرآن کریم کی تعلیمات اور بھی رکش نظر آتی ہیں لیکن قرآن کریم اور صحیفہ عظمت کو دو قرآن نہیں کہہ سکتے۔ جن لوگوں نے قرآن اور سائنس میں یکسانیت دکھانے کے لیے

دو قرآن اور دو اسلام وغیرہ کے عنوان اختیار کیے یہ ان کی شاعرانہ تعبیریں ہیں اور قرآن شعر نہیں کہہ سکتا۔
ان اول میں ادا کیا جائے۔

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذكر وقرآن مبين۔ (پہلین ۶۹)

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق تھا یہ ایک ضمیمہ نامہ ہے اور قرآن مبین ہے یعنی خود لو اپنے والی کتاب۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجودیکہ آپ کی سیرت پاک ہمد تن قرآن مخفی دوسرے قرآن نہیں کہا جاسکتا آپ بلاشبہ مخلوق ہیں اور داغ امکان سے متشمس لیکن قرآن کریم مخلوق نہیں اللہ سب الخیر کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت ہے۔

اگر کسی غیب نے یہ بات کہی کہ قرآن دو میں ایک وہ جو یہ علمی خزانہ ہے اور کتابی شکل میں ہے دوسرا وہ جو مدینہ کی گلیوں میں چلتا پھرتا تھا تو ایک غیبیانہ اور شاعرانہ تعبیر ہے قرآن ایک ہے اور اس کی کوئی دوسری کاپی نہیں ہے۔

اس طرح ہم اپنے ہاں اصلی قرآن اور جعلی قرآن کو بھی جگہ نہیں دے سکتے کیونکہ جعلی قرآن دنیا میں کہیں نہیں ہے جن لوگوں کا عقیدہ موجودہ قرآن پر نہیں وہ اپنے تصور میں ایک دوسرے قرآن تجویز کیے ہوتے ہیں جو قیامت سے پہلے غار سرمن راہی سے برآمد ہوگا لیکن ان کے یہ وہمات صرف روایات کی شکل میں ہیں قرآن کی کوئی دوسری کاپی ان کے ہاں بھی موجود نہیں ہے جسے وہ اصلی کہیں اور ہم سے جعلی کہہ سکیں۔ سو قرآن ایک ہی ہے اس کی کوئی متبادل کاپی دنیا میں اب تک نہ کسی نے دیکھی اور نہ سُنی ہے۔ اس قرآن پر اعتراض کرنے والوں اور اس کی اس ترتیب کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے نہ ماننے والوں کو بہت نہیں ہو سکی کہ قرآن پاک کا کوئی دوسرا نسخہ اس کے متوازی کہیں رکھا دکھا سکیں۔

الفاظ قرآن کی وسعت

قرآن پاک بے شک اسی ایک کتاب کا نام ہے لیکن اس کی کچھ اور قراءتیں بھی ہیں ان میں متواتر اور مشہور قراءتیں ہیں اور شاذ اور احاد بھی۔ جو قراءتیں متواتر ہیں۔ باوجودیکہ وہ اس مرکزی عظمت

سے مختلف ہیں ان پر بھی قرآن کا لفظ آسکتا ہے لیکن وہ الفاظ جن کی نقل ہم تک شہرت کے ساتھ شریقی یا وہ قرأت شاذہ ہیں وہ اصطلاحی قرآن نہیں ہیں۔

قراء سبعہ اور قراء عشرہ کی قرأت قرآن کریم کے حکم میں ہیں یہ مرکزی قرأت کے ساتھ علی سبیل الجمع اکٹھی ہیں علی سبیل الخلاف پڑھی نہیں جاتیں پھر قرأت مشہورہ اور شاذہ میں بھی فرق ہے قرأت مشہورہ سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاسکتا ہے قرأت شاذہ سے نہیں۔

مثلاً قسم توڑنے کی مزیاتین روزے میں اور رمضان کا روزہ توڑنے کی سزا دو ماہ کے روزے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں دونوں کے ساتھ متتابعات درپے درپے روزے رکھنے کی قید موجود ہے۔ کفارہ قسم کے روزوں کے بارے میں یہ قسم ہم تک بسبیل شہرت پہنچی ہے۔ لیکن رمضان کے روزوں کے بارے میں یہ پے درپے روزوں کی قید بطریق شاذ مروی ہے فقہاء نے اول میں اس کا امتداد کیا ہے کہ یہ تین روزے پے درپے رکھے جائیں۔ اور اس سے بڑھاکہ قرأت مشہورہ اور قرأت شاذہ میں بھی بائیں طور فرق ہے کہ اول الذکر سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاسکتا ہے۔

متواتر قرأت کا پتہ ہمیں کتب تغیر اور حدیث سے ملتا ہے۔ ان قرأت کچھ حامل قرآن کی کوئی اور متبادل کا پنی نہیں ہے بطور کتاب قرآن پاک ایک ہی ہے اور اس کا کوئی متبادل نسخہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔

الفاظ قرآن کی تقسیم

قرآن پاک کی آیات (احکام اپنے موضوع کے لحاظ سے چار قسم پر ہیں :-

۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک ۴۔ مآول

لے فلم یجد فصیام ثلثة ایام ذلک کتابة ایمانکھ (پک المائدہ ۸۹) قال ابراہیم نخعی فی قرأتنا ثلثة ایام متتابعات۔ عن اخب العالیة قال کان ابی بقرہ و ہامضیام ثلثة ایام متتابعات۔ عن مجاہد کل صیام فی القرآن متابع الا قضاء رمضان۔

(المصنف جلد ۲ ص ۸۹ لابن ابی شیبہ)

خاص وہ لفظ ہے جس کی وضع کسی ایک خاص معنی کے لیے ہوئی ہو۔ اس لفظ کا مصداق کئی افراد بھی ہو سکتے ہیں جب یہ خاص لفظ وارد ہو تو اس میں اس حقیقت اور مفہوم پر نظر ہوتی ہے جو ان سب افراد میں مشترک طور پر پائی جائے۔

ان الانسان لحنی خسیر میں انسان خاص ہے گو اس کے افراد کروڑوں اور اربوں ہیں یعنی خبر کا حکم خاص انسان کے لیے ہے اور اس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔

یا ایہا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا میں رکوع و سجدہ کا ایک خاص مفہوم ہے جو نماز سے ہی پورا ہوتا ہے صرف سر ہٹکانے سے نہیں جو رکوع کے لفظی معنی ہیں یہاں الفاظ ارکعوا واسجدوا خاص نماز کے معنی میں ہیں عام نہیں۔

عام

یہ وہ عام حکم ہے جو اپنے جملہ مخاطبین کو شامل ہوتا ہے گو ان کے اپنے اپنے حالات مختلف ہوں جیسے وہ لفظ جس کو ایک معنی و مفہوم کے متعدد افراد کے لیے ایک ہی دفعہ وضع کیا گیا ہو جیسے۔
فاذا قرئ القرآن فاستمعوا له وافصلوا لعلکم ترحمون۔ (پ الاعراف ۲۴)

خاص

یہ حکم گو خاص نماز کے بارے میں آیا ہے امام احمد اس پر اجماع نقل کرتے ہیں لیکن الفاظ عام ہیں سو جہاں بھی قرآن پڑھا جا رہا ہو دوسروں کے ذمہ اس کی طرف کان لگانا اور اسے سننا ہے شان نزول کے باعث اسے نماز سے خاص نہیں کیا جاسکتا الفاظ کے عموم کو دیکھا جائے گا العبۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔

مشترک

ایسا لفظ جس کے کئی معنی ہوں مشترک کہلاتا ہے لیکن موقع کے لحاظ سے اس کے عرف ایک ہی معنی مراد ہوں گے والمطلعات یتوزعن بانفسھن ثلاثۃ قروء، میں لفظ قروء حیض اور طہر دونوں

منقول میں مشترک ہے۔ اسی طرح واللہ اذا اعسم والقبع اذا تنقش میں لفظ اعسم فعل مشترک ہے۔ اس کے معنی آگے ہونا بھی ہیں اور پیچھے ہونا بھی۔ سو یہ لفظ مشترک ہے۔

مؤول

لفظ مشترک میں جو کئی معنی کا احتمال پایا گیا ہے ان میں سے کسی ایک معنی کو قرآن (ظنیہ) رائج کرنا اس لفظ کو مؤول بنادیتا ہے۔ خبر واحد سے مشترک کی جو تاویل کی جائے گی وہ بھی ظنی ہوگی اور قیاس سے جو اسے کسی ایک معنی سے خاص کیا جائے گا یہ بھی ایک ظن سمجھا جائے گا۔ مشترک کی قرآن ظنیہ میں سے کسی سے تاویل کرنا اس لفظ کو مؤول کے درجہ میں لے آتا ہے۔

الفاظ قرآن کی اس تفسیر کے باوجود قرآن کا ایک ایک لفظ قطعی الثبوت ہے اس کی دلالت جس معنی پر قطعی ہوگی اسے اس معنی میں تسلیم کرنا فرض ہوگا۔ ہاں دلالت میں کسی پہلو سے ظن آجائے تو اس کے مطابق حکم بدلتا جائے گا۔

قرآن نے ایک بات کہی جو ایک معنی خاص پر قطعی الدلالة ہے اب کسی دلیل ظنی سے اسے کمزور نہ سمجھنے دیا جائے گا مثلاً وضو میں پاؤں دھونے فرض ہیں اور قرآن پاک میں یہ حکم دیا گیا ہے اب اگر ایک خبر واحد بتائے کہ آنحضرت نے پاؤں دھونے کی بجائے جرابوں پر مسح کیا ہے تو اس دلیل ظنی سے قرآن پاک کے قطعی حکم میں تبدیلی نہ کی جاسکے گی۔

ہاں چڑے کے موزوں پر مسح یہ حضورؐ سے خبر متواتر سے منقول ہوا ہے اور اس کی اجازت ایک دلیل قطعی سے منقول ہے۔ سوال موزوں پر دوہرہ حاضر کی پتی جرابوں کو قیاس نہ کر سکیں گے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایسے موقعوں پر قرآن کریم کو ہمیشہ اول رکھا ہے اور خبر واحد سے اس کے مام کی تخصیص جائز قرار نہیں دی۔

نصوص قرآن کے چار پیرائے

قرآن پاک کی آیات کبھی تو عبارتہ ایک مسئلے کو بیان کرتی ہیں جیسے شہیدوں کو مہر دے نہ کہو وہ زندہ ہیں اور کبھی قرآن پاک قرآن پاک سے دلالت وہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے جیسے انبیاء کو جن کا درجہ شہید

سے بھی آگے ہے) زندہ سمجھنا۔ حیاتِ انبیاءِ قرآن پاک سے دلالتِ ثابت ہے اور حیاتِ شہداء عبارتہ۔

نصوصِ قرآن کے چار پیرائے ہیں :-

۱. عبارتہ النص ۲. دلالتہ النص ۳. اشارتہ النص ۴. اقتضاء النص

عبارتہ النص

عبارتہ النص سے کہتے ہیں جس کے لیے کلام لایا گیا ہو یہ وہ معنی و مفہوم ہے جس کے لیے کلام کیا گیا ہے۔

دلالتہ النص

کسی عبارت میں جو حکم مذکور ہو اس حکم کی علت جہاں جہاں پائی جائے وہاں وہاں وہ حکم جاری سمجھا جائے گا اس سے دلالتہ النص کہیں گے۔ قرآن کریم میں ہے والدین کو آف تک مذکور۔ لا تَقْتُلْهُمَا (پنچ اسرئیل ۳۲) اس میں حکم کی علت والدین کو تکلیف دینا ہے۔ سو یہ وہ فعل یا قول جس سے ماں باپ کو اذیت پہنچے اس کا اصدار ممنوع ہوگا۔ اس آیت کی دلالت ان سب امور سے روک رہی ہے جو کسی طرح بھی والدین کے لیے اذیت کا سبب بنیں۔

اشارتہ النص

کلام اس معنی و مفہوم کے لیے نہ کیا گیا ہو لیکن اس کلام سے غور و غریب سے توجہ اور معمولی غور و فکر سے وہ بات بھی سمجھی جائے وہ اشارتہ النص ہے یہ بات اس کلام میں پورے طور پر واضح نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ دور در پلانے والیوں کا خرچہ کھانا اور کپڑا باپ کے ذمہ ہے و علی الولد دلہ رزقہن و کسوفقن (پنچ البقرہ ۲۳۲) اس سے یہ بات اذخود سمجھ میں آ رہی ہے کہ بچوں کا نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے اور وہی بچے کا ہر طرح سے ذمہ دار ہوگا۔ یہ دوسرا مسئلہ اشارتہ النص سے ثابت ہوگا اس کے لیے کلام نہیں کیا گیا۔

آفتقار النقص

عبارت کا اپنے الفاظ کے مفہوم و مدلول سے خارج کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت موقوف ہو۔ آنحضرت کا ارشاد ہے۔

ان الله وضع عن امتي الخطاء والنسيان .

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا بوجھ اٹھا دیا ہے۔

اس سے تین باتیں مفہوم ہو سکتی ہیں۔

① اس امت سے خطا اور بھول ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اس کو کفر اٹھا لیا ہے

② اس امت سے کسی عمل میں خطا اور بھول صادر ہو تو وہ عمل باقی نہ رہے گا خدا اس امت کو اس غلطی پر نہ رہنے دیں گے سو وہ غلطی کلام ہو کر رہ جائے گی۔

ان دونوں معنی کے لحاظ سے اس امت کے کسی عمل میں صدق اور سچائی کا ثبوت بہم نہیں پہنچتا یا غلطی غلطی نہ ہوگی اور یا عمل عمل نہ رہے گا اور یہ دونوں باتیں شریعت کی رو سے غلط ہیں۔ حضورؐ کے ارشاد کے بے معنی ٹھہرنے کا کوئی امکان نہیں۔ پس اس کا تقاضا ہے کہ یہاں خطا اور نسیان سے پہلے اس لفظ کو زائد کیا جائے جو اسے واقع اور حقیقت کے مطابق کر دے وہ لفظ اثم کا اضافہ ہے اور مراد اثم الخطاء والنسيان سے دو گزرا کرنا ہے وہ تیسرا معنی یہ ہے اور یہی نفس کا تقاضا ہے

③ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور بھول کا گناہ اٹھا لیا ہے یعنی وہ ان گناہوں میں داخل نہ ہوں گے۔

علامہ لودی (۱۶۷۲ھ) لکھتے ہیں۔

فان الناس لا اثم عليه بالاجماع

ترجمہ۔ سوائے لوگوں پر بالاتفاق سزا نہیں ہے۔

لے فی رواية ان الله تعالى تجاوز عن امتي ما دوسست به صدورهم اثم لم تعلم به او متكلم متفق عليه
مشکوٰۃ ص ۱۸۱ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴

کلام کی صحت کا عقلی تقاضا

قرآن کریم میں ہے:-

وَأَمَّا الْقَوْلُ الْخَالِصُ كَانَتْ حَاضِرَةُ الْبَحْرِ (رَبِّ الْأَعْرَافِ ۱۶۳)

ترجمہ: سو آپ پر تھیں قریہ والوں سے جو دریا کے کنارے تھے۔

سوال اور پوچھنا کسی جاندار سے ہی ہو سکتا گفتگو اور بات چیت کسی انسان سے ہی ہو سکتی ہے

جانور سے بھی نہیں سو میاں دیوار سے بات چیت کرنا کیا معنی؟ اور اس سستی سے پوچھنے کی کیا صورت؟

اقتضائے نفس یہ ہے کہ القول سے پہلے کوئی ایسا لفظ مقدم کرنا چاہئے جس سے مقول کلام الہی صادق

ٹھہرے وہ لفظ اہل یا معابد ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ آپ اس سستی کے رہنے والوں سے پوچھ کر کہیں۔

نفس کے یہ چاروں پرانے بیان قرآن میں لیکن ہر ایک پر یہ قرآن کی روشنی مختلف انداز میں عین

رہی ہے اور یہ سب پیرائے مقام قرآن کی مختلف منزلیں ہیں۔

قرآن پاک علم کے ماخذ کی حیثیت سے

خود قرآن میں اس کے احکام واجب الاتباع ٹھہرائے گئے ہیں اور حضور اکرم کو بھی ان احکام کا مکلف

کیا گیا ہے آپ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کے پابند ہیں براہ امت کے لیے بھی علم کے ماخذ کی حیثیت سے قرآن

کو اولیت حاصل ہو گئی اسلام میں پہلا ماخذ علم اسے ہی سمجھا گیا ہے سنت کی طرف توجہ کیا جائے گا

جب وہ مسئلہ قرآن پاک میں نہ ملے۔

آنحضرت نے حضرت معاذ کو یمن میں قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا کہس طرح فیصلے کر دے گے انہوں نے

کہا کتاب اللہ کے موافق۔ آپ نے پوچھا اگر وہ تجھے کتاب اللہ میں نہ ملے تو انہوں نے کہا پھر میں سنت سے

فیصلہ کروں گا۔ وہاں بھی نہ ملے تو پھر میں اجتہاد کروں گا (فقہ سے کام لوں گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس جواب کو پسند فرمایا۔

الحمد لله الذی دفع رسول رسول الله له

محدثین حدیث کے چرائے کر ہمیشہ قرآن کے سائے میں چلے ہیں۔
 اصول فقہ میں علم کا پہلا ماخذ قرآن کریم کو بیان کیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ مجتہد کے لیے ہے
 جو قرآن پاک سے غیر مخصوص مسائل کا استخراج اور استنباط کر سکے۔ البتہ قرآن پاک کے وہ مسائل جن میں صرف
 نقل عبارت ہے کسی اجتہاد اور استنباط کی ضرورت نہیں اسے ہر شخص بیان کر سکتا ہے مثلاً

- ① رُکے کا حد رکھ کر رکعتیں پڑھنا۔
- ② وضو میں منہ دھونا ہاتھ کہنیں تک دھونا سر کا مسح اور پاؤں دھونا فرض ہے۔
- ③ روزہ رکھنے والا سفر میں اسے دوسرے دنوں میں بدل سکتا ہے۔

پھر آگے یہ مسئلہ کہ اگر اس نے سفر میں روزہ رکھا تو روزہ ادا ہو گا یا نہیں یا یہ کہ افضل کیا ہے
 اس میں مجتہد کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ حدیث کی صریح عبارت سے بھی عامی استدلال نہیں کر
 سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث ممنوع ہو کسی پہلے دور سے تعلق رکھتی ہو۔ اس عامی کو پتہ نہیں ہو گا کہ اس
 ممنوع پر اور احادیث بھی ہیں جن کو طوطا کے بغیر اس ایک حدیث کا حاصل سمجھا نہیں جا سکتا۔ مختصر بات یہ
 ہے کہ قرآن و حدیث سے براہ راست استنباط کرنا یہ صرف مجتہد کا حق ہے وہ خطا بھی کر جائے تو اسے
 ایک اجر ملے گا لیکن عامی اپنے کسی ٹوکے میں صحیح بات بھی پالے تو وہ اپنی اس اصراری غلطی میں قابلِ معافی
 نہ ہو گا اس لیے کہ اس نے نیز مجتہد ہوتے ہوئے مجتہد کی پوزیشن اختیار کی ہے یہ اسے نہ چاہیے تھا۔

قرآن و حدیث میں جو مسائل مخصوص نہیں یا مخصوص ہیں مگر وہ بظاہر متعارض ہیں مجتہدین
 ان میں اجتہاد کر کے اپنے فیصلے است کو دے چکے ان میں صحیح بات پالنے والے مصیب اور نہ پالنے
 والے مغنی دونوں ہوں گے مگر غرض کسی کی پیروی میں نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غلطی کو بھی ایک
 اجر کی بشارت دے چکے ہیں۔

اصول فقہ اور اصول مناظرہ میں فرق

اصل فقہ پہلا ماخذ علم قرآن ہی ہے مجتہدین کا آپس میں مناظرہ ہو تو بات قرآن سے ہی چلے گی لیکن
 مدعیان اسلام میں بات عام سطح پر ہو تو بات استدلال سنت سے ہوتا چاہیے قرآن کریم کا پیرائہ بلاغت
 نہ دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱۰ ص ۱۰۰

بہت اونچا ہے اور ایک ایک بات میں کئی کئی وجہیں نکلتی ہیں جنہیں مجتہدین ہی بہتر طور پر پا سکتے ہیں
سو ایسے موقوفوں پر استدلال سنت سے ہونا چاہیے۔ سنت پھیلتے ہوئے احتمالات کو سمیٹتی ہے اور
اور نظریات کو عملیات کی شکل دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

عن عمر انه قال سيا في ناس يحادونكم بشهادات القرآن فخذوهم بالنن
فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله الادري ونضر المقدسي في الحجۃ الفالکلی
فی السنة وابن عبد البر فی العلم بالله

ترجمہ: کچھ ایسے لوگ اٹھیں گے جو قرآن کریم کی متشابہات سے تم سے جھگڑیں گے سو انہیں
سنن سے پکڑنا۔ اصحاب سنن ہی قرآن کو زیادہ جانے والے ہیں۔
حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی کثر اعمال ملتا ہیں ایک روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔ آپؓ نے
حضرت ابن عباسؓ کو جب خوارج کے مقابلہ میں بھیجا تو فرمایا :-

ان خاصموا بالقرآن خاصمهم بالسنة كثر العمال بالله
ترجمہ: اگر وہ خارجی مہتاء کے سامنے قرآن پیش کریں تو تم ان کے سامنے سنت سے
استدلال کرنا۔

اس میں عجبت قرآن سے انکار نہیں پہلے مانتے علم مسلمانوں کے لیے بے شک قرآن ہی ہے لیکن
اس کی بتدلیں تک کامیابی سے پہنچنا مجتہدین کے سوا اور کس کو میسر ہو سکتا ہے۔ سنت سے استدلال اس
لیے زیادہ مفید رہتا ہے کہ اس میں کوئی دو پہلو کی بات نہیں اور مخالف کو اس سے کوئی راہ قرار نہیں
ملتی۔ پھر مضمون نصح البلاغہ میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے :-

واتخا صمهم بالقرآن فان القرآن محال ودجوه تقلد یقولون ولكن حاجهم بالسنة
فانهم لن يجدوا عنها معیماً بالله

ترجمہ: تم ان سے قرآن کے حوالے سے بحث نہ کرنا کیونکہ قرآن پاک بہت سے
حقائق آشکارے ہوئے ہے اور اس میں بات کی کئی جہات نکلتی ہیں۔ تو ایک بات

ملکہ کثر العمال جلد مشہور است تحقیقہ الفقہ حصہ اول ص ۱۸۰ مولانا ابوالوارثہ فاروقی بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد دکن
مکہ نصح البلاغہ مصری جلد ۲ ص ۱۸۰ شرح نصح البلاغہ للہیتم البحرانی

کچھ گا اور وہ دوسری بات لے آئیں گے تم ان سے سنت کی رو سے بحث کرنا سہاں
وہ سنت سے غلامی نہ پاسکیں گے۔

مقلدین کا آپس میں مناظرہ ہو اور مسئلہ عقیدت کا ہو تو حوالہ قرآن و حدیث کی بجائے کتب عقائد
سے دینا چاہیے۔ اہل السنۃ والجماعت کے تمام عقائد منقول حدیث میں کتب عقائد میں آگئے ہیں اور بھیران
پر سالہا سال حاشیہ در حاشیہ محققین ہوتی رہی ہیں اب پودہ ہوس حدیث میں عقائد حتمہ کو نئے سرے سے
قرآن و حدیث سے ثابت کرنا اور کچھ کچھ کتب عقائد کو لائق اعتماد نہ سمجھنا کہ شاید ان پر بات اس طرح نہ کھلی
ہو ایک بہت بڑے اعتقادی فتنے کو راہ دینا ہے۔

اور اگر مسئلہ عمل سے متعلق ہے تو اس پر امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے مجتہدین اپنے فیصلے دے
چکے ہیں اب نئے سرے سے ان مسائل فقہ کے طے کرنے کی ضرورت نہیں، اگر دولوں طرف مقلدین ہیں تو
باہمی تنازع کو کتب عقائد اور کتب فقہ سے ختم ہو سکتے ہیں قرآن و حدیث سے براہ راست استدلال
کرنا مجتہدین کا حق ہے مقلدین کتاب و سنت کی عبارت تو پیش کر سکتے ہیں لیکن ان سے مسئلے کو مستنبط کرنا
اس کا حق انہیں نہیں ہے۔

بائیں ۴۰۰ اعتقادی طور پر ہمیں یہ تسلیم ہے کہ اسلام میں پہلا ماخذ علم بے شک قرآن ہے
اور اس کا ایک ایک لفظ متواتر ہے اس کی کوئی بات محتاج ثبوت نہیں، ہاں اس کی دلالت اپنے کسی
معنی پر کس درجے میں ہے۔ سو یہ انھوں قرآن کے مختلف پیرائے ہیں۔

۱. عبارة النص ۲. اشارة النص ۳. دلالة النص ۴. اقتضاء النص

اور مسئلہ جس دلالت سے ثابت ہوگا اسی کے مطابق اس کا حکم ہوگا۔

اس تفصیل سے قرآن کریم کے بابے میں کسی حد تک اس کے درجے اور اس کی حیثیت کا اختلاف
ہو جاتا ہے اور یہ وہ گہرے مسائل ہیں جنہیں کسی حد سے محدود نہیں کیا جاسکتا۔

فقہ حنفی کی جو کتابیں دلائل کے ساتھ لکھی گئی ہیں (جیسے ہدایہ) ان میں سرفہرست استدلال
قرآن سے ہوتا ہے پھر سنت سے۔ اقوال فقہاء کی باری بعد میں آتی ہے۔

سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ مقلدین کے ہاں اصل شریعت اپنے امام کا قول ہے کتاب و سنت نہیں
پر وہی کہہ سکے گا جس نے کبھی فقہ کی بڑی کتاب میں نہ دیکھی ہوں۔

علوم القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى لما بعد:

قرآن کریم پر جامع فکر کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے علوم ان تین دائروں میں پھیلے ہوئے ہیں :-

۱۔ آیات احکام ۲۔ آیات کلام ۳۔ آیات نظام

تذکیر نظام پھر آگے تین دائروں کو شامل ہے :-

۱۔ تذکیر آیات اللہ ۲۔ تذکیر بایام اللہ ۳۔ تذکیر بما بعد الموت

تذکیر کے یہ تین دائرے سب خواص و عوام کے لیے ہیں، عالم ہوں یا جاہل سب ان آیات سے نصیحت پکڑتے ہیں اور سب لوگ اس راہ سے ہدایت پر آنا محسوس کرتے ہیں یہ وہ راہ نہیں جسے صرف عالم محسوس کر سکیں اور مجتہدین ان کی گہرائی میں اتر سکیں۔
(تلك الامثال فضرر بالناس - (پٹ الحکیمات)

ترجمہ: اور یہ امثال ہیں جنہیں ہم سب لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں۔

جو لوگ قرآن پاک کی آیات سنتے ہی اس کی صداقت پر جا پہنچے ان کے لیے قرآن بہت سہل

واقع ہوا ہے۔

① تذکیر بالآلہ اللہ میں مشابہت سے سچائی کی راہ تلاش کی جاسکتی ہے۔

② تذکیر بایام اللہ میں ان تلخیصی وقائع میں سے سبق حاصل کرنا ہے جو ہر کسی کو معلوم رہے۔

③ تذکیر بما بعد الموت میں بذریعہ وحی اکملہ جہاں سے کچھ پردے اٹھتے ہیں۔

آیات احکام

آیات احکام میں ان امور کا بیان ہے جن میں کرنے اور نہ کرنے کے احکام اور ان کے درجہ

بیان ہوئے جو کام کرنے کے ہیں ان کے درجات فرض، واجب، مستحب اور مباح ہیں اور جو

کلام نہ کر لے کہ ہیں ان کے درجات حرام، مکروہ، منکر، مکروہ تنزیہی میں داخل ہیں۔ پھر ان میں وہ کلام بھی ہیں جو عزیمت کے حکم میں ہیں اور وہ بھی جو رخصت کا حکم رکھتے ہیں۔ آیات احکام میں عبادات اور معاملات دو نول قسم کے ان میں شامل ہیں وہ تدبیر منزل ہو یا سیاست اور سیاست منبری ہو یا ملکی یا عالمی آیات احکام میں یہ سب مضامین آتے ہیں آیات احکام کو پوری طرح سمجھنا یہ مجتہدین کا کام ہے۔ اور وہی صحیح طور پر ان سے احکام کشید کر پاتے ہیں۔

آیات علم کلام

آیات کلام سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہود و نصاریٰ مشرکین و محدثین، زندادہ اور منافقین اور آئندہ پیدا ہونے والے فرق باطلہ کی تردید اور ان کے تشبیہات کا ازالہ ہے ان آیات میں خطابي انداز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے انہیں علم مباحثہ کا عنوان دیا ہے۔ آیات کلام پوری طرح سمجھنا متکلمین کا کام ہے۔ ہاں علم کلام اسی حد تک لائق اعتماد ہے کہ اس کی کوئی بات کتاب و سنت کے خلاف نہ جائے پائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں :-

جاننا چاہیے کہ معافی جو قرآن مجید سے منہوم ہوتے ہیں وہ پانچ عملوں سے بلند ہیں

① اول علم کلام

از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام

یہ احکام خواہ عبادات کے بارے میں ہوں یا معاملات کے بارے میں۔ تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدین سے۔ اس علم کی تفصیل فقہاء کے ذمہ ہے۔

② دوم علم مناظرہ

چار گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود و نصاریٰ مشرکین اور منافقین اس علم کی تفریح متکلمین کا کام ہے مناظر انہی حضرات میں سے ہکتے ہیں۔

③ علم تذکیر بالاء اللہ

اللہ کے فضائل اور ان کی نعمتوں کے حوالے سے اس کی یاد

③ علم تذکیر بایام اللہ

اللہ کی قدرت کے وہ وقائع جنہیں دنیا پہلے دیکھ چکی تھی سے سبق حاصل کرنا۔

⑤ علم تذکیر ببالعدا الموت

موت کے بعد کیا ہوگا اس کے حوالے سے لوگوں کو خدا کی طرف لانا۔

علوم قرآن کا پیرایہ بیان اپنا ہے

① قرآن مجید میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ یہ خود بعد کی پیداوار ہے۔

② آیات احکام میں اختصار جیسا کہ متن لڑیوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور غیر ضروری قید کی تنقیح کا التزام دیا کہ اصولیوں کا قاعدہ ہے وہ بھی نہیں کیا ہے۔

③ علم مباحثہ کی آیات میں اقوال مشہور مستند اور خطابیات نافذہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی نہیں کی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج قرآن پاک کو عرض ذکر کثرت کی مدد سے یا ترجمہ کے مطالعہ سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب تک کوئی شخص اسالیب عرب نہ پہچانتا ہو وہ قرآن مجید کو نہیں جان سکتا۔

ان علوم قرآن سے جو چشمے چھوٹے

① آیات احکام میں ناسخ و منسوخ، محمل و مفصل، عام و خاص کے مباحث چلے

② آیات کلام میں توحید و رسالت، وجود ملائکہ، ایمان بالقدر اور مکرر جی اٹھنے کے مباحث چلے انہی میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین و عہدین کے افکار و اعمال کے پڑے چاک ہوئے۔

③ تذکیر بالآلہ اللہ سے مسلمانوں میں علم کائنات کا شہس پیدا ہوا۔

④ تذکیر بایام اللہ سے مسلمانوں میں علم تاریخ نے نشوونما پائی، حدیث کی کتابوں میں بدخلق

کتاب المغازی اور ماجاء فی تخلیق السموات والارض جیسے ابواب سامنے آئے۔
 (۵) تذکیر بالموت سے عالم برزخ، عذاب قبر، حیات برزخی، وقوع قیامت، بعثت میزبان
 اور عدل و احسان جیسے مباحث چلے

قرآن بیان کرنے والے کن کن میدانوں میں چلے

علوم قرآن سے علم کے جو چشے چمٹے ان سے قرآن بیان کرنے والوں کو علوم قرآن کی
 مختلف راہیں معلوم ہوئیں اور وہ اپنی اپنی پسند کی شاخوں میں چلے یہ موضوع مختلف الابع تغیر کا ہے
 اور یہ دہیں بیان ہو گا۔ یہاں ہم حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے الفوز الکبیر کا باب چہارم نقل
 کرتے ہیں، بہت لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں۔

(۱) ایک جماعت صرف ان آثار کی روایت پر کمر بستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی
 ہیں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت
 — یہ طریقہ محدثین کا ہے۔

(۲) اور ایک گروہ اسماء و صفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ ان میں سے جس
 بہت کو مذہب تفسیر بہ حق جل و علا شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اس کے
 ظاہری معنی نہیں لیتے یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات
 وہ کہتے ہیں رد کرتا ہے یہ شان مشکبہ کی ہے۔

(۳) اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی
 اور مخالف دلیل کا جواب دیتی ہے۔ یہ فقہاء اور اہل اصول کی روش ہے۔

(۴) ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی، اور ہر محاورہ کے باب میں
 کلام عرب کی مہایت کثرت کے ساتھ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحویں اور اہل
 لغت کی وضع ہے۔

(۵) اور ایک گروہ علم معانی اور علم بیان کے نکات کو تمام قرآن کریم پر اور کلام

- کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے۔
- ⑥ اور بعض لوگ فزون مجید کی ان قرأتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں منہایت الفناح اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہ قراء کی حالت ہے۔
- ④ اور کچھ آدمی علم سلوک یا خفائی کے حکمت کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں یہ صوفیوں کی روش ہے۔

الحاصل تفسیر کا میدان منہایت وسیع ہے اور اس میں چلنے والے ہر مسلمان کا حقد اس کے معانی سمجھنے کا ہے اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوت فصاحت اور سخن نہی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور رکھا ہے یہ وجہ ہے جس سے فن تفسیر نے ایسی وسعت پائیاں حاصل کی جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یکجا کرنے کا بھی ہوا ہے اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور ان کے طول و اختصار میں فرق ہے جس لے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔

اس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فزون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اس کے فروع کی معلوم ہے اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذاہب کے قریب قریب تحقیق و استقصال حاصل ہو گیا ہے ان کے علاوہ فزون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیض الہی کے لائق تھے اور یہاں سے القاء ہر کے ہیں بلکہ

اس عبادت کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے علمی موقف کا بھی ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مجتہد مطلق کے علمی مرتبہ پر نہ تھے آپ (امام ابو حنیفہؒ کے) مقلد تھے بل آپ دوسرے درجے میں مجتہد فی المذہب کے مرتبہ میں تھے اور اس میں بھی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہ اللہ الفوز الکبیر ص ۷۷

کے مرتبہ پر نہیں امام محمد ای اور کرنی کے مرتبہ کے تھے اور یہ بھی ایک بڑا علمی مقام ہے آپ فیض الہی سے علم قرآن کی وہ دولت پائے ہوئے تھے کہ علم کا یہ مقام بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے آپ کے علوم کا پھیلاؤ دیکھنا ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اسحق محدث دہلوی کی تالیفات میں دیکھیں اور پھر اپنی علوم کی ایک جھلک آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتابوں میں بھی ملے گی علمائے دیوبند انہی سے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے) علم کی سند لیتے ہیں اور انہی کو اپنی جماعت کا پیشوا سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے مذکورہ بالا بیان کے بعد الفوز الکبیر میں ایک مستقل فصل اس عنوان سے قائم کی ہے۔

”ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہذا میں لکھے جائیں“ اور پھر تقریباً پانچ صفحات میں آپ نے اس پر کام کیا ہے۔

طلبہ کو چاہیے کہ الفوز الکبیر سے ان صفحات کا مطالعہ کریں۔ یہاں ہم علوم القرآن کے اس بحث کو اس سے زیادہ نہیں پھیلاتا چاہتے۔ یہاں آپ کے ہاتھ میں ایک ایسی چابی آگئی ہے کہ جہاں تک آپ چاہیں قرآن کے کسی موضوع کو ان کے حوالے سے پھیلا سکتے ہیں۔ وکفی بہ قدرة۔

حقائق القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

یوں تو قرآن کریم میں حقائق ہی حقائق ہیں کوئی بات خلاف حقیقت نہیں کیا عقائد اور کیا اعمال ہر بات حقیقت کے تراود پر مبنی ہے تاہم اس کے ضابطہ اخلاق میں کچھ ایسے حقائق بھی ملتے ہیں جو فکر و دانش کے لائق ادراک کا ایک تاریخی سچڑ ہیں ان میں آپ کو بہت سی ابدی حقیقتیں مختلف پیرایوں میں اور مختلف احکام کے ضمن میں لپٹی ملیں گی جن پر دنیا کے عقلاء اور دانشور ہمیشہ سے متفق رہے ہیں گویا دنیا کے عقل و تجربہ کا یہ اجتماعی کارنامہ ہے جسے اللہ رب العزت نے بھی اپنے ہاں قبولیت بخشی ہم ان میں صرف پندرہ ابدی حقیقتیں یہاں نقل کرتے ہیں جنہیں جھٹلانا کسی کے بس کی بات نہیں حقیقت حقیقت ہے اور ان پر ہمیشہ سے سب کا اتفاق چلا آرہا ہے ۔

① خیر الامور او سطہا۔

بہترین بات درمیان میں ہوتی ہے۔

② من جہل شیاء عاداہ۔

جو کسی چیز کو نہ جانے وہ اس کا مخالف رہتا ہے۔

③ اِخْذْ رِشْرِمْنَ احْصَتْ اِلَیْہ۔

جس کا تو عمن ہے اس کے شر سے بچ۔

④ لیس الخبر کا المائتہ۔

شہیدہ کے بود مانند دیدہ۔

⑤ فی الحركات بروکات۔

حرکت کرنے سے ہی برکتیں ملتی ہیں۔

⑥ حین تقلی تدریج۔

تو جس سے نفرت کرے اسے جان لے گا۔

- (۷) لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین۔
 مؤمن ایک سوراخ سے دوسرے نہیں ڈسا جاتا۔
 من یعلن ظالمًا سَلَطَ عَلَیْهِ۔
 جو کسی ظالم کی مدد کرے گا اس پر عجبی گئی مسلط ہوگا۔
 (۸) کما تدرین تدان۔
 جیسی کرنی ویسی بھرنی۔
 لا تَدْرِ الحَیْةُ الا حَیْةً۔
 سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتے ہیں۔
 (۹) للعیطان اذان۔
 دیوار ہم گردکش دارد۔
 (۱۰) الجاهل مرزوق والعالَم معروم۔
 کبھی جاہل لے جاتا ہے اور جاننے والا رہ جاتا ہے۔
 (۱۱) الحلال لا یاتیک الا قوتًا۔
 حلال بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام انڈا انڈا کرتا ہے۔
 (۱۲) ایک ایک اور دو گیارہ۔
 دوسرے کے بیان سے پہلے کی کمزوری ختم ہو جاتی ہے۔
 (۱۳) بجلی اندر سے بھی جھانک لیتی ہے۔
 ٹڈا کٹر اس سے اچھرے کا کام لیتے ہیں۔
 (۱۴) دھوئیں کا فضا میں پھیلاؤ۔
 آسمان تک دھوئیں کا چھا جانا۔
 (۱۵) قسم چاند کی جب پورا بھر جائے تم طبقہ بہ طبقہ چڑھو گے۔

ان میں تیرہ وہ امور ہیں جن پر مضایب بن ابراہیم نے سوالات کیے اور شیخ حسن بن مفضل نے اس پر قرآن پاک کی آیتیں پڑھیں۔ بعد کے چار نکات میں ایک بیان مولانا محمد حسن محدث فیض ٹوپی

کا دوسرا ایک مجازی عالم اور ایک ڈاکٹر کا ہے۔ تیسرا تاریخ نگار کے ایک ماہر عالم کا ہے جس نے ایک غلابان کے سامنے سورۃ الانشقاق کی ایک ہیئت پڑھی تھی۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نے لطائف القرآن کے نام سے مضارب بن ابراہیم کے یہ سوالات یکجا کر دیئے ہیں۔ فجزاء الله احسن الجزاء فليراجع۔

دنیا کی مسلم اور ابدی حقیقتوں کو بھی کبھی مختلف پیرائوں میں لاکر کھلا جاتا ہے اور کبھی انہیں مناسب مثالوں میں تاراجاتا ہے۔ نامناسب نہ ہو گا کہ ہم یہاں قرآن کریم کے پیرائے مثال سے بھی کچھ امثال طلبہ کے سامنے رکھیں تا وہ جان سکیں کہ مثال اور مثل لہ میں کیا کیا مناسبات ہوتی ہیں اور قرآن کس شان جاغت سے موقع کی مثال لاتا ہے۔

مضارب بن ابراہیم نے حضرت حن بن منضل سے کہا کہ آپ عربی اور عجمی ضرب الامثال کی اصل اپنی ذہانت سے کتاب اللہ سے نکال لیتے ہیں کیا آپ اس عربی ضرب المثل خیر الامور اوسطھا کے کسی ماخذ کی قرآن کریم سے نشاندہی فرمائیں گے۔

① حن بن منضل نے جواباً برسر فرمایا کہ اس ضرب المثل کے قرآن کریم میں چار ماخذ موجود ہیں جو یہ ہیں :-

قوم موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک مقتول کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ایک بھڑاؤ رخ کر کے اس کا گوشت مقتول کے بدن سے لٹکانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر بتایا گیا کہ وہ باذن خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلائے گا۔ حق تعالیٰ نے جواباً اسی خیر الامور اوسطھا کی جانب راہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بھڑاؤ ایسا معتدل ہو کہ :-

۱۔ لا خاض ولا جبر عوان بین ذلک۔ (البقرہ ۶۸)

نہ بالکل بڑھا ہوا نہ بہت تھجہ (بلکہ) پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔

قرآن کریم نے اپنے برگزیدہ بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کے خیر الامور اوسطھا ہونے کے وصف کو امتیازی حیثیت دے کر ارشاد فرمایا کہ :-

۲۔ والذین اذا انفقا لم یسرخوا ولم یفترخوا وکان بین ذلک قولہما۔ (پ فرقان ۶۷)

ترجمہ۔ اور (طاعات والیہ میں ان کا طریقہ یہ ہے کہ) وہ جب غریح کہتے ہیں تو نہ

امرات کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط و تفریط) کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے خیر الامور اوسطہا کے اصول کی نشاندہی فرماتے ہوئے بخل اور اسراف دونوں کو ناپسندیدہ قرار دیا اور اعتدال قائم رکھنے کا حکم دیا۔

۳۔ وَلَا تَجْعَلْ مَوْلَاكَ مَفْلُوحًا ۖ اِلَىٰ عَتَقِكَ ۚ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔ (پہلی سورت، ۲۹)

ترجمہ۔ اور نہ تو اپنا غلام گردن سے ہی باندھ لے اور نہ بالکل ہی کھول دے۔

پھر نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کو اس خیر الامور اوسطہا کے دائرے میں محدود رکھنے کا امر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

۴۔ وَلَا تَجْهَرْ بِهِنَّ ۖ اِنَّكَ لَا تَخَافُتُهُمْ ۚ وَاعْبُدْهُنَّ ذٰلِكَ سَبِيلُ۔ (پہلی سورت، ۱۰)

ترجمہ۔ اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے

پڑھے۔ دونوں کے درمیان ایک راہ اختیار کیجئے۔

ان چاروں آیات میں جو مختلف موضوعات میں نازل ہوئیں اس ایک فطری اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

② اس کے بعد مضامین نے عرض کیا کہ ضرب المثل من جمل شیدا عا دہ (جس شے سے آدمی ناواقف ہوتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے) کا ماخذ قرآن کریم میں کیا ہے جس بن مضل نے فرمایا اس کے ماخذ قرآن کریم میں دو ہیں۔

۱۔ اَلَمْ يَكُنْ جَوَابًا لِّمَنْ يَّحِيطُ بِمَا لَمْ يَحِيطُوا بِعِلْمِهِ۔ (پہلی سورت، ۲۹)

ترجمہ۔ بلکہ وہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے (جس کے صحیح ہونے) کو وہ خود اپنے احاطہ علم میں نہ لائے۔

یعنی جس چیز کو نہ سمجھ سکے تو اس کے دشمن ہو گئے اور تکذیب شروع کر دی۔ اس میں ایسی اصول کی نشاندہی کی گئی ہے۔

۲۔ وَاِنْ لَّمْ يَهْتَدُوا بِهٖ هٰذَا الَّذِي قَدِيْمٌ۔ (پہلی الاحقاف، ۱۱)

ترجمہ۔ اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

یعنی جو قرآن کریم میں غرور فخر نہ کرنے کے بائیت کو پانہ سکے۔ اب ازراہ عناد اس کو کھوٹ قرار دے دیا۔

② اس کے بعد منار ب نے عرض کیا کہ احذ شرمین احصت الیہ اس کے شر سے بچنے جس کے ساتھ تم نے حسن سلوک اور احسان کیا ہے جن بن مفضل نے فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن کریم میں موجود ہے :-

وما نقصوا منهم الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله۔ (آلہ البقرہ ۷۱)

ترجمہ اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے سب دوسروں سے بے نیاز بنا دیا۔

یعنی اللہ اور رسول کی عطا و بخشش پر سب کے شکر گزاری کے جب انہوں نے مخالفانہ اختیار کی تو مخالفت کی انتہا کر دی کہ دین حق کے ہی منکر ہو گئے۔

③ پھر منار ب نے عرض کیا کہ لیس الخبیر کا المعاینۃ (منی ہوئی بات) آنکھوں دیکھی حقیقت کے برابر نہیں ہو سکتی، اس کا قرآنی ماخذ کیا ہے ؟

علامہ حسن نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کی تھی کہ رب ادنیٰ کیف قصی الموتی (اے میرے پروردگار! مجھے دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کرتے ہیں) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

اولم یؤمنوا ان یحیوا ویموتوا۔ (آلہ البقرہ ۲۹۰)

کیا تم کو یقین نہیں ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لانا (لیکن اس عرض سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ) میرے قلب کو اور سکون ہو جائے۔

نظر بلی میں اس کا اعتراف ہے کہ آپ کی قدرت کاملہ کی خبر پر میرا ایمان کامل ہے لیکن لیس الخبیر کا المعاینۃ کے مطابق مشاہدہ کا درجہ خبر سے ذرا آگے ہے اس لیے میں اسے بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

⑤ منار ب نے ایک اور بات پوچھی کہ مثل مشہور ہے فی الحركات برکات (حرکت میں برکت ہے) کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے جس میں کہا گیا ہو کہ بہت کرو گے تو راہیں کھلیں گی۔

شیخ حسن نے فرمایا قرآن کریم نے فی الحركات بروکات کی واضح نشاندہی اس اہمیت کے لیے
میں موجود ہے۔

ومن یماجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراعاً کثیراً وسعیہ (پہ انوار ۱۰۰)
ترجمہ اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو اس کو رونے زمین پر جانے کی
بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش۔

یعنی زمین پر پھیلی ہوئی برکتیں جب ہی حاصل ہوں گی کہ جب تم اللہ کے لیے زمین پر چلو پھرو
گے گھر بیٹھے نہیں، حرکت میں برکت ہے۔

⑥ مضارب لے پھر سوال کیا کہ کما تدين تदान (میا کر دگے ویسا بھر دگے) مشہور ضرب المثل
ہے کیا اس کی قرآنی اصل بھی موجود ہے؟ شیخ حسن نے فرمایا اس بارے میں قرآنی راہنمائی یہ ہے کہ۔
من یعمل سوءً یجزیہ (پہ انوار ۱۳۳)

ترجمہ جو شخص کوئی برا کام کرے اس کو اس کے عوض سزا پائے گا۔
یعنی دنیا میں بد عملی پر اچھے بدلے کی توقع نہ کیجئے۔ جیسے اعمال اس دنیا میں کر دگے ویسی ہی
جزا پائے گے۔

④ مضارب نے عرض کیا کہ ایک مثل ہے حین ثقلى تندى جب تم کسی چیز سے نفرت کرو تو پھر
وقت آنے لگا کہ تم جان لو گے تمہارا اس سے دُور رہنا کیسا تھا، پھر تمہیں اس میں بُرائیاں ہی بُرائیاں
نظر آئیں گی جو نظر نہیں آ رہیں۔

شیخ حسن نے فرمایا اس مثل کی قرآنی اصل اس آیت میں موجود ہے۔
وسوف یعملون حین یرون العذاب من اضلّ سبیلاً (پہ الفرقان)
ترجمہ اور (مرنے کے بعد) معلوم ہوا کہ جو لوگ گمراہ ہو جائے گا جب عذاب کا سامنا کریں
گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

یعنی دنیا میں تم نے دینِ برحق سے اپنے دلوں میں نفرت پیدا کر لی تو اس کی ہر چیز تمہیں بُری
نظر آنے لگی لیکن جب اس کی بتلائی ہوئی حقیقتیں سامنے آئیں گی تو اس وقت ان کے اقرار پر مجبور ہوں گے
لیکن اس وقت کا اقرار کارآمد نہیں ہو گا۔

⑧ مضارب نے پھر ایک اور سوال کیا کہ لا یلدغ المؤمن من جحر قرنین (مومن ایک گڑغ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا) اس آیت کا قرآنی ماخذ کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا اس کا قرآنی ماخذ آیت ذیل میں موجود ہے۔

هل امنکم علیہ الا کما امنکم علی اخیه من قبل . (سُورۃ یوسف ۱۲)

ترجمہ پس رہنے دو میں اس کے بارے میں بھی تم پر ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا

کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ یوسف کے بارے میں ایک بار میں تم پر بھروسہ کر چکا ہوں اور نتیجہ دیکھ چکا ہوں۔ اب دوسرے بیٹے بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کیسے کروں۔

⑨ مضارب نے عرض کیا کہ من اعلان ظالما تسلط علیہ (جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے تو وہی ظالم اس پر بھی غلبہ پاتا ہے) کی قرآنی اصل ارشاد فرمائیے۔

شیخ حسن نے فرمایا اس کی اصل اس آیت میں ہے۔

کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضللہ و یعدیہ الی عذاب الشعیر (پک لکھ ۴)

ترجمہ جس کی انتہت (خدا کے یہاں) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے (یعنی

شیطان سے) تلقین رکھے گا (یعنی اس کا اتباع کرے گا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ

وہ اس کو (راہ حق) سے بے راہ کر دے گا اور اس کو عذابِ موزخ کا راستہ دکھائیگا۔

یعنی اللہ سے بے راہی اختیار کرنے والے ظالم ہے جس کا ظالم کی (شیطان) اطاعت کرے گا نتیجہ وہ اسے بھی بے راہی پر لگا دے گا۔

⑩ پھر مضارب نے عرض کیا کہ ایک محاورہ ہے۔ لا تلد الحقیۃ الا حقیۃ (دراپ سے دراپ

ہی پیدا ہوتا ہے) کیا اس کا بھی کوئی قرآنی ماخذ ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا اس کے ماخذ کی جانب یہ آیت اشارہ کرتا ہے۔

ولا یلدوا الا فاجرا کفارا . (سُورۃ نوح ۷۷)

ترجمہ اور (آگے بھی) ان کے حصّ فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔

یعنی شتر عام ان کفار کی اطاعتیں بھی کافروں پر ہی ہوں گی۔ کیونکہ آپارہ و اجداد کے انکار و امتناع اور اثمت اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔

⑪ مضارب نے ایک اور سوال کیا کہ اس ضرب مثل کی اصل کیا ہے؟ للعیطان اذان دکہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں؛ شیخ حسن نے فرمایا یہ آیت اس کی اصل قرار پاسکتی ہے۔
 وضحکم سمعون طم۔ (پٹ التوبہ ۴۷)

ترجمہ اور تم میں وہ بھی ہیں جو اوروں کے لیے سنتے ہیں۔
 یعنی تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں۔ تم میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ تم ان پر اعتبار کر کے اپنے دو دانے کھول دیتے ہو حالانکہ وہ دشمن ہوتے ہیں اور وہ تمہارے راز دار بن کر باعث نقصان بنتے ہیں ان سے بچئے۔

⑫ مضارب نے اب ایک اور سوال کیا کہ اس مثل کی اصل کیا ہے؟ المجاہل من زوق والعالم معرّفہ و جاہل کربا اوقات بہت کچھ ملتا ہے اور عالم محروم رہ جاتا ہے۔ اس پر شیخ حسن بن مغضل نے فرمایا یہ مضمون اس آیت میں موجود ہے۔

من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمن مددا۔ (پٹ مریم ۵۵)

ترجمہ جو گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو اللہ اس کو اور ڈھیل دیتا ہے۔
 یعنی کافر پر دنیوی مال و متاع کی فراوانی اتمام حجت کے لیے ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی اختیار کردہ بے راہروی کی زیادہ سے زیادہ سزا ٹھکے۔

⑬ مضارب نے ایک اور سوال کیا اس مثل کی کوئی اصل قرآن کریم میں ملتی ہے کہ لعل لال ولا یکتیک الا قوما و الحوام لا یاتیک الا جزاؔ (حوالہ طریق پر ممتہیں بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام طریقہ پر بے دیکھ آتا ہے) نظام قدرت اس طرح نہ ہو تو یہ دنیا امتحان گاہ کیسے ٹھہرے۔

شیخ حسن نے جواباً فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ یہ ہے۔

اذناتہم حیثا ظہر يوم سبتہم شترعا و یوم لا یسبتون (اتیاتہم) (پٹ الاعراف ۴۲)

ترجمہ جب ان کے گلے ان کے پھیلیاں ہفتہ کے دن اوپر تک اور جس دن ہفتہ نہ ہوتا تو نہیں آتی تھیں۔

یعنی یہود و ہندوؤں کا ان ایلہ پر ہفتہ کے دن پھیلوں کا شکار حرام تھا تو اس دن پانی کے اوپر بے حد پھیلیاں آتی تھیں اور بعد کے دنوں میں شکار حلال تھا تو پھیلیاں بہت کم آتیں۔ انہوں نے ممنوعہ دنوں میں شکار شروع کر دیا تو بطریق حرام غوب پھیلیاں شکار کیں۔ اور ایام غیر ممنوعہ میں بغیر ضرورت ہی ملتی تھیں۔

⑭ دو کمزور راوی جس بات پر متفق ہوں اور دونوں اپنے اپنے طور پر ایک ہی بات کہیں تو یہ روایتیں ایک صحیح روایت کے درجہ میں آجائیں گی۔ عدالتوں میں بھی اجتماعی سمجھنے کا اعتبار کیا جاتا ہے اور فقہاء بھی ایک راوی کا ضعف دوسرے متبادل راوی سے پورا کر لیتے ہیں کیا اس کی قرآن میں کوئی اصل ہے؟

ہاں لین دین کے سلسلے میں دوسرے گواہ نہ مل سکیں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہوں میں لی جاسکتی ہیں۔ یہ طبیعت منعمین قرآن کریم میں اس طرح ہے :-

فَلَا يَمْلِكُ الْبَازِجِيُّونَ فَرْجُلَ وَامْرَأَتَانِ مَعْتَنَ تَوْصِيَتُهُنَّ مِنَ الشَّهَادَةِ اِنْ قَضَلْ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرُ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى۔ (پہا بقہ ۲۸۲)

ترجمہ: پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے جس کو تم پسند کرو گواہوں میں تاکہ اگر ایک ان میں سے کچھ بھول جائے تو اسے دوسری بار دلا دے۔

(نوٹ) معلوم ہوا کہ اگر دوسرے ضعیف بیان کرنے والے سے بھی وہ روایت ملے تو اس سے پہلے کا ضعف اٹھ جاتا ہے اور اس کی روایت لی جاسکتی ہے۔ سو وہ لوگ جو ضعیف روایت کو گواہی کی تائید اور روایتوں سے بھی ملے ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں وہ قرآن کریم کی بیرونی پالیسی۔

⑮ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی (دیوبند) نے ایک حجازی عالم کا واقعہ سنایا کہ ایک عیسائی ڈاکٹر نے ان سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں سبلی کی اس مخصوص لہر کی بھی نشاندہی موجود ہے کہ جس کے ذریعے دور حاضر کے ڈاکٹر مریض کے اندرونی حصوں کا پتہ لگا دیتے ہیں (یہ دور حاضر کے ایچ کے سسٹم کی طرف اشارہ ہے) اس عالم حجازی نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں سبلی کی اس لہر کی کیا کوئی خاص نوعیت ہے کہ جس کی بنا پر وہ اندرون بدن کے امراض کا اکتشاف کرتی ہے۔ ڈاکٹر نے جواب دیا

جی ہاں اس کی نوعیت مخصوص ہے اور اس کو ہم عام الفاظ میں مخصوص آگ کی ایک لپٹ کہہ سکتے ہیں جو عام بجلی میں خاص آلات کی مدد سے پیدا کر کے استعمال میں لائی جاتی ہے۔

عالم مجازی نے فرمایا کہ بجلی کی نوعیت مخصوصہ کی جانب تران کریم کی اس آیت میں رہنمائی موجود ہے۔

نَارَ اللَّهِ الْمَوْجُودَةَ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَشْجَارِ أَتَمَّاعِلَيْهِمْ مَوْجُودَةٌ فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ (نور الہدیٰ)

ترجمہ ایک آگ ہے اللہ کی سُنکائی ہوئی، وہ جہانک لیتی ہے دلوں کو، ان کو اس

آگ میں حوند دیا ہے لیے لیے ستروں میں۔

مجازی عالم کی زبان سے یہ قرآنی راہنمائی سن کر مسیحی ڈاکٹر نے غیر معمولی حیرانی کے ساتھ قرآن پاک کا اعتراف کیا۔ قرآن کریم کا موضوع گو ان عقائد کا انکشاف نہیں، یہ ایک کتاب ہدایت ہے لیکن خدا کا کلام خدا کا کلام ہے اس میں ضمنی طور پر بھی کئی ایسے گوشے کھلتے ہیں کہ طور بشر و سبب بات کہنے سے عاجز نظر آتا ہے ایک اور مثال لیجئے :-

(۱۶) دھوئیں کو عربی میں دُخان کہتے ہیں اور حقہ یا سگریٹ وغیرہ کی صورتوں میں تنباکو نوشی یا دھواں اڑانے کے لیے تہ ضیق کا لفظ اہل عرب بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا عمومی رواج دسویں صدی ہجری کے اخیر سے متا ہے پہلے یہ دھواں دار صورتیں کہیں نہ تھیں نہ مگرین تھے نہ چرٹ۔ چار سو سال پہلے ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

کسی عالم سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم نے کیا دھواں اڑانے کے اس عالمگیر انسانی مرض کی جانب بھی کہیں کوئی اشارہ فرمایا ہے؟ اس عالم نے جواب دیا کہ تفکر و تدبیر کرنے والوں کو قرآن کریم مایوس نہیں کرتا۔ اور اس کے بعد انہوں نے قرآنی آیت کے یہ تین کلمات تلاوت کیے۔ یَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ اس کا آگے جوڑ ہے کھٹے دھوئیں سے، اس میں اشارہ ہے اس پوری آیت کی جانب کہ :-

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ۔ (شع الدخان ۱۰)

ترجمہ جس دن آسمان پھیلے دھوئیں سے بھر جائے گا۔

ایک عالم نے اس سوال و جواب کو ایک عربی فلسفہ کی صورت میں پیش کرتے ہوئے اس تاریخی نکتہ کو کھولا ہے۔

يَا خَلِيلِي عَنْ الدُّخَانِ اجِيبِي هَلْ لَهٗ فِي كِتَابِنَا اِيْمَاءٌ

قلت ما فرط الكتاب بشوء ثم أرخت يوم تأت السماء

ترجمہ اے میرے دوست مجھے بتاؤ کہ کیا ہماری کتاب قرآن کریم میں دُحوال اِثرا نے کے
 انسانی مرض کی جانب بھی کوئی اشارہ ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس کتاب مقدس نے چھوڑا
 کسی بات کو نہیں اور پھر میں نے قرآنی الفاظ جو ربّی السماء سے اسکی تاریخ نکالی
 جو ربّی السماء کے عدد اذرو نے الجبر کل ایک ہزار ہوتے ہیں اور آیت میں ۲ کے لفظ
 دخان مراد موجود ہے۔ یعنی یوم ثلث السماء پہ خانِ مبین (پہلا دخان ۱۰) جس سے بطور لطیفہ علمی
 یہ اشارہ نکل سکتا ہے کہ دسویں صدی ہجری سے علی الاعلان دُحوال اِثرا نا لوگوں میں عام ہو جائے گا
 اور تاریخ سے اس اشارہ کو مزید تقویت حاصل ہو گئی کہ دُحوال اِثرا نے کے رواج کی عمومی ترقی دسویں
 صدی ہی سے ملتی ہے یہ بات جو ربّی السماء کے بدخان مبین سے جوڑ کی وجہ سے معلوم ہوئی
 ورد آیت کا موضوع تو یہ نہ تھا۔

اسی طرح قرآن کریم میں ایک جگہ چاند کی قسم کھائی جب وہ بھر جائے (چودہویں رات اپنے
 کمال کو پہنچ جائے) پھر اس کے ساتھ ہی فرمایا۔

لَتَوَكِّبَنَ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ فَمَا لَهُ لَا يَوْمُنُونَ۔ (نہا الانشقاق ۲۰)

ترجمہ البتہ تم ضرور چڑھو گے طبقہ بہ طبقہ۔ پھر ان کو کیا ہے کہ وہ یقین نہیں لاتے۔
 مترجمین طبقہ بہ طبقہ کا ترجمہ سیرھی بہ سیرھی کرتے ہیں لیکن طبقہ کا حقیقی معنی تو اور طبقہ کے ہیں
 طبقات الارض طبقات الجو طبقات السماء طبقات الامم طبقہ صحابہ و تابعین یہ الفاظ آپ نے عام
 نہ کیے ہوں گے۔ انسان جب چاند میں پہنچا تو کتنے طبقوں کو عبور کر کے کیا یہ ہمارا موضوع نہیں لیکن
 یہ ضرور ہے کہ انسان طبقہ بہ طبقہ چاند پر پہنچا۔ وہ بھرے چاند میں پہنچا یہاں (زمین پر) تو چاند صرف
 ایک رات ہی پورا دکھائی دیتا ہے جسے لیلۃ الابد کہتے ہیں لیکن جو لوگ چاند میں پہنچے وہاں پورا
 چاند تھا۔ پورے چاند کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ تم آئندہ طبقہ طبقہ اور چھو گے۔

فَلَا أَقِمُّ بِالْشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقِ وَالْفَجْرِ إِذَا انْتَقَلَ تَوَكِّبَنَ طَبَقًا
 عَنْ طَبَقٍ۔ (نہا الانشقاق ۲۰)

ترجمہ ہر قسم ہے شام کی سُرخئی کی اور رات کی اور جو کچھ اس نے پشنا اور چاند کی جب
 وہ بھرے تم کو چڑھنا ہے طبقہ بہ طبقہ۔ سو کیا ہو گیا ان کو کہ پھر بھی یقین نہیں لاتے

سو جس طرح یوم الناحیہ المسعاد کا عبد خانِ جبین سے ایک جواز سمجھ میں آگیا اور اس عالم نے دھواں پھیلنے کی تاریخ نکال لی۔ سائنسدانوں نے چاند کے ساتھ طبقہ بہ طبقہ چڑھنے کا اشارہ پا کر خلا میں محنتیں شروع کر دیں اور وہ چاند تک پہنچ گئے اور وہاں جا اترے اب ان کے سامنے پورا بھرا چاند تھا کہ وہ اس کے کسی کنارہ پر تھے۔

اس آیت میں دنیا کی زندگی کی ایک تمثیل ہے۔ دنیا کے بعد برزخ کے طبقہ میں جانا ہے۔ برزخ کے بعد عالمِ آخرت میں جانا، جس میں جنت اور جہنم پیسے سے قائم ہیں۔ آفتابِ غروب پر روشنی کی ایک نہ ختم شفق غروب ہونے پر دوسری بھی ختم اس دوران بھر چاند ہے جس کی روشنی ہے ان مسائل کی قسم کھا کر فرمایا کہ تم طبقہ بہ طبقہ اوپر چڑھو گے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم واحکم۔

تلاوت قرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

تلاوت اس پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں کوئی چیز پہلے پڑھے کے مطابق پڑھی جائے۔ چاند جب سورج کے پیچھے چلتا ہے تو اس کی پیروی میں چلتا ہے۔ یہ سچے آسمان کی تلاوت ہے۔
والشّمس وضّحها والقمر اذا ظلمها۔ (نیل الشّمس)
ترجمہ سورج کی تہم اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس کے پیچھے چلتا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے

قرآن کریم بے شک خود ایک کتاب ہدایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ایک راہ ملتی ہے یہ ایک دعوت عمل ہے اور اس سے انسان عمل کی ایک پٹری پر آتا ہے مگر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم پڑھنا خود بھی ایک عمل ہے اور اس پر جزا مرتب ہوتی ہے۔ قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام ہوتا تو امت کا یہ کثیر طبقہ جسے ہم سات تاریوں کے ذیل میں پیش کر آئے ہیں۔ قرآن کریم کے پڑھنے، اس کے حرف و ف کے مخارج بتلانے اور اسے کھول کھول کر پڑھنے پر اس قدر عنایت و ذکر تا پیغام عمل صرف آنکھوں سے پڑھ لیا جائے اور زبان پر نہ بھی آئے نہ لایا جائے تو اپنا مقصد پورا کر دیتا ہے یہ پڑھنے کا بہتمام آخر کس لیے ہے؟ اس لیے تاکہ یہ خود ایک عمل ہے جہاں پڑھا جائے دنیا میں اس کی برکت آتی ہے اور آخرت میں اس کی جزا ملتی ہے۔ ہنخرفت جب اسے پڑھتے تو اس کی مدد و خدا کا پورا لحاظ رکھتے اور اسے نہایت حمد و گ سے حرف و کھول کھول کر پڑھتے۔ اب ظاہر ہے کہ آپ نے بھی اسے ایک عمل سمجھا تھا آج کون ہے جو اسے ایک عمل نہ سمجھے اور اسے محض ایک پیغام عمل کہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دقل القرآن ترسیلاً کہہ کر اسے ایک عمل قرار دیا ہے اور اس پر آخرت میں جزا مقرر کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا آخرت میں ترسیل

پر جزا مرتب ہوگی۔

یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل كما كنت ترتل في الدنيا فان منزلک عند اخراية تقرؤھا۔ ۱۷

ترجمہ: قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور پڑھتا جا اور ترتیل سے پڑھتے ہیں
 طرح کو دنیا میں پڑھتا تھا تیری منزل میں ہوگی جہاں تو آخری آیت پڑھ رہے گا۔

یہ جس شخص کی زبان پر نہ چلے اور اسے مشقت سے اسے زبان پر لانا پڑے تو اللہ رب العالمین
 نے اس سے دُگنے اجر کا وعدہ کیا ہے اور ماہر بالقرآن تو سفرۃ الکرام بردۃ (فرشتوں) کے
 ساتھ جگہ پائے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة واللہم یقرأ القرآن ویتعتع
 فیہ وہو علیہ شاقی لہ اجران۔ ۱۸

ترجمہ: قرآن کا ماہر ان نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو قرآن کے بغیر رہے اور
 وہ شخص جو رک رک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنا گراں ہے تو اسے دو اجر
 ملیں گے۔

مشقت سے بھی زبان سے ادائیگی ہو گئی تو ایک سادہ ہے اور اس پر زور اسی لیے
 دیا جا رہا ہے کہ اس کا پڑھنا خود ایک عمل تھا یہ صرف ایک پیغام نہیں اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف
 میں برکت ہے۔

اسے پڑھنا اور پڑھانا بھی ایک عمل ہے اور اس کی تلاوت کرنا یہ ایک اور مستقل عمل ہے
 حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا:-

افلا یندوا حدکم الی المسجد فیلزموا قراءاتین من کتاب اللہ خیر لہ من
 ناقتین وثلاث خیر لہ من ثلاث۔ ۱۹

ترجمہ: تم میں سے کوئی مسجد کی طرف کیوں نہیں جاتا کہ دو آیتیں پان لے

۱۷ رواہ احمد والبرداء ودر الترمذی ۱۸ رواہ ابوالحمزہ ودر مسلم ۱۹ رواہ مسلم عن عقبہ بن عامرؓ

یا پڑھ لے یہ اس کے لیے دو اوتھنیوں سے بڑی دولت ہے اور تین پڑھے تو تین سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
 من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ حسنة والحسنة بعشرا مثلاً۔ لا قول
 الع حرف الف حرف و لام حرف و میم حرف ۔

ترجمہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے بھی ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور ایک نیکی اپنے سے دس گنا تک جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ الف ایک حرف ہے الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

معانی الفاظ کے ہوتے ہیں حروف کے نہیں حروف مرفعات ہوں یا منقعات ان میں سے ایک ایک حرف پر اجر موعود ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا پڑھنا قطع نظر اس سے کہ اس کے معانی کیا ہیں (بھی عبادت ہو)۔ اسی لیے اس کے ایک ایک حرف پر اجر کا وعدہ دیا گیا۔
 قرآن کریم کو دیکھ کر پڑھنا اس کا درجہ بانی پڑھنے سے زیادہ رکھا گیا یہ کیوں؟۔ یس لیے کہ اس کے لفظوں اور حروف کو دیکھنا بھی ایک عبادت تھا حضرت ام المؤمنینؓ کہتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

قراءة الرجل القرآن في غير المصحف الف درجة وقرأته في المصحف
 تضعف على ذلك الى الفی درجة ۔

ترجمہ آدمی کا بغیر مصحف کے قرآن پڑھنا ہزار درجے رکھتا ہے اور دیکھ کر پڑھنا اس سے کئی درجے آگے ہے اور یہ دو ہزار تک بڑھتا جاتا ہے۔

قرآن کریم خوش آوازی سے پڑھا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ توجہ ڈالتے ہیں اور نبی حب خوش آوازی سے پڑھے تو اس پر اللہ رب العزت کی ایسی توجہ ہوتی ہے کہ ایسی رحمت کی توجہ اور کسی کام پر نہیں دیکھی گئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا :-

لہ رواہ الترمذی ۔ لہ رواہ البیہقی

ما اذن الله لشيء مما اذن لنبی يتغنى بالقران .

ترجمہ خدا نے کسی عمل پر اتنا نہیں دیا جتنا نبی کو خوش آوازی سے قرآن پڑھنے

دیا ہے۔

قرآن کریم اگر صرف ایک پیغام عمل ہوتا تو اس کا تعلق صرف دنیا سے ہوتا اس کی تلاوت صرف یہاں اثر کرتی ۲ خیرت میں ذخیرہ اجر نہ بنتی، حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عليك بتلاوة القرآن فانه نور لك في الارض و في السموات .

ترجمہ تجھ پر تلاوت قرآن لازم ہے وہ زمین میں تیرے لیے نور ہے اور آسمان میں تیرے لیے ذخیرہ عمل ہے۔

قرآن پڑھو — اسے تلاوت کرو — اور یہ اس لیے بھی کہ تم اس پر عمل کرو — پہلا درجہ اس کے علم کا ہے اور دوسرا درجہ اس کی تلاوت کا اور تیسرا درجہ اس کے اعمال کا — حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعلوا القرآن فاقراءوه فان مثل القرآن لمن تعلمه فقراً وقام به كمثلاً

جواب معشوق مسکا تنوح رحيله كل مكان ومثل من تعلم فرق قد دهر في جوفه كمثلاً جواب اوكى على سلك .

ترجمہ قرآن سیکھو اور اسے پڑھو اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پڑھا اور اسے اپنے عمل میں رکھا ایسے ہی ہے جیسے کستوری کی بھری بوری ہو اس کی خوشبو ہر جگہ پھیل رہی ہو اور اس کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور پڑھا اور وہ اسے یاد ہے ایسی ہے جیسے کستوری کی بوری ہو جس کا منہ سختی سے اوپر سے بند کیا گیا ہو۔

قرآن پڑھنے سے برکات کا نزول

① قرآن کریم کی تلاوت سے زمین پر نور پھیلتا ہے۔ حدیث علیک بتلاوة القرآن غانہ

سہ رواہ البخاری سہ رواہ ابن حبان فی صحیحہ سہ رواہ الترمذی والنسائی

خوذلك في الاذن آپ پڑھ آئے ہیں۔

② تلاوت سے رزق میں برکت آتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ سورة الواقعة في كل ليلة لم تصبه فاقة ابداً ۔
ترجمہ: جو شخص ہر شب سورۃ واقعہ پڑھے اسے کمی یا فاقہ کی نوبت نہ آئے گی۔

③ ذکر انزلت سے غفلت دور ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

من قرأ عشر آيات في ليلة لم يكتب من الغافلين ۔
ترجمہ: جو شخص ایک رات میں کس آیت پڑھے وہ غافلوں میں نہ لکھا جائے گا۔

④ منغرت ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
ان سورة في القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهي تبارك
الذي بيده الملك ۔

ترجمہ: بے شک قرآن میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے وہ آدمی کی سفارش کرے گی یہاں تک کہ وہ بخش دیا جائے وہ سورۃ ملک ہے (پہلی سورۃ) دن کے سارے کام چلتے ہیں۔ حضرت عطاء بن ابی رباحؓ کی بلاغات میں ہے (یعنی یہ بات انہیں پہنچی ہے) کہ آنحضرت نے فرمایا :-

من قرأ يس في صدار النهار قضيت حوائجه ۔
ترجمہ: جو صدر نہاں سورۃ یسین پڑھے اس کی سب حاجات پوری ہوں گی۔
⑤ بیماروں کو شفا ملتی ہے۔

۱۔ رواہ البیہقی ۲۔ رواہ الحاكم فی المستدرک ۳۔ رواہ احمد و ابو داؤد و الترمذی
۴۔ رواہ الدارمی

فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء۔

ترجمہ: قرآن کریم کا پیش نظر (الحمد شریف) ہر بیماری سے شفا ہے۔

⑥ جب قرآن کریم کی تلاوت خود ایک عمل ہے اور ایک نیکی ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا ایصال دوسروں کو بھی کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب مرحومین کو اسی طرح پہنچتا ہے جیسے صدقہ کر کے اس کا ثواب کسی مرحوم کو پہنچایا جائے یا اسس کے لیے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ دے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام نے تلاوت قرآن، تبیع و تحکیر سبحان اللہ پڑھنے اور اللہ اکبر پڑھنے اور صدقہ کرنے کو ایک ترتیب میں ذکر فرمایا ہے اور ان میں سب سے افضل تلاوت قرآن کو ٹھہرایا ہے۔ ان میں اگر صدقے کا ثواب اموات کو دیا جاسکتا ہے تو تلاوت قرآن کریم کی نیکی انہیں کچھ ایصال نہیں کی جاسکتی۔ آپؐ نے فرمایا:۔

تلاوة القرآن في الصلوة افضل من قراءة القرآن في غير الصلوة

افضل من التبسم والتكبير والتسبيح افضل من الصدقة والصدقة افضل من الصوم الصوم نجاة من النار

ترجمہ: قرآن کو نماز کے بعد پڑھنا قرآن کو نماز کے باہر پڑھنے سے افضل ہے اور قرآن کو نماز

سے باہر پڑھنا تبیع و تحکیر پڑھنے سے افضل ہے اور تبیع افضل ہے صدقہ کرنے سے

اور صدقہ افضل ہے روزے سے اور روزہ جہنم کے سامنے ایک ڈھال ہے۔

تو تلاوت قرآن کی ساتویں برکت جہنم سے غلطی ہے یہ خود کرنے سے ملے یا کسی کے ایصال

ثواب سے جہنم سے آزادی اس پر مر جب ہوگی (بفضلہ و عیم کریم)

قرآن کریم کو گانے کے طرز پر نہ پڑھا جائے

اس زمانے میں بعض خوش الحان و جوان بوقاری نہیں ہوتے مگر اپنی خوش آوازی سے لوگوں میں قاری سمجھے جاتے ہیں قرآن کریم کو گانے کے طرز پر پڑھنے لگے ہیں یہ جائز نہیں۔ گانا خود بھی حرام ہے اور قرآن کریم کو اس کے پیرائے میں لانا یہ اس سے بھی بُرہ کہ ایک جرم ہے اور کلام الہی کی سخت بے ادبی ہے شیخ الاسلام ابو طاهر احمد بن محمد اصفہانی (۵۵۶ھ) قاریوں کو نغمہ اور گانے

لہ رواہ الدارمی عن عبد الملک بن عمیر مرسلاً لہ رواہ العیاضی عن ام المومنینؓ

کی کسی خوش الحانی کے ساتھ قرأت کرنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس طرح قرأت کرنا بدعت ہے۔ ترتیل کے ساتھ قرأت کرو اور اس میں بھی سادگی اور بے تکلی چاہیے۔

اس فن سے اشتغال ایسا نہ ہونا چاہیے کہ یہ فن ایک موسیقی Music بن کر رہ جائے اور قاری لوگ اسے کھیل بنالیں جو زیادہ کھیلے زیادہ جیتے۔ ایسے قاریوں کے یہ ڈرامے ان کے لیے آخرت میں ایک بارہوں گے۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

اقروا القرآن بلحون العرب واصوا تھا دایاکم ولحون اهل العشق و

اهل الکتاب

ترجمہ: قرآن کو عرب کے لہجوں اور ان کی آوازوں میں پڑھو۔ اہل عشق کے لہجوں سے اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو۔

قراء کے مقابلے کا لفظ بھی ذہن میں ساتھ رکھیے

الفاظ اپنے اضداد سے پہچانے جاتے ہیں مفیدی اور سیاہی ایک دوسرے کے مقابلے میں اگر اپنی جو وضاحت کہتے ہیں وہ ان اکیلے الفاظ سے نہیں ہوتی۔ حدیث میں قراء کا لفظ فقہاء کے بالمقابل آیا ہے اس سے قراء کا تعارف اس طرح سے ہوتا ہے کہ یہ لوگ قرآن کے صرف الفاظ اور ان کی ہیئت پر غمت کرتے ہیں۔ قرآن کے خالق و معانی کی طرف ان کا دھیان نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں قرآن سمجھنے کا شوق فقہاء کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے جس طرح قرآن کے بارے میں قراء اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں حدیث کے پیش نظر بھی محدثین اور فقہاء مقابلے کے الفاظ ہیں محدثین کی جو محنت الفاظ حدیث اور ان کی کمی اور بیٹی پر ہوتی ہے وہ ان کے مطالب اور گہرائیوں پر نہیں ہوتی۔ الایہ کہ محدثین فقہی تعلیم بھی حاصل کریں فقہاء ہی دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اور قاری صاحبان لوگوں پر الفاظ قرآن کی شرکت کے غیجے لگاتے ہیں اور بے اوقات سر کو پکڑ کر قرأت کرتے ہیں۔

شیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

لے دیکھئے تذکرۃ الکفایہ جلد ۱ ص ۱۷۷ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

اذا كثرت فرائدكم وقلت فقهاؤكم وكثرت امراءكم وقلت ائمتناكم

والقسمت الدنيا بعمل الاخرة..... الحديث بله

ترجمہ جب تمہارے دل قلدی زیادہ بننے لگیں اور فقہ جاننے والے کم ہوتے جائیں
اور امراء کی کثرت ہو اور امین لوگ کم ہوں اور دنیا آخرت والے اعمال سے
کمائی جائے تو..... الحديث (تم قیامت کا انتظار کرو کہ اب آخری بگڑی قریب
آگئی ہے)

حدیث میں بے عمل قلدیوں کے بارے میں پیش گوئی ان واضح الفاظ میں بھی موجود ہے۔

ترجمہ کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ایسے درست حروف سے
پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے
نہ اترے گا۔

اس اہمیت میں خدا سے نذر لے والے ایسے قلدی بھی گزرے ہیں کہ روایت حدیث میں
کذب بیانی کہتے بھی انہیں کوئی ڈر محسوس نہ ہوتا تھا۔ محمد بن حسن نقاش بغدادی (۲۵۱ھ) کس
پائے کے قلدی تھے مگر حافظ ذہبی تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ روایت حدیث میں کذب بیانی کر
جاتے تھے۔

حُسنِ صوت اور گانے کا فرق

گانے کے پیرائے میں قرآن نہ پڑھنے کے حکم سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن پڑھنے میں آواز
کو خوب ضرورت بنانا بھی ناجائز ہو ایسا ہرگز نہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد شرف علی تھانویؒ
فرماتے ہیں:-

زیقوا القرآن باصواتکم و نحوہ حدیث قولی (قرآن شریف کو اپنی آوازوں سے

لے سلن دارمی جلد ۱ ص ۱۵۱ تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۱۵۱) تذکرہ حفاظ جلد ۱

مترین کرد) اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے اس عرض کرنے پر لو علمت انک
لستمع لقراءتی لحبثہ تجبوا اذ غنوه حدیث تقریری (اگر میں جانتا کہ
آپ میری قرأت کو سن رہے ہیں تو میں اپنی قرأت کو اور سنا دیتا) اس تحقین
صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت پر نص صریح ہیں اور یہی وہ نفی جس کا
اگرچہ مدثر میں مروی ہے۔

اس میں اور گائے میں فرق ظاہر ہے یعنی گائے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے
قواعد تابع ہیں اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد جابیں تو پروا نہیں کی جاتی اور
تحقین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو ملحوظ رکھ
کر خوش آواز ہی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پروا نہیں
کی جاتی ہے۔

اور بلا قصد اگر کسی شخص کی قرأت کا کوئی جز کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے
تساہب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تب بھی وہ گائے میں داخل
نہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً
اذان شعر پر منطبق ہیں جیسے۔

ثم اقرعہوا فتشهدون — ثم اذبحوا لہولاء تقتلون (پ البقرہ ۸۲)
فاملاتن فاملاتن فاملاتن پر منطبق ہے مگر باوجود الطباق ہرگز اس کے پڑھنے
والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو اسے شعر پڑھنے والا اور قرآن میں دیکار لے
سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا کہا جائے گا بس یہی حالت لہجہ کی بقصد
تطبیق سے ہے۔

اس کو تاہی کی وجہ نہیں ہیں۔ ۱۔ تقریط اور ۲۔ افراط دونوں سے بچنا یہ وہ
ہے جس کو سخن العرب و اعرابہا فرمایا گیا ہے ۳۔



اعجاز القرآن

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى املجد :

اعجاز القرآن سے مراد قرآن پاک کی معجزانہ شان ہے مفردات الفاظ، ترکیب کلمات، اسلوب، غرض مقاصد، جامعیت مضامین، ربط آیات، حقائق، انتہائے بلاغت، اخبار بالمغیبات، اثرات اور عظیم النظیر تحفظ وغیرہ جملہ وجوہ اعجاز سے فضلائے زمانہ، دانشوران عالم، عرب کے تمام نصحاء بلغاء اور جملہ خطاطی و عدنائی ادیب و خطیب اس کی نظیر پیش کر لے سکتے ہیں اور رہیں گے کیونکہ یہ کام خالق ہے اس کا مقابلہ کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہے۔

پیشتر اس کے کہ ان وجوہ اعجاز کی تفصیل کی جائے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ معجزہ کیا ہے اور اعجاز کسے کہتے ہیں۔

معجزہ کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عام عادت دو الگ الگ حقیقتیں ہیں یہ کائنات جن اسباب پر قائم ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی عاصبت عامہ کے تحت ظہور میں آتے ہیں عادت عامہ کے خلاف کسی فعل کا اظہار رب العزت کی قدرت سے خارج نہیں اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کے ماتحت ہے قدرت اسباب کے ماتحت نہیں اس ہمہ گیر قدرت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ایسے فعل بھی صادر فرماتے ہیں جو عام اسباب کے خلاف ہوں یہی خرق عادت ہے جس میں عام عادت ٹوٹتی ہے، مثلاً آگ کی عادت ہے کہ وہ جلانے لگے لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ اسے ٹھنڈا بنادیں گے کہ آگ تو ہو مگر اس کی حرارت سبب ہر جگہ تو یہ رب العزت کی ہمہ گیر قدرت کا اظہار ہو گا یہ امر قانون

طہ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الارض ینھن لتعلموا ان اللہ

علیٰ کل شیء قدير وان اللہ قد احاط بکل شیء علما (پہلا الطلاق ۱۲)

نہ میرا کہ نابزود عداقت ابراہیم کے لیے عادت عامہ کے خلاف ٹھنڈی کر دی گئی تھی۔

اسباب کے تو خلاف ہو گا لیکن قانون قدرت کے خلاف نہ ہو گا اسی اظہار قدرت کو معجزہ اور کرامت کہتے ہیں معجزے کا رخ عموماً کمال کی طرف ہوتا ہے اور انہیں عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے کہ امت میں ولی کی عزت اور حکیم ہوتی ہے ولی کی طرف سے تقویٰ اور دعویٰ نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے عام عادت اسباب کے خلاف بار بار اس طرح اظہار قدرت کیا ہے عام عادت کو کبھی کبھی توڑتے رہنا خود ایک قانون قدرت ہے اللہ تعالیٰ کے اس اظہار قدرت کو اس کی علامتِ خاصہ بھی کہہ دیتے ہیں جسے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے کبھی کبھی ظاہر فرماتے رہتے ہیں یہ عادت عامہ اور عادت خاصہ دونوں حضرت خداوندی اور سنت الہیہ ہیں دونوں میں فرق نہ کر سکنے کی وجہ سے بعض لوگوں کو معجزہ کی حقیقت سمجھ میں نہ آ سکی اور وہ معجزات کو فطرت اللہ اور قانون قدرت کے خلاف سمجھنے لگ گئے یہاں تک کہ معجزات کا انکار کر دیا یا ان کے معنی بدل دیے کیونکہ رب العزت کی عادت خاصہ ان کی سمجھ سے بالاتر اور وہ اپنی سمجھ کو پھولنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یاد رکھیے کہ قانون قدرت کی صحیح تفہیم اور تنظیم اسی وقت ہوتی ہے جب خدا کی ہمہ گیر قدرت اسباب کے سہارا دل سے بے نیاز ہو کر ظہور کرے پس معجزہ عادت عامہ کے خلاف قدر خداوندی کا ایک ایسا اظہار ہے جو اپنے وقت کی تمام مخلوق کو عاجز کر دیتا ہے۔

کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے امور

دنیا میں ہم اپنے گرد و پیش جن جن امور کو دیکھتے ہیں یا ہوا سنتے اور پڑھتے ہیں وہ تین دائروں سے خارج نہیں۔ ۱۔ وقائع عادیہ ۲۔ صنائع عجیبہ ۳۔ قدرت الہیہ

① وقائع عادیہ

وہ امور ہیں جو عادی اور مادی اسباب سے وجود میں آتے ہیں ان اسباب اور ان سے

سلہ و لن محمد لستہ اللہ تبدیلا کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ نہیں بدلتی اور خرق عادت امور ظاہر نہیں ہو سکتے۔ سنت الہیہ اللہ تعالیٰ کی عادت عامہ اور عادت خاصہ دونوں کو شامل ہے جو چیز نہیں بدل سکتی وہ سنت الہیہ ہے نہ کہ فقط عادت عامہ۔

حاصل ہونے والے نتائج کو سب مادی و فاعل جانتے ہیں جب سے انسان دُنیا میں آیا اس وقت سے یہ نتائج عادیہ ساتھ ساتھ ہیں۔

② صنائعِ عادیہ

وہ امور ہیں جن میں مادی اسباب اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج میں تعلق بہت لطیف اور مخفی تھا انسان تجربات میں آگے بڑھتا گیا اور اس نے اس لطیف اور مخفی ربط کا پتہ چلا لیا۔ عام لوگوں نے ان پیدا شدہ نتائج کو تو دیکھا لیکن اس لطیف اور مخفی تعلق کو ان خاص ماہرین فن کے سوا اور لوگ نہ جان سکے۔ عوام ہوائی جہازوں کو اڑتا تو دیکھتے ہیں لیکن انسان نے اتنے بڑے وزن کے ساتھ کس طرح ہوا پر قابو پایا۔ یہ بات اس لائن کے ماہرین کے سوا اور لوگ نہیں جانتے پھر چونکہ نتائج سامنے ہیں اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتے۔

وتألف عادیہ اور صنائع عجیبہ دونوں کے پیچھے مادی اسباب ہیں لیکن دُنیا میں کچھ ایسے کام بھی وقوع میں آتے ہیں جن کے پیچھے مطلقاً مادی اسباب نہ ہوں بلکہ ان کا ظہور صرف اللہ رب العزت کی مشیت اور اس کے براہِ راست حکم سے ہو یہ اس کی شانِ تکوینی کا ایک جلوہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخفی قدرت کا ایک ظہور ہے۔

③ قدرتِ الہیہ

انسانی پیدائش عادتِ ماں باپ سے ہوتی ہے۔ دُنیا کی پہلی عورت حضرت حولہ ایک مرد کے پہلو سے وجود پایا یہ اسباب کے تحت نہیں۔ قدرتِ الہیہ کے تحت ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تلے آگ نے اپنی گرمی چھوڑ دی آگ تو بھٹی مگر اس میں حرارت نہ بھٹی یہ کوئی سائنس کی ترقی سے نہیں ہوا۔ قدرتِ الہیہ سے اس خاص جزئی میں عام عادتِ الہیہ ٹوٹی۔ عادتِ ٹوٹنے کو خرقِ عادت کہتے ہیں۔

پانی اپنی سطح پر ہوا رکھتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے دونوں طرف پانی کی دیواریں بھٹیں دیا دو ٹکڑے ہو چکا تھا اور درمیان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام گزرا ہوا تھا۔

مادی علاج سے تو اندھے بننا ہو جاتے ہیں لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے کسی اندھے کی بینائی ٹوٹ آئی یہ عام قوانین عادیہ کے خلاف ہے۔ زمین سے پانی نکلتا اور بادلوں کا پانی برسنا یہ تو دُنیا نے دیکھا اور ان کے پس وقوع مادی اسباب بھی دیکھے لیکن حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی انگلیوں سے پانی کا حتمہ جاری ہونا یہ حیرت انگیز عمل دُنیا نے کبھی یاد نہیں نہ دیکھا تھا یہ سب قدرت الہیہ کے ظہور ت ہیں اور یہ معجزات ہیں۔ انسان کوئی ایسا عمل بغیر اسباب وجود میں نہیں لاسکتا معجزہ خدا کا فعل ہے انسان کا نہیں۔ دُنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ان امور کو اعمادیات کہتے ہیں۔ عجائبات سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اعمادیات وہ جن پر زمانہ چل رہا ہے عجائبات جو سامعین کے حیرت میں ڈالنے والے اکتشافات ہیں اور جہاں عادت زمانہ اور سامعین کی پر ملا دونوں عاجز آجائیں وہ معجزات ہیں۔

تخت سلیمان کے اُڑنے اور ہوائی جہاز کے اُڑنے میں فرق

ہوائی جہاز اور طیارے ایک مشینی نظام سے اُڑتے ہیں جو شخص ایسا نظام ترتیب دے لے وہ اپنا ہوائی جہاز اُڑا سکتا ہے وہ اس کام کی نقل سے عاجز نہیں لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت انسان کے مشینی نظام سے نہیں اللہ رب العزت کے مشینی نظام سے اُڑتا تھا مشین اور مشیت میں فرق کیجئے مشین انسان کا ہوتا ہے جوتی ہے اور مشیت اللہ کے ہاتھ ہیں۔ اس کے تحت معجزات ظہور میں آتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے نبی کا نہیں اور نہ نبی کے اپنے اختیار کو اس میں کچھ دخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں اسے ظاہر فرماتے ہیں ہاں جو معجزہ نبی کو اس کی نبوت کے نشان کے طور پر ملتا ہے اس کا اظہار نبی جب کرنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے قوت میں لے آتے ہیں معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے بخلاف استدراج کے کہ وہ بندے کا اپنا فعل ہوتا ہے۔

استدراج اور معجزے میں دوسرا فرق یہ ہے کہ استدراج انسان کے اپنے کب اور محنت سے مشق اور تدریج کے ساتھ حاصل ہوتا ہے لیکن معجزے میں پیغمبر کے اپنے نظر و اکتساب

کو کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ اس کی پہچے کوئی مشق کی جاتی ہے یہ محض الشرب الغزت کی ایک علاج ہے۔

جادو اور معجزے میں دو بڑا فرق یہ ہے کہ جادو میں صرف صورت بدلتی ہے معجزے میں حقیقت بدلتی ہے۔ خرمون کے جادوگر کی رسیاں صرف صورت سادہ بنی تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کا عصا حقیقتہً اُردو بنانا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ تمام رسیوں کو کھا گیا تھا کیونکہ کھانا اسی جادو کا کام ہے جو حقیقتہً جادو ہو جس کی صرف صورت بدلی ہو اس پر احکام صورت کے نہیں حقیقت کے نافذ ہوتے ہیں فرشتے انسانی شکل میں آنے کے باوجود کھانے پینے سے بے نیاز رہتے ہیں ان کا تجدد و تامل معجزے کے طور پر نہیں ہوتا۔

خدائی کام اور خدائی کلام

جس طرح خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں فرق ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کام میں بھی فرق ہے۔ انسان راکٹوں میں اُٹے خلاؤں میں تیرنے سیاروں میں اُترنے سمندر میں کے نیچے سے گزرنے اور لاکھ کی پیغامات کی حیرت انگیز ایجادات کے باوجود جو کا ایک دانہ اور چمچ کا ایک پُر بنانے سے بھی عاجز ہے۔ سائنس کی تمام تحقیقات قدرت کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کا ایک سراغ ہے۔ انسان کی اپنی تخلیق نہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا انسان کے بس میں نہیں سائنسدان قدرت کے پیدا کیے ہوئے خزانوں کا ہی پتہ کرتے ہیں انہوں نے اس دور میں دریافت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایٹم atom میں کیا طاقتیں رکھی تھیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے بھی مادے میں بے شک یہ طاقتیں موجود تھیں صرف ان کی دریافت نہ تھی اس ایٹمی دور کا انتہائے کمال صرف ان کی discoveries اور اکتشافات ہیں اور توحید و ایجادات inventions ہیں وہ بھی ان اکتشافات پر ہی مبنی ہیں مستقل تخلیقات نہیں ان اکتشافات کے انتہائے کمال اور ایجادات کی انتہائے پرواز کے باوجود کوئی ایک دانہ اور چمچ کا ایک پُر پیدا نہیں کر سکتا یہاں پہنچ کر خدائی کام اور بندوں کے کاموں میں ایک نمایاں فرق سامنے آجاتا ہے اسی طرح خدائی کلام اور بندوں کے کلام میں نمایاں فرق ہے عرب کے فصحاء و بلغاء اور شعراء و خطباء سب اپنی

تلاور لکھائی اور طلاقت الہامی کے باوجود قرآن کی ایک سورت کی مثال پیش نہ کر سکے۔

فاقوا بسورۃ من مثله۔ (پل البقرہ)

ترجمہ تم بھی ایک سورت بنلاؤ (اگر تم اسے اپنا بنایا ہو اکلام سمجھتے ہو)

قرآن کی دس سورتیں مکمل ہونے کے بعد گیارہویں سورت میں پھر چیلنج دہرایا گیا۔

قل فاقوا بعشر سورۃ مثله مفتريات۔ (پل ہود ۱۳)

ترجمہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر یہ اپنی طرف سے گھڑا ہوا اکلام ہے تو تم بھی ایسی دس سورتیں اسی طرز بیان میں گھڑ لاؤ۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ قرآن پاک کا یہ عالمگیر چیلنج آج تک لاجواب چلا آ رہا ہے اور پھر یہ چیلنج ہی نہیں اس کا جواب نہ آنے کی پیشگوئی بھی کر دی گئی۔

قل لئن اجتمعت الجن والناس علی ان یاقوا مثل هذا القرآن لایاقون

بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظہیرا۔ (پل نساء سہل ۸۸)

ترجمہ آپ کہہ دیں اگر تمام جن اور انسان اس پر جمع ہو جائیں کہ ایسا کلام بنا سکیں

تو وہ ہرگز اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کی

مدد کریں۔

آپ اندازہ کریں کہ اپنی عربیت ادب شاعری فصاحت و بلاغت اور خطابت پر ناز کرنے

والوں نے جب ایک اُمی کی زبان سے یہ چیلنج اور پھر اس پر یہ پیشگوئی سنی ہو گی یہ ان کی طبیعت پر

کس زور کی گر ج ہو گی اور اس نے ان کے معاندانہ جوش کو کس قدر بھڑکایا ہو گا۔ بایں ہمہ اللہ

غاموش رہے اور قرآن کی نظیر نہ لاسکے تو کیا یہ قرآن کا ایک کھلا ہوا چیلنج نہیں۔

نامناسب نہ ہو گا کہ اگر ہم یہاں وہ چند شے بھی نقل کر دیں جو مخالفین اسلام اس موقع پر

پیش کرتے ہیں۔

① بلغائے عرب اور فضائل ادب ایسا کلام بنانے پر قادر تھے لیکن انہوں نے اس کی

مردمت نہ سمجھی اس چیلنج کو کوئی اہمیت نہ دی۔

جواب ۱، اتنی بڑی تحریک کہ پورا ملک اس کی سیاسی پلیٹ میں آ رہا ہو اسے اہمیت نہ

دینا اور اس کا توڑ نہ کرنا شعر و ادب کی اس آماجگاہ میں جو عربوں میں ان دنوں قائم تھی ہرگز لائق پذیرائی نہیں پیشہ بالکل بے وزن ہے۔

② ممکن ہے اس وقت ان دانشوروں کے پاس اس کے مادی وسائل نہ ہوں کہ وہ اس چیلنج کے جواب میں ہم کو کوئی کام کر سکیں؟

جواب : یہ انہیں ایک علمی میدان میں آنے کی دعوت تھی انہیں کسی مالی تجارتی منڈی میں برابر کی بولی دینے کے لیے نہیں بلایا جا رہا تھا کہ وہ کہیں ان کے پاس مالی وسائل نہ تھے انہیں لڑنے کے لیے بدترک آنے کی ہمت تھی اور سامنے بیٹھ کر بات کر نکلنے کی ہمت نہ تھی۔

③ ممکن ہے انہوں نے کوئی مقابلے کا کلام تیار کیا ہو اور وہ ہم تک نہ پہنچا ہو ملک کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ضائع ہو گیا ہو؟

جواب : کمزور قبضہ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے نہیں ہوا تھا کہ دالوں لے بغیر لڑائی کے قبضہ دے دیا تھا اور بدر اور اُحک لڑائیاں کمزور سے کافی دور مدینہ کے قریب لڑی گئی تھیں۔ پھر اگر ایسا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کا کوئی جواب بھی اہل اسلام کے سر پرچر میں موجود ہوتا۔ فاتح قوم مقروح قوم کے ایک ایک قدم کا تلاش کرتی ہے۔

④ کوئی سائنسدان کوئی ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائے اور دوسرا کوئی سائنسدان اس باتے کی کوئی اور دریافت نہ کر سکے تو کیا پہلے سائنسدان کا عمل معجزہ کہلائے گا؟

جواب : انہیں اسے معجزہ نہیں کہا جائے گا۔ یہ دوسرا سائنسدان گو اس باتے کی کوئی اور چیز ایجاد نہیں کر سکا لیکن وہ اس پہلے سائنسدان کی نقل میں اپنے مادی وسائل سے ایسی نئی کئی اشیاء بنا سکتا ہے۔ قرآن کی متبادل کتاب نہیں ان سے اس اس جیسی کتاب لانے کا مطالبہ تھا اور وہ نہ لاسکے اور انہیں ایک ہی صورت لانے کے لیے کہا گیا تھا۔

⑤ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنی عربیت اور بلاغت میں اس درجہ فائق ہوں کہ کوئی دوسرا ان کی ہمری نہ کر سکے؟

جواب : آپ کا یکساں چالیس برس کی عمر سے پہلے بھی کسی ظاہر ہوا، اگر نہیں تو دنیا

میں اور کوئی ادیب و خطیب یا شاعر ایسا بھی کہیں گز رہے جس نے چالیس سال تک کی عمر تک کبھی اس باب میں نہ کوئی پیر الکھا ہونہ کبھی اس کے ہاتھ میں کاپی دیکھی تھی ہوا اور وہ اپنے حلقوں میں اتنی سمجھا جاتا ہوا اور پھر وہ ایک بے نظیر قطعہ کلام لاکے۔

یہاں تک مستشرقین کے بے بنیاد شبہات کا جواب تھا۔ اب آئیے ذرا ان کے کچھ اعتراضات بھی سن لیجئے۔ ایسے زیادہ اعتراضات انہوں نے یرن کے ملامہ ٹوری کی کتاب فضل الخطاب اور اس جیسے دوسرے طریق کی کتابوں سے لیے ہیں جو مسلمان کہتا کہ قرآن میں تحریف کے قائل تھے۔

قرآن کریم کے وجوہ اعجاز

① مفردات میں قرآن کریم وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے زیادہ ترجمان مراد اور موقع کے مناسب اور کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔

② قتل فی سبیل اللہ کے لیے شہادت کا لفظ پہلے سے موجود نہ تھا قرآن کریم نے اسے اس محل میں لاکر ایک بڑی حقیقت پر متنبہ کیا اس سے زیادہ اوفی بالمقام اور کوئی کلمہ نہ ہو سکتا تھا۔

③ پچھلے ایک اعمال کے لیے جو اعتراض ہیں باقیات کا لفظ اختیار فرمایا اس سے بڑھ کر ادنیٰ بالحقیقہ اور کوئی لفظ نہ تھا۔

④ عورت انسان کے لیے غایت اتصال، پردہ پوشی، دفع مفرت اور زینت میں ایک نسبت رکھتی تھی اسے ایک لفظ سے بیان کر دیا۔ حق لباس لکھ و افخ لباس تھن (پٹ البقرہ) اس میں سب مرادات آگئیں۔ یہاں لباس کے لفظ سے زیادہ اور کوئی لفظ ادنیٰ بالمقام نہ تھا۔

⑤ قرآن کریم نے ایک مقام پر موت کی تعبیر ان الفاظ سے کی ہے۔

فمَنَّهُم مَّن قَضَىٰ حَیٰۤیٰۤیًۭا (پٹ الاحزاب)

ترجمہ پس ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کر چکے۔

موت کی اس تعبیر نے اسلامی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سمو لیا ہے اور متنبہ

کیا ہے کہ موت ایسی ہی مطلوب ہے۔

⑥ اللہ رب العزت نے آنحضرتؐ کا ہر گناہ سے تحفظ فرمایا ہے اسے قرآن کریم اس تعبیر

پیش فرماتا ہے۔

وَلَا اِنْ ثَبَتْنَا لَعْدَكَ تَرَكْنَا اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا. (پہلے جگہ لکھیں)
ترجمہ: اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو قریب ہو جاتا کہ تو
اُن کی طرف تھک جائے۔

اب یہاں عصمتک یا حفظناک وغیرہ کے مقابلہ میں ثبوتناک کی تعبیر جس ثابت قدمی
اور عصمت کے تسلسل کو بیان کر رہی ہے اور کوئی کلمہ اس سے اور فی بالحقیت اور اس مقام کے
لائق نہ تھا پورے مضمون کو ایک لفظ ثبوتنا سے بیان کر دیا۔

⑤ عورتوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے خداوند کے لیے الذی علیہا (جو اس پر حاکم ہے)
کے الفاظ اختیار فرمائے۔

وَلَقَدْ مَثَلُ الَّذِي عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرِفِ. (پہلے البقرہ ۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ ان کا حق ہے جو اُن پر حاکم ہیں
دستور کے مطابق۔

یہاں الذی علیہن کی تعبیر اختیار کر کے کس مسئلہ پر ایہ میں خداوند کی بالادستی بیان کر دی۔
⑧ نفع کے مقابلے میں ضرر کا لفظ تھا قرآن پاک اس مقام پر ضرر کی بجائے اثم (گناہ) کا کلمہ
نفع کے مقابلے میں اختیار فرمایا اور اس حقیقت پر متنبہ کر دیا کہ اثم میں ضرر ہی ضرر ہے کتنی بڑی
حقیقت ایک کلمہ میں بیان فرمادی۔

⑨ جاہلیت کے اعتقاد میں موت کے لیے قوفی کا استعمال نہ تھا ان کے اعتقاد میں مرنے
کے بعد کوئی زندگی نہ تھی۔ قوفی پورا وصال کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت قوفی نہ ہو
سکتی تھی۔ قرآن پاک نے موت پر قوفی کا لفظ اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصال یا بی ہوتی ہے
یہ فنا ہے محض کا نام نہیں اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کبھی اس لفظ کا اطلاق اپنے
اصل معنوں میں جہد مع الروح کے وصال کرنے پر بھی کیا۔

لَهُ اَشْمَعُ مَا كَبُرَ مِنْ نَفْعِهِمَا (پہلے البقرہ ۲۷) ان ہی الایاتنا الدنیان موت ونحیایوما
فمن بہ یجوئین (پہلے الانعام ۲۹، المؤمنون ۳۶)

یہ ہم نے چند مثالیں پیش کی ہیں۔ قرآن کریم نے اپنے مفردات میں بڑے بڑے غلطاء کو حیرت میں ڈال دیا ہے ان پر جوں جوں غور کرتے جاؤ قرآن کی شانِ اعجاز اور کھتی جاتی ہے۔ علمائے عربیت نے اعجاز قرآن کی اس جہت پر زیادہ روش نہیں دیا تھا مگر متاخرین میں امام العصر علامہ ادر شاہ کشمیریؒ نے اس وجہ اعجاز سے خوب نقاب کشائی کی ہے۔

⑤ ترکیب کلمات

① قرآن کریم مشرکین کے شرک اور ان کی ذہنی پستی کو یوں بیان فرماتا ہے۔

وجعلوا للہ شریکاء الحن۔ (پک الانعام ۱۰۰)

ترجمہ۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے شریک جن۔

ظاہر قیاس چاہتا تھا کہ عبادت یوں ہوتی۔ وجعلوا الحن شریکاء اللہ کہ انہوں نے جن اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ لیکن یہاں مراد یہ ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور شست الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے کہ اُن کا لفظ بعد میں ہو۔

② قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت مسیحؑ سے پوچھیں گے کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بناؤ حضرت مسیح علیہ السلام کہیں گے۔

سبحانک ما یكون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔ (پک المائدہ ۱۱۶)

ترجمہ۔ تو پاک ہے مجھے لائق نہیں کہ کوئی بات خلاف حق کہوں۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ پہلے اپنی بریت ہوتی کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کیا اس کے بعد اپنا عقیدہ بیان کرتے اور سبحانک کہتے۔ خدا کی پاکی کا بیان اس طرح ہو جاتا۔

لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ رب العزت اس سے پاک ہے کہ اس کا پیغمبر اس کے ہاتھ میں ایسی بات کہے (یعنی وہ ایسے غلط انسان کو پیغمبر بنانے کے عیب سے پاک ہے) اور اس سے بھی پاک ہے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ اس کے شریک ہوں یہ مراد اسی ترتیب اور شست الفاظ سے حاصل ہو سکتی تھی کہ سبحانک کا لفظ مقدم ہو پہلے رب العزت کی تنزیہ ہو اور پھر

اپنی تربیت۔

۳) رب العزت کفار کے اعمال کی مثال اس کھیتی سے دیتے ہیں جسے پالا لگ گیا اور وہ ضائع ہو گئی ہو اسی طرح کافروں کے اعمال بالکل بے ثمر ہیں۔

اصابت حوث قوم ظلموا انفسهم فاهلكتہ۔ (پک آمل عمران ۱۱۷)

ترجمہ۔ وہ ہوا کافر قوم کی کھیتی کو لگی پس اسے ضائع کر دیا۔

آندھی اور پالا جس طرح کافروں کی کھیتی کو برباد کر دیتا ہے اسی طرح مسلمانوں کے کھیت کو بھی تباہ کر دیتا ہے ظالموں انفسہم کی قید زائد ہے اس باب میں مومن اور کافروں میں کوئی فرق نہیں آندھی اور پالے سے کھیتی دونوں کی برباد ہوتی ہے مگر رب العزت کافروں کے اعمال کو یہاں بالکل بے ثمر فرما رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان کی کھیتی تباہ ہونے کی صورت بائیں وجہ کہ اس کے گناہ بھرنے میں یا سرمایہ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے کئی طور پر تباہ نہیں ہوتی اگر یہاں جل بھی گئی تو اس کے اثرات بہر حال باقی ہیں یہ کافر ہی ہیں جن کی کھیتی کئی طور پر تباہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے نقصانات کے آخرت میں کوئی اثرات نہیں۔

قرآن کریم کی یہ سزا اپنی الفاظ سے بیان ہو سکتی تھی پس یہ قید زائد نہیں اتنی ادنیٰ بالحقیت اور ادنیٰ بالمقام تعبیر اور کسی ترکیب الفاظ میں ممکن نہیں۔

۴) قرآن کریم میں جہاں معاملات میں دو گواہوں کی ضرورت کا بیان ہے وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر دوسرے نہیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی ان کے قائم مقام ہو سکتے ہیں دو عورتیں ایک مرد کے برابر اس لیے ہیں کہ اگر ایک بھولے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔ اس پر قرآن کریم یہ ترکیب اختیار فرماتا ہے۔

ان تفضل احدهما فتذكر احدهما الاخری۔ (پ البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ۔ ایک اگر ان میں سے بھول جائے تو اُسے دوسری یاد دلا سکے۔

ظاہر قیاس یہ ہے کہ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی ان تفضل احدهما فتذكر احدهما الاخری لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ اگر دوسری بھولنے لگے تو اُسے بھی پہلی واقعہ یاد دلا سکے اور رد کے یہ مضمون اس طرح پورا ہوتا تھا۔

ان تفضل احذها فتذکرہا الاخری وان تفضل الاخری فتذکرہا الاولیٰ

قرآن کریم نے کس نفیس اور عمدہ پیرائے میں دونوں باتوں کو یکجا کر دیا ہے اور فتذکرہ احذہا الاخریٰ کی تعبیر میں کتنا اونچا ایجاز فرمایا ہے اس تعبیر سے بہتر اور اونفی بالمقام اور کوئی عبارت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم وہ ترکیب پیش کرتا ہے کہ نقلین اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتے۔

⑤ جب بُرائی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی اور حضرت یوسفؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عصمت کا سایہ تھا چنانچہ وہ بالکل محفوظ رہے تو اس مقام پر قرآن کریم یہ نہیں کہتا کہ ہم نے یوسفؑ کو بُرائی سے دُور کیا بلکہ یہ تعبیر اختیار کرتا ہے کہ ہم نے بُرائی اور بے حیائی کو یوسفؑ سے پُورے رکھا جب دو میں کشمکش ہو تو ہٹایا اسے ہی جاتا ہے جو دُور دُور کر آگے بڑھے۔ یہاں بُرائی یوسف علیہ السلام کی طرف بڑھنا چاہتی تھی حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی داعیہ پیدا نہ ہوا تھا۔ مصدومیت کی پُوری شان جلوہ گر تھی۔

كذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء۔ (ملک یوسف ۲۲)

ترجمہ۔ یوں ہی ہو کہ ہم ہٹائیں اس سے بُرائی اور بے حیائی۔

قرآن کریم کی یہ تعبیر کتنی اونفی بالتحقیق اور حضرت یوسفؑ کی شان عصمت کے عین لائق ہے اس مضمون کی اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی کہ بُرائی ان کی طرف نہ پانا چاہتی تھی ہم نے اسے دُور کر دیا۔

③ اسلوب

نزول قرآن کے وقت عربوں میں جو اسالیب کلام رائج تھے وہ نظم تھے یا نثر۔ نظم صدیوں کے ارتقاء کا نتیجہ تھا جس کے بڑے بڑے ابواب فخریہ، حماسہ، مدح و ہجو اور حکم و امثال وغیرہ تھے۔ نثر خطابات عامہ کے لیے تھی اور یہی اظہار خیال کا ایک فطری ذریعہ تھا ایسے ماحول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پوری کی پوری کتاب عربوں کے سامنے پیش فرمائی جس کا اسلوب بالکل انوکھا تھا وہ نہ نظم تھی نہ نثر، ایک نیا طرز کلام تھا عربوں

میں اس کی کوئی نظیر پہلے سے نہ تھی وہ اس نئے نمونہ کلام سے ششدر تھے اور وہ قوم جس کی سرزمین شعر و ادب کو اس طرح جنم دیتی تھی جیسے سبزہ برسات میں اُگتا ہے اس کے اسلوب سمجھنے میں یہاں تک پہنچ گئی کہ بعضوں نے اسے نظم سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ دیا اس پر انہیں یہ جواب ملا :-

وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذكر وقرآن مبين (پہلے ۶۹)

ترجمہ: اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر کہنا سکھایا ہی نہیں اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے سوائے اس کے نہیں کہ یہ ذکر ہے اور قرآن مبین ہے۔

اور جو لوگ سمجھتے تھے کہ اس کا اسلوب نظم نہیں وہ بھی اس کی لاثانی بندش اور بے مثل دولانی کو دیکھ کر اسے شکر کہنے سے تھکتے تھے یہ ایک نیا اسلوب کلام تھا جس نے پوری قوم کو حیران کر رکھا تھا آیت مذکورہ میں بھی شکر کے مقابلے میں قرآن کا نام لیا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا ایک اپنا اسلوب ہے کیونکہ اسلوب کا مقابلہ اسلوب ہی سے ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کریم کو ایک نرلے اسلوب میں پیش کرنا اور پورے عرب کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دینا پھر پوری قوم عرب کا اس کے اسلوب کے تعین میں سرگرداں ہونا قرآن کے معجزہ ہونے کی وہ تاریخی شہادت ہے کہ اس کے سامنے مخالفین اسلام اب تک سرکھٹ ہیں۔

ایک سوال

جس طرح نظم و شعر میں بعض اہل کمال امام فن ہوئے ہیں اسی طرح حضور کو اس نئے اسلوب کا امام اور باقی کیوں نہ سمجھ لیا جائے نیا اسلوب پیش کرنے سے یہ کیسے لازم آیا کہ قرآن کریم

مخالفین اس سلسلہ میں قیس بن سعدہ اور امیر بن ابی الصلت کے جن خطبات اور اشعار کو اس دور کے قرآنی اسلوب کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ سب وضعی روایات ہیں جو بعد کے ادیبوں اور شاعروں نے قرآنی اسلوب کی پیروی میں کہہ کر قدیم شعر لائے عرب کی طرف منسوب کر دی ہیں ان خطبات و اشعار کا عیاہی ہونا ہمیں تسلیم نہیں اس کی تحقیق اسلوب القرآن کے مضمون میں آگے آگے آئے گی۔

معجزہ ہے آپ کی اپنی تصنیف نہیں۔

جواب: نظم و نثر کے اسلوب مدیوں کے ارتقاء کے بعد اپنے کمال کو پہنچے پس یہ نیا اسلوب بھی اگر انسانی فکر کی پیداوار ہوتا تو اس کی بھی پہلے سے کوئی تمہید ہوتی کیونکہ قرآن اس اسلوب کا مقام کمال اور اس کی انتہائی منزل ہے اور اگر یہ اس اسلوب کی بالکل ابتداء نہ تھی تو ضروری تھا کہ اس کی ارتقائی منازل اور بعد کے مقامات کمال اسے بالکل پس پشت ڈال دیتے۔

پس جب کہ یہ دونوں صورتیں منتفی ہیں نہ اس الزام کے اسلوب کی کوئی پہلے تمہید تھی اور نہ اس کا کوئی بعد میں ارتقاء ہوا بلکہ اس کی ابتداء ہی اس کی انتہا ہے اور وہ اپنی نظر خود آپ ہی ہے قویہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اس ذاتِ برتر کا کلام ہے جس کی ذات ہر قسم کی تمہید و ارتقاء سے پاک ہے۔

⑤ مقاصد میں وجہ اعجاز

قرآن کریم کسی فرق العظمت سے کو موضوع نہیں بناتا اس کے مباحث ہمیشہ عملی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں ان میں محاش و معاد کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی فلاح و نجات کے سبق ہوتے ہیں مسئلہ نبوت کو ہی لیجئے یہ خدا اور بنی آدم کے باہن ایک برزخی مقام ہے جس کی کثرت کی فکری پروانہ سے بالادہ یہاں مسئلہ ذات سے نکل کر صفات میں آجاتا ہے اور قرآن کریم نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے کرتا ہے ان صفات کا تعلق نسلِ آدم کی فلاح و ہدایت سے ہے۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم

يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة (آل عمران ۱۰۳)

یہاں نبوت کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس تعلق اور رابطے کو بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اور امت کے باہن ہونا چاہیئے نبوت کا تعارف ذات کی بجائے صفات سے ہو رہا ہے پھر نبوت تو ہمارے لیے غیر مدرک بالکنس ہے لیکن نبی کی ذات محسوسات میں پوری طرح عیاں ہے

قرآن پاک ویدوں کی طرح ایسی رہائی ہستیاں پیش نہیں کرتا جن کا عموماً میں کوئی تعین ہی نہ ہو سکے۔ قل انما انا بشر مثلكم کے بعد نبوت کا امتیاز یوحیٰ الہی کی صفت سے قائم کیا جاتا ہے کہ نبوت کو موضوع بحث نہیں بنایا جاتا ہے آگے اعتقادی اصلاح کے لیے الہکم اللہ واحد کے بعد فوراً عملی زندگی پر متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ فلیعمل عملاً صالحاً اور وہ بھی اس لیے کہ عقیدہ توحید کا اثر عملی زندگی پر ضرور پڑنا چاہیے۔

قرآن پاک اپنے مقاصد کو ہر موضوع میں عزیز رکھتا ہے یہ قرآن کی وہ شانِ اہجاز ہے جس کے سامنے ویدوں اور اوستا کے تمام فرق الفطرت اور رُملجے ہوئے مباحث بیکر ماند پڑ جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں کائنات کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے یا زمین و آسمان اور شمس و قمر کے کچھ حالات مذکور ہیں وہاں یہ سزا نہیں کہ کائنات کی حقیقت اور زمین و آسمان کی ہئیت و حرکت وغیرہ کے متعلق تحقیقی اور علمی معلومات دہیا کیے جائیں قرآن ان مباحث کو اگر موضوع بنائے تو اپنے مقاصد سے نکل جائے گا۔ قرآن کریم ان چیزوں کو اگر کہیں ذکر کرتا ہے تو ان سے استدلال کے انسانی ذہن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے روح کے متعلق پوچھا گیا تو قرآن کریم نے اس کی حقیقت پر بحث کرنے کی بجائے اس کے متعلق انسانی علم کی کمزوری کو انسانی بے چارگی اور عدم ماندگی کی دلیل بنالیا۔ سوال کے متعلق اتنی بات ہی کہی کہ فی الخلق الروح من امر رقی اور پھر اپنے مقصد کو یوں بیان کر دیا دعا او تخیع من العلم الاقلیل۔

یہ بات قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے مضامین بیشتر مقامات پر ان کائناتی چیزوں کو چھوٹے ہوئے گزرتے ہیں اور معاش و معاد کی فلاح و سحاح کے لیے ان سے سبق لیا جاتا ہے لیکن ان ضمنی تذکروں میں بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی گئی جسے بعد کے سائنسی معلومات اور انسانی تحقیقات سے غلط ثابت کر دیا ہو۔ قرآن ان کائناتی حقیقتوں سے اس طرح گزرتا ہے کہ آج کے لوگ اور آج سے ہزار سال پہلے کے نظریات کے لوگ ان تذکروں سے برابر کے لطف اندوز ہوتے ہیں ان ضمنی بیانات سے جس طرح وہ ذہن مطمئن تھے جو فلسفہ یونان کے دلدادہ تھے اسی طرح آج کے وہ لوگ بھی جو سائنسی اکتشافات اور مادی تحقیقات میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔

قرآن کے کائناتی مقبروں پر انگلی نہیں رکھ سکتے۔ انسانی تحقیقات کہاں سے کہاں تک نکل جائیں
لیکن قرآنی بیانات اور قرآنی دلائل پہلے سے بھی زیادہ روشن ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن
پاک کی یہ شانِ اعجاز ہے کہ وہ کائناتی حقیقتوں کو اس انداز میں چھوڑتا ہے کہ کسی دور کی کوئی تحقیق
اس کے خلاف نہیں پڑتی اور اس پر جتنا غور کیا جائے یہ یقین اور ثبوت حاصل ہے کہ یہ کسی انسان
کا کام نہیں۔

قرآن ایک دعوتِ عمل ہے یہ فلسفے کا اچھا نمونہ زندگی کے مسائل کو افراد کی بجائے
اصولوں میں پیش کرتا ہے۔ خلافتِ نبوت پر غور کیجئے قرآن عزیز اسے کسی خاص نسل و رنگ سے
وابستہ کرنے کی بجائے ایمان اور عملی صلاح پر مبنی قرار دیتا ہے اور پھر اس منصبِ امامت کو کسی
ایک خاندان میں محدود رکھنے اور فرقِ الفطرت اسرارِ الہیہ کے رُوپ میں پیش کرنے کی بجائے
وہ مقاصدِ خلافت کو پیش کرتا ہے جن پاک انسانوں کے ہاتھوں یہ مقاصد پورے ہوں وہ صحیح
معنوں میں منصبِ امامت پر فائز ہوں۔ خلافت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خدا کی زمین میں اسلام کا
رعب و دبدبہ اور حق کی حکومت قائم کر کے انسانیت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں خلفاء راشدین
خدا کے قانون کو نافذ کر کے اس کے جلال و جمال کے مظہر بنیں۔ قرآن عزیز خلافت کی ذات سے
بحث کرنے کی بجائے خلافت کا تعارف اس کی صفات اور اس کے نتائج کے ساتھ کرتا ہے
یہ مقاصد کے اعتبار سے قرآن کی شانِ اعجاز ہے۔

⑤ اخبار بالمخبات

آنحضرت نے قرآنی ارشاد کی روشنی میں اعلان فرمایا کہ علم غیب اللہ رب العزت کے ہوا
اور کوئی نہیں جانتا۔

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ. (نپ النمل ۶۵)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے
اللہ کے۔

سَلٰهُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمَلُوا الصّٰلِحٰتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ. (آل النور ۵۵)

وعنده مفاع الغيب لا يعلمها الا هو . رب العالمين ۵۹

ترجمہ۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں۔
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا یہ دعوئے تھا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ آپ نے
 کہانت یا عرافت کے کہیں تجربات کیسے تھے بلکہ اپنے دائرہ ارشاد میں ہمیشہ ان باتوں سے نفرت
 دلاتے رہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں رمل و نجوم کی کبھی ۲ لاش نہیں ہے۔
 ان واقعات کی روشنی میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت نے کئی دفعات عارضہ اور کئی آئندہ
 ہونے والی باتوں کی خبریں دیں اور یہ وہ امور تھے جن کا علم آنحضرت کو علم غیب، کہانت، عرافت
 رمل یا جفر یا نجوم وغیرہ کسی طریق سے حاصل نہ تھا لیکن جب وہ اخبار غیبیہ حرف بحرف پوری
 ہوئیں تو اس سے پتہ چلا کہ ان سب خبروں کی بنیاد علم وحی پر تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ آنحضرت نے
 جن جن مغیبات کی خبر دی آئندہ کے اکتشافات اس کے کسی پہلو کو غلط ثابت نہ کر سکے اور جو کچھ
 آئندہ کے لیے بتایا گیا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔
 مثلاً خبر دی گئی۔

اَللّٰهُ غَلَبَتِ الرُّومَ فِي ادْنٰی الْاَرْضِ دَهْمَ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سِغْلَبُوْنَ

فی بضع سنین • (پلے روم)

ترجمہ۔ قریب کے ملک (فارس) میں رومی مغلوب ہو جائیں گے لیکن اپنے مغلوب
 ہونے کے بعد پھر اہل روم اہل فارس پر غالب آجائیں گے۔ یہ نو سال کے اندر
 ہو کر رہے گا۔

عجم پر رومیوں کے غالب آنے کے متعلق جس امر کی خبر حقینہ زمانہ کے ساتھ مفید کر کے قرآن
 نے پیش کی حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ عین بدر کے دن جب مسلمان فتح و نصرت کی خوشیاں منا رہے
 تھے یہ خبر پہنچی کہ رومی اہل کتاب دوبارہ ایران کے مجوسیوں پر غالب آگئے۔ رومیوں کی مغلوبیت
 ملت لغت اور حدیث میں لفظ بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوا ہے ہم نے ترجمے میں نو کی صراحت کر دی
 ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے مسلمانوں کی طرف سے اس کے ظہور کی مدت چھ سال مقرر کی تھی پھر حضورؐ کے
 ارشاد کے مطابق اس میں ترمیم کر کے نو سال کی شرط قائم کی (دیکھئے مستدرک حاکم بعد تفسیر سورۃ الروم)

بشت بنوی کے پانچ سال بعد واقع ہوئی تھی اس کے بعد ٹھیک نو سال کے اندر اندر قرآن کریم کی مذکور پیش گئی چمکتے ہوئے آفتاب کی صورت میں صداقت کے مطلع اعجاز سے چمکی یہ شخصیت صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی ایسی خبریں دینا اور پھر ان سب کا حرف بحرف پورا اثرنا قرآن کریم کی ایک مستقل وجہ اعجاز ہے۔

مگر اپنی مشہور کتاب ”تاریخ زوال روما“ کی تیسری جلد میں لکھتا ہے :-
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایلانی فتوحات کے عین شباب میں پیٹنگوئی کی کہ
 چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے جب
 یہ پیش گوئی کو اس وقت اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کی جا
 سکتی تھی بلکہ

جب یہ پیش گوئی حتمی بحرف پوری ہوئی تو حضرت صدیق اکبر جنہوں نے مسلمانوں کی طرف
 سے مشرکین کے ساتھ پیمان باندھا تھا اور اس پورا ہونے پر قسم اٹھائی تھی پھر لے نہ سہاتے
 تھے اور مدینہ کے بازاروں میں بلند آواز سے آئندہ غلبت التو و فی احثی الارض و ہم من
 بعد علیہم سیغلبون کی تلاوت کرتے گزرتے تھے۔

اثرات میں وجہ اعجاز

قرآن کریم ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب کہ ساری دنیا ایک عجیب روحانی
 کی حالت میں تھی اور آنحضرت ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں کوئی باقاعدہ تمدن نہ تھا
 اس قوم کے پاس کوئی تہذیبی ورثہ بھی نہ تھا لیکن قرآن پاک نے ایک نہایت قلیل عرصے میں ایک
 ایسا غیر العقل انقلاب پیش کیا کہ عوام و خواص، حکماء و خطباء، فضحاء و بلنار بڑے چھوٹے جوان
 بوڑھے آقا و غلام بدوی و شہری سب اس ریلے میں بہہ گئے اور قرآن نے ہر ایک کے دل میں
 اس کے طرف اور مزاج کے مطابق وہ تبدیلی پیدا کی کہ صدیوں کے بچکے ہوئے خدا کی راہ پر چل
 نکلے جو بُت پرست تھے بُت شکن ہو گئے، حقیقت و وحشت کی جگہ صبر و تحمل آگیا اور بریت کی جگہ

سہ تاریخ زوال روما۔

تکرو تدریس لے لی اور قیمتی عداوتوں سے بھرپور سینے چند سالوں کے اندر پیغامِ رحمت بن گئے اتنے قلیل عرصے میں اتنے عظیم اثرات اور بہرہ و مہر پر اتنی روشن انقلابی تاثیرات قرآن کریم کی شانِ اعجاز کے وہ تاریخی غواہ ہیں کہ کوئی مبصر نہیں عادی اور عادی اسباب کے تحت تصور نہیں کر سکتا۔

عظیم النظیر تحفظ میں شانِ اعجاز

انسانیت کی پوری تاریخ میں اگر کوئی کتاب اتنی ضخامت کے باوجود ابتدائے ظہور سے آخر تک ایک جم غفیر کے سینوں میں محفوظ رہی ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہے جس طرح اس مقدس کتاب نے علم و ادب کے بڑے بڑے نمایندوں کو اپنی نظیر پیش کرنے سے عاجز کر دیا۔ اسی طرح اس کی بے مثل حفاظت بھی تاریخ کو اپنی مثال پیش کرنے سے عاجز کرتی ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون کی پیشگوئی تاریخ کے ہر دور میں دلائلِ قدیق حاصل کرتی رہی ہے اور آج بھی ربعِ مکون کا کوئی ایسا قلعہ نہ ہوگا جہاں اس امانتِ الہیہ کا کوئی نہ کوئی امین موجود نہ ہو۔

ایک دلچسپ سوال

یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم اپنے مفردات، ترکیبِ کلمات، نزلے اسلوب، غلطی مقاصد اور انقلابی اثرات میں انتہائے بلاغت پر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اس سے آگے نہکلنا طوقِ بشر سے خارج اور انسانی پروانہ سے باہر ہے لیکن دنیا میں کئی اہل کمال بھی تو ایسے گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں ایک مدت تک کسی سے نہ ہو سکا ان سب قرآنی کمالات کو آنحضرت کے کمال و قابلیتِ کل بے نظیر نمونہ کیوں نہ سمجھا جائے اگر کوئی شخص اس بے نظیر کتاب کی مثل نہیں لاسکا تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا جائے کہ حضور پیغمبرِ اسلام مصیٰ اور کوئی شخص تصنیف نہیں کر سکا۔

قرآن کے آنحضرت کی تصنیف نہ ہونے کے شواہد

① جس نبی اُمی نے قرآن کو دیکھا کہ سامنے پیش کیا اس نے نہ کسی کالج اور مدرسہ میں تعلیم پائی

محمی نہ کسی پرائیویٹ، پبلک کے سامنے رانے تلخ نہ کیا تھا نہ کسی لائبریری کا مطالعہ کیا تھا اور نہ اس کے گرد و پیش کوئی علمی ماحول تھا کہ قرآن پاک جیسی اچھا کتاب آپ کا نتیجہ فکر ہوتی اور اسے آپ کی تصنیف کہہ سکتے۔ قرآن پاک میں خود اس اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وما كنت تتلون من قبله من كتاب ولا فخطه بيديك اذا الاقواب
المبطلون۔ (پاک الحکومت ۲۸)

ترجمہ: نہ تو آپ قرآن سے پہلے کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ دامن ہاتھ سے کچھ لکھ سکتے تھے اگر ایسا ہوتا تو بے شک باطل پرستوں کے لیے شک و شبہ کی گنجائش محمی۔

② بے شک دنیا میں کئی ایسے اہل کمال گزرے ہیں کہ ان کا مقابلہ ان کے فنی کمالات میں کسی سے نہ ہو سکا لیکن ایسا صاحب کمال کوئی دیکھنے میں نہیں آیا کہ اس کے فن کی جلد شاہیں اس کے دامن قابلیت میں سمیٹی چلی آئی ہوں۔ تاریخ عالم کوئی ایسا انسان پیش نہیں کر سکتی جسے ہر مضمون پر برابر کی قدرت حاصل ہو عربی ادب نے جن پاکمال شعراء کو بطور نمونہ پیش کیا ہے ان میں اسرار القیس، زہیر و نابغہ اور اعشیٰ سر فہرست نظر آتے ہیں لیکن ہر ایک، ایک خاص مضمون میں ممتاز ہے۔ یہ نہیں کہ ان میں کوئی ہر قسم کے مضمون پر برابر کا قادر ہو اسرار القیس جس طرح گھوڑوں کی تعریف کرتا ہے اور ان کا سماں باندھتا ہے دوسرے اس کی بلبری نہیں کر سکتے۔ زہیر و غنیت و رجاء اور حکمت و فکر میں اچھا لکھتا ہے۔ نابغہ خوف و خشیت میں اچھا چلتا ہے اور اعشیٰ شراب کی مستی میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ فارسی ادب میں فردوسی سعدی حافظ اور قاضی کو دیکھ لو۔ فردوسی جس طرح رزم میں چلتا ہے دم میں آگ خاموش ہو جاتا ہے۔ سعدی پند و نصائح میں تفوق رکھتا ہے لیکن اگر کہیں جنگ کا موضوع آجائے تو ساری جولانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حافظ اگر غزل کا امام ہے تو قصیدہ نگاری میں ہم اسے دوسری صف میں بھی تلاش نہیں کر سکتے۔ قاضی بے شک روانی میں سب سے آگے ہے لیکن تخیل کی پرواز میں اسے تیسری صف میں بھی جگہ نہیں ملتی۔

ایسی طرح انشاء پر دوازان نشر اور ماہرین خطابت کا حال ہے۔ اگر الفاظ کا معیار ملحوظ نظر ہے تو معافی کی سطح کم نظر آتی ہے اور اگر مطالب گہرے ہیں تو الفاظ مبتذل ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ایجاد پر قادر ہے تو اسے لطافت پر قدرت نہیں اور اگر کوئی لطافت میں پھبتا ہے تو ایجاد سے قاصر ہے۔ ترغیب میں لکھنے والا ترہیب سے پچھے ہے اور ترہیب کا ماہر ترغیب میں پچھے رہ جاتا ہے۔

optimism اور Pessimism کی علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں عرب کے طلباء

سے مخفی نہیں

ان واقعات کی روشنی میں جب ہم قرآن پاک کو دیکھتے ہیں تو باوجودیکہ مضامین مختلفہ کی رو بہرہ رسی ہے کوئی مضمون دوسرے مضمون سے مغلوب نہیں ہوتا ہر مضمون اپنے موضوع میں انتہائے بلاغت پر ہے اور الفاظ و معانی کا معیار ایک جیسا بلند رہتا ہے۔

انسان جب ایک قسم کا مضمون بیان کرتا ہے تو عین اس حالت میں اس کے برابر والے مضمون پر اچھی طرح نہیں چل سکتا یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے جس سے گریز ممکن نہیں اگر کوئی غصے سے بھرا ہوا کلام کرتا ہے تو بالکل اسی وقت وہ شفقت و محبت کا اظہار نہیں کر سکتا حالانکہ لازم کلام کے ساتھ رحمت و شفقت کے مضمون ہیکنا نہ نہیں ہو سکتے ایک ہی وقت میں متضاد عنوانوں پر انسانی دلوں میں اترنا اور مساویانہ توازن قائم رکھنا انسانی عہد پر واز سے بہت بلند ہے یہ صرف رب العزت کی ہی شان ہے جس کی کوئی صفت دوسری صفت سے مغلوب نہیں ہوتی وہ بیک وقت متقابل صفات سے متصف اور متضاد صفات سے موصوف ہے۔

قرآن میں اگر اخلاق و حکمت، تہذیب و تمدن اور تزکیہ نفس کے اسباق میں تو نظم و سبک جہاد و شجاعت، غیرت و عزت اور ملی خودی کے مضامین بھی موجود ہیں۔ لڑائی کے نقشے کھینچے جاتے ہیں تو شفقت و رحمت کے درس بھی دیے جاتے ہیں۔ یسین مافیس سے عبرت کی داستانیں لائی جاتی ہیں تو نظریات و عقائد پر مہر و پلٹ مٹاظرے اور معقول و محکم دلائل بھی موجود ہیں رب العزت کے کلام میں رحمت کے ساتھ غضب و وعدہ کے ساتھ وعید، جمال کے ساتھ جلال، بشارت کے ساتھ نذارت اور اُمید کے ساتھ خوف، ترازو کے دو پٹروں کی طرح برابر رہتے ہیں سارے کلام کی یکسانیت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ یہی انسان کا کلام نہیں اور نہ اسے کسی ایک کیڑ کی مشترک

پر صبح کر دی آپ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چل گئی۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سننا انہوں نے سورۃ
لنار تلاوت کی جب وہ اس بیت پر پہنچے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ جُنَّا بِلَا
عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدٌ اتوا اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ حضرت
عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:-

فَرَفَعَتْ رَأْسِي فَرَأَيْتُ دُمُوعًا تَسِيلُ بِلَا

ترجمہ میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔
ان کیفیات اور واقعات کو لغویات کی روشنی میں سرچنے کیا اپنی ہی تصنیف کے اپنے
پر ایسے اثرات ہر سکتے ہیں؟ پھر ان اثرات میں ایسا تسلسل اور تواتر ہے کہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مؤرخ
ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

⑤ آنحضرتؐ جس طریق سے قرآن پاک امت کے سامنے پیش فرماتے اس میں وقتی حوادث
اور ضرورت کی ترتیب ہوتی تھی اور قرآن پاک عموماً اسی طرح نازل ہوتا رہا۔ لیکن
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تبیین کرام سے اسے کسی اور ترتیب سے لکھواتے اسی دوسری
ترتیب سے خود نمازوں میں پڑھتے اور اسی ترتیب سے دوسروں کو یاد کراتے ترتیب
نزدولی اور ترتیب رسولی کا ایک دوسرے سے مختلف ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ
قرآن پاک آپ کی تصنیف ہرگز نہ تھا اگر یہ آپ کا اپنا کلام ہوتا تو اس کی ہر دو ترتیبیں
مختلف نہ ہوتیں کہ ان ترتیبوں میں آج تک کوئی مفسر یا مفسر کوئی ربط نہیں دکھا سکتا
یہ کتاب عزیز یقیناً رب العزت کا کلام ہے جس میں آنحضرتؐ کے اپنے خیالات کا
قطعاً کوئی دخل نہیں۔

۱۔ ترجمہ۔ پھر کیا حال ہو گا جب ہم نگاہیں گے ہر امت سے اس پر ایک سوال کہنے دو اور شک باقی
گے ان لوگوں پر ان کے حوالہ کہنے کے لیے ۱۔ صبح مسلم بعد منہ دہلی

امام العصر علامہ انور شاہ صاحب محدث کشمیری ارشاد فرماتے ہیں:-
قرآن پاک کا اعجاز مفردات، ترکیب، ترتیب کلمات اور مقاصد و حقائق کی جملہ وجوہ سے

ہے:-

① مفردات میں قرآن کریم وہ جملہ اختیار فرماتا ہے جس سے اونی بالحقیت اونی بالمقام ثقلین نہیں لاسکتے۔ مثلاً جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر توفی کا اطلاق درست نہ تھا ان کے اعتقاد میں نہ بقا، نہ جہنم تھی نہ بقا تھے روح توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں موت ترفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے ظاہر کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصل معنوں میں جہد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

② ترکیب و ترتیب کلمات جیسے وجعلوا للہ شرکاء الجن والانس (پک الانعام) ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں مہرتی وجعلوا الجن شرکاء للہ لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے

لہ قرآن پاک کے اعجاز کی معرفت میں شیخ عبدالقادر جوبانی (مصنف دلائل الاعجاز) اور علامہ جبار اللہ زنجشیری (مفسر کشف الامم) کا ذکر کرتے ہیں یہ دونوں بزرگ اعرج تھے اہل علم میں یہ جملہ مشہور ہے۔ لہذا اعجاز القرآن الا لامر حان احدہما من زنجشیری والاخر من جوبانی ان کے ساتھ تیسرا نام امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے جن کا ذوق عربیت اور ادراکات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ کم ترک الاول للآخر کہتے ہی وہ گوشہ ہائے کمال ہیں جو پہلے پھلوں کے لیے چھوڑ جاتے ہیں اس صدی کے علماء مصر میں سے شیخ مصطفیٰ الرافعی مرحوم (مصنف اعجاز القرآن) بھی اس باب میں بلند پایہ اور اک رکھتے ہیں۔

متقدمین میں سے ابو عثمان الجاخط (متوفی ۲۵۵ھ صاحب نظم القرآن) شیخ ابو عبد اللہ الاکملی (متوفی ۳۶۶ھ صاحب اعجاز القرآن) شیخ ابوبکر الباقلائی (القاضی) (متوفی ۴۰۲ھ صاحب اعجاز القرآن) اور امام رازی (متوفی ۶۰۶ھ صاحب نہایت الامیاز نے اس موضوع پر نہایت کامیاب قلم اٹھایا ہے۔

علامہ محمود آلوسی نے بھی روح المعانی میں قرآن پاک کی شان اعجاز کو بہت دفعہ موضوع بنایا ہے اردو میں اس باب کی کامیاب ترین تالیف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب اعجاز القرآن ہے ہم نے ان ذخائر علیہ سے حسب مابا استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ فخر احمد اسحاق

خدا کے شریک ٹھہرائے اور کوئی معمولی جرم نہیں کیا اور وہ شریک بھی کون؟ جن۔ پس یہ مراد اسی ترتیب اور شہادت الفاظ سے حاصل ہو سکتی ہے۔

③ مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا ہے جیسا کہ علماء کرام نے اسماء حنی کی شرح میں لکھا ہے مقاصد قرآن کریم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبداء و معاش و مصلحہ اور نلاح و نجات دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

④ متعلق سے میری مراد وہ امور غاصفہ ہیں جن سے عقل و افکار کا سر میں اور سنجاب و جانب اور نزاع و غلا بانی ہے جیسے سلا غلق افعال عباد کہ عباد کا ربط اپنے فعل سے کیا ہے اور کیسے ہے اور اس فعل کا ربط قدرت اذلیہ سے کیا ہے قرآن کریم ایسے مقام پر وہ تفسیر اختیار فرمائے گا کہ اس جیسی ادنیٰ بالتحقیق طرق بشر سے خارج ہو۔

رأس المتکلمین حضرت علامہ رحمۃ اللہ الکریم انوی ثم المکی قدس سرہ العزیز اپنی مایہ ناز اور نادر علمی کتاب ازالۃ الشکوک میں ارشاد فرماتے ہیں:-

قرآن پاک کی شان اعماد پر غفلت و معنوی صنائع و بدائع بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ابن ابی الاصبع نے اعجاز القرآن کے موضوع پر جو قسم کے صنائع و بدائع نقل کیے ہیں ان کے مطالعہ سے نکتہ دان طبیعت پھر ک اٹھتی ہے اور صاحب نظر انسان اسلوب قرآن کی دور رس گہرائیوں میں کھو جاتا ہے۔

قرآن کریم ان امور کے بیان پر مشتمل ہے جو حقیقت میں مفاد دارین (دنیا و آخرت) کا لب لباب ہیں۔ گویا انبیاء علیہم السلام کے ارسال سے وہ امور غرض اصلی اور علت منائی ہیں۔ قرآن کریم کا کوئی رکوع اور کوئی ٹہنی اہمیت ایسی نہیں کہ اس میں ان امور میں سے کسی امر کا بیان نہ ہو اور وہ امور یہ ہیں:-

① اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر کا بیان جیسے اللہ تعالیٰ واحد۔ قدیم۔ قدیر۔ حکیم۔ خیر۔ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ شکم۔ رزق۔ رحمن۔ رحیم۔ علیم۔ صبور۔ عادل اور سب سے زبردست اور مقدس اور زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی تنزیہ یہ کہ وہ جمیع معائب و نقائص سے جیسے حدوث، تغیر، عجز،

- جہل ظلم، جسمیت اور جہت وغیرہ سے پاک ہے۔
- ۳) توحید خاص کی طرف دعوت اور شرک و تشکیک کھلی روک ٹوک۔
- ۴) انبیاء علیہم السلام کا ذکر بغیر۔
- ۵) انبیاء کرام کی گوسالہ پرستی، بت پرستی، سحر اور افعال قبیحہ سے برأت۔
- ۶) ان لوگوں کی تعریف جو انبیاء پر ایمان لائے۔
- ۷) انبیاء کے مخالفین کی مذمت۔
- ۸) سب انبیاء پر ایمان لانے کی تاکید۔
- ۹) اس امر کا وعدہ کہ انجام کار انبیاء پر ایمان لانے والے ان کے منکرین پر غالب ہوں گے۔
- ۱۰) قیامت کی حقیقت اور جزا سزا۔
- ۱۱) جنت اور جہنم کا ذکر۔
- ۱۲) اس عالم فانی کی بے ثباتی کا ذکر۔
- ۱۳) عالم بقا (اسکے جہان) کی بہتری اور پائیداری کا ذکر۔
- ۱۴) اشیاء کی صلت و حرمت۔
- ۱۵) تدبیر منزل کے احکام۔
- ۱۶) سیاست مدنی کے احکام۔
- ۱۷) اللہ اور اللہ والوں کی محبت پر تحریریں۔
- ۱۸) معرفت اور تحقیق کی باتیں جو وصول الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔
- ۱۹) فاسقوں اور بے ادبوں کی صحبت اور ہم نشینی پر تنہید۔
- ۲۰) عبادات مالی اور بدنی میں نیت خاص رکھنے کی تاکید۔
- ۲۱) دیا اور سمعہ پر تنہید (روک ٹوک)۔
- ۲۲) اخلاق کی تہذیب کے لیے مجملہ اور مفصل تاکید۔
- ۲۳) بُرے خلقوں پر مفصل اور مجملہ تنہید۔

(۲۳) اخلاق حسنہ مثل علم تواضع، کرم، شجاعت اور عفت وغیرہ کی تلاش۔

(۲۴) برے غنقرں مثل غضب، کینہ، بخل اور ظلم وغیرہ کی مذمت۔

(۲۵) فقرے کی نصیحت۔

(۲۶) ذکر الہی اور عبادت کی ترغیب۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب امور عقل اور نقلاً محمود ہیں اور قرآن میں ان کا بار بار ذکر آتا ہے

اور اکثر مقامات پر انہیں براہین عقلیہ اور نقلیہ سے مدلل کیا ہے حالانکہ یہ معلوم و معارف

عربوں کے پاس نہ تھے اور نہ ان کے پاس حکمت اور نبوت کی کوئی کتاب تھی بلکہ

شاہ صاحب بھی فرماتے ہیں کہ مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدء و معاش

و معاد اور فلاح و نجات دنیا اور آخرت وابستہ ہو۔

حکیم الاسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند اسے کلامی معجزہ کے عنوان سے اس طرح بیان کرتے ہیں :-

ہر ایک کلام کا مرتبہ اس کے مشکلم کے مرتبہ سے قائم ہوتا ہے جس درجہ کا مشکلم ہو گا اسی درجہ کا اس کا کلام سمجھا جائے گا اور اسی حد تک اس کی طرف ذہنوں اور عقول کی توجہ سے اس کی غفلت و غفلت کے جذبات موجزن ہوں گے مثل مشہور ہے۔ قدرا الشہادة قدرا الشہود، شہادت کا درجہ شاہدوں کے درجہ کی قدر ہوتا ہے۔

مشکلم میں کون سی صفات دیکھی جاتی ہیں

غور کیا جائے تو مشکلم کی حیثیت پانچ باتوں سے قائم ہوتی ہے جو اس کے کلام میں اہمیت اور مقبولیت پیدا کرتی ہیں۔ عقل و فہم، علم و خبر، منصب و مقام، صدق و عفا اور تاثیر و تصرف۔

① عقل و فہم

اگر کوئی مشکلم عقل ہی نہ رکھتا ہو یا کھو بیٹھا ہو یا ناقص العقل ہو یا ناتمام عقل کا درجہ لیے ہوئے ہو تو اس کا کلام ناقابل التفات بلکہ قابل مضحکہ سمجھا جاتا ہے۔ مجنون کی باتوں پر سب ہنستے ہیں کہ وہ مسلوب العقل ہے جس سے اس کے کلام میں علاقہ نہ انداز نہیں ہو سکتا کہ عقل مندوں کی توجہات کو کھینچ سکے۔ بچوں کی فطرت باتوں کو پیار سے سنا جاتا ہے مگر قابل التفات نہیں سمجھا جاتا کہ ان میں مادہ عقل گو موجود ہوتا ہے مگر فی الحال ناتمام اور نارسیدہ ہوتا ہے عورتوں کے کلام کو دلہاری کے ہمدر نہیں کیا جاتا مگر ماہر کار نہیں بنایا جاتا کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کی باتوں کو سنیے ہیں اور اس پر توجہ بھی دیتے ہیں مگر دستور العمل نہیں بناتے کہ عقل اور فہم تو ان میں پورا ہوتا ہے مگر اس میں سنجگی گہرائی اور تجربہ کاری نہیں ہوتی جس سے وہ بالغ نظر کہلا سکیں اور کلام میں مقبولیت پیدا ہو۔ لیکن بڑھوں کے کلام کو کمال توجہ سے سن کر دستور زندگی بنالیا جاتا ہے تو وہ اہل علم میں سے نہ ہوں کہ ان کا تجربہ وسیع، عقل تمام اور فہم شیعہ ہوتا ہے وہ جس دائرہ کی بات کہتے ہیں، چچی کی کہتے ہیں جس کے چچے ایک تار تار اور سچتہ کاری تحت ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کی مقبولیت

اور گہرائی کا سب سے پہلا معیار عقل و فہم ہے۔

④ علم و خبر

دوسرے معیار کے تحت جاہلوں کی بات پر کوئی کان نہیں دھرتا کہ انہیں کسی معاملہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہی نہیں ہوتا جب کہ ان کے کلام میں علم کی روح دھڑکی ہوئی نہیں ہوتی جو کام میں وزن پیدا کرتی ہے۔ پھر کسی فن کے مبتدی کے کلام کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کہ وہ فن اس کے علم پر جاوی نہیں ہوتا کہ اس کی بات فنی جامعیت لیے ہوئے ہو اور سُنی جائے۔ اسی طرح ادھورے اور ادھ کچرے عالم کی علمی بات بھی ادھوری اور ناقص ہوتی ہے۔ اس لیے علم و فضل والوں کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہوتی جب کہ اس سے حقیقت و اصلیت کا پورا پتہ نہیں لگتا۔ ہاں پرے عالم کی بات پر ہر شخص توجہ کرتا ہے۔ اسے پتہ باندھتا ہے اور دنیا میں وہ بطور ضرب المثل کے زبان زد ہو جاتی ہے کہ وہ کمال علم کے سبب پتہ کی بات ہوتی ہے اور اصلیت کی نشاندہی کرتی ہے۔ نیز اس کے کلام میں جزئیت اور تکی نہیں ہوتی جس سے صرف ایک بولا ہوا مسئلہ ہی حل ہو جائے بلکہ وسعت علم کی قدر جامعیت حکمت اور بات کے تمام پہلوؤں کی رعایت ہوتی ہے جس سے اس نوع کے تمام مسائل کا فیصلہ اسی ایک بات سے ہو جاتا ہے جو درحقیقت جزوی صورت میں ایک جامع اصول ہوتی ہے جس سے واضح ہے کہ کلام کے رتبہ کا سب سے بڑا معیار علم و خبر ہے۔

⑤ منصب و مقام

تیسرے معیار کے ماتحت بات خواہ بذاتہ اہم بھی نہ ہو لیکن منصب کی نبتی کے سبب قدتا بلند اور باحیثیت بن جاتی ہے۔ ایک ہی بات ایک عالمی اور معمولی آدمی کہتا ہے تو ناقابل توجہ ہوتی ہے اور وہی بات کسی قومی کونسل کا صدر یا کسی ملک کا سربراہ کہے تو اس سے بڑا سیاسی اثر جاتی ہے۔ معاملات کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور یہ فقرہ تو مومن اور ملوک کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے جس پر اہم اور دور رس نتائج مرتب ہوتے لگتے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ کلام کو پستی سے اٹھا کر رفعت و بلندی پر پہنچا دینے کا ایک اہم معیار منصب و مقام بھی ہے۔

④ صدق و صفا

ان ساری باتوں کے ساتھ کلام کی مقبولیت و تاثیر اور اس کے قابل التفات و توجہ ہونے کے لیے متکلم کی سچائی غیر مشتبہ دیانت اور بے لاگ خلوص بھی لازمی ہے جو کلام کی مقبولیت کا ایک درہم دست میلہ ہے کلام کتنا ہی فاضلانہ ہو لیکن کہنے والا خود غرض اور منافق ہے تو اس کا کلام کبھی بھی دل کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتا اور کلام معمولی ہو، مگر خلوص و صداقت کی روح ایسے ہوئے ہو تو کبر و سلاطین بھی اس کے سامنے جبک جاتے ہیں جس سے واضح ہے کہ کلام مقبولیت و تاثیر کا اہم معیار صدق و صفا بھی ہے۔

⑤ تاثیر و تصرف

پھر کلام کے پرکھنے کا ایک بڑا معیار تاثیر و تصرف بھی ہے جس کا تعلق اندرونی صفائی اور لطافت سے ہے۔ صاف باطن اور پاک ضمیر لوگوں کے کلام میں قدرتی تاثیر ہوتی ہے بے ضمیر انسان کی بات خواہ کتنی ہی فصیح و بلیغ ہو شاعری سمجھی جاتی ہے جس کا اثر قبول کرنے کو کوئی تیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں کوئی وزن ہوتا ہے۔ اصولاً یہی پانچ معیار ہیں جن سے کلام کے وزن، مقبولیت اور اس کے محمود و مستحسن ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

غور کیجئے کہ اگر کسی کے کلام میں یہ پانچوں معیار جمع ہوں اور جمع ہی نہ ہوں بلکہ انتہائی کمال کے ساتھ موجود ہوں اور نہ صرف موجود ہی ہوں بلکہ لامحدود اور لامتناہی ہو کر پائے جاتے ہوں اور نہ صرف اتنا ہی ہو بلکہ وہ ذات ان کمالات کا سرچشمہ اور خزانہ بھی ہو کہ اس کے سوا کسی اور میں ذاتی طور پر پائے بھی نہ جاتے ہوں اور اگر کہیں کسی حد تک پائے بھی جاتے ہوں تو صرف اسی کے طفیل اور نہ تو سے ظہور پذیر ہوتے ہوں بلکہ اس کا کلام کتنا بلند، کتنا جامع، کتنا موزوں اور کتنا مؤثر ہو گا کہ اس کی بگوندی جامعیت مقبولیت اور تاثیر و تصرف کی نہ کوئی حد ہوگی نہ نظیر

ذات باری تمام کمالات کی اصل ہے

سزا ظاہر ہے کہ خدا کی ہستی سے بڑی کوئی ہستی نہیں ہوگی نہ جس کی وجہ سے کائنات اور سرچشمہ

خیرات و مبرات ہے۔ پس جہاں تک عقل و فہم کے کمالات کا تعلق ہے عقل و فہم اس سے ہے وہ عقل و فہم سے نہیں عقل و فہم کا کوئی مقام اس سے کم نہ ہو کہ وہی معیار عقل و فہم اور وہی عقل و فہم کا خالق ہے اور عقل و فہم اس کی پیدا کردہ اور مخلوق اپنی راہ پیمائی اور راہنمائی میں اسی کی درپوزہ کر ہے۔

عقل و فہم اس کی پیدا کردہ

قول ما خلق الله العقل .

ترجمہ سب سے پہلی چیز جو خدا نے پیدا کی وہ عقل ہے۔
ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی . (پا ط ۵۰)
ترجمہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت (وجہیت) عطا کی پھر اسے (حراس و عقل و فہم اور علم و فہم سے) راہ سمجھائی۔

علم و خبر کی انتہا اسی پر

جہاں تک علم و خبر کا تعلق ہے سو وہی منشاء علم و خبر بھی ہے۔ اسی کا علم ہر شے کو محیط، دلوں کی ہر کھٹک پر مادی اور ایک ایک ذرہ پر چھایا ہوا ہے۔

① عالم الغیب والشماخۃ وھو الحکیم الخبیر . (پا الانعام ۷۳)

ترجمہ کھنڈے اور چھپے کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔

② و احاط بکل شیء علماً . (پا الطلاق ۱۲)

ترجمہ اور وہ گہرے سم سے ہے ہر چیز کو اپنے علم سے

③ وھو علیم بذات الصدور . (پا الحدید ۶)

ترجمہ وہی جاننے والا ہے سینوں کی کھٹک کا۔

④ یعلم ما بین یدیمہ وما خلفہم . (پا البقرہ ۲۵۵)

ترجمہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

⑤ ليعلم ما يلج في الارض وما يخرج منها وما ينزل من السماء وما يعرج فيها. (پک الحمدید ۴)

ترجمہ۔ (باہر) نکلتا ہے اور جو آسمان سے اُترتا ہے (جیسے پانی) اور جو اس میں پڑھتا ہے (جیسے بندوں کے نیک اعمال وغیرہ)

منصبِ عالی اسی کا

پھر جہاں تک منصب و مقام کا تعلق ہے سو اُلوہیت کے آگے کون سا مقام ہے جس کی کوئی بُود و نمود ہو؟ پس وہی سرِ شہد منصب و مقام ہے کہ وہ الٰہ موجود ہے اور معبودیت سے آگے کوئی مقام نہیں وہی سرِ مخزنِ قدرت و اقتدار ہے کہ جہانوں میں اسی کی بادشاہی ہے، اسی کا نام چلتا ہے اور اسی کا حکم جاری ہے۔ اسی کے کلمے سے جہان بنتے اور بگڑتے ہیں۔

① انا الله لا اله الا انا. (پک ظہ ۱۳)

ترجمہ میں ہی اللہ جوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں

② وهو على كل شئ قدير. (پک الحمدید ۲)

ترجمہ۔ اور وہی ہے ہر چیز پر قادر ہے۔

③ له ملك السموات والارض. (پک الحمدید ۲)

ترجمہ۔ اسی کی ملک ہیں سارے آسمان و زمین۔

④ ملك الناس الله الناس. (پک الناس ۲)

ترجمہ۔ بادشاہ ہے لوگوں کا، معبود لوگوں کا۔

⑤ عنه ملئ مقتدر. (پک القمر ۵۵)

ترجمہ (حقیقی) رُک ہوں گے باغوں (اور نہروں میں) پاس وسیع ملک والے بادشاہ کے۔

⑥ والله الاسماء الحسنیٰ فادعوه بها. (پک الاعراف ۱۸۰)

ترجمہ۔ اور اللہ ہی کے ہیں پیارے نام، سو انہی سے اسے پکارو۔

⑦ فعال لما يريد. (پک البروج ۱۶)

ترجمہ: کر ڈالنے والا ہے جو بھی ارادہ فرمालے۔

⑤ اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون۔ (پاک لیس ۸۲)

ترجمہ: جب کسی شے (کے پیدا کرنے) کا ارادہ کرتا ہے تو فرمادیتا ہے ہو جا۔

تو وہ ہو جاتی ہے۔

بہر حال ہر پاک منصب و مقام اسی کا ہے۔

ساری سچائیوں کا مخزن اسی کی ذات

پھر جہاں تک صدق و قنل اور صفائی و معاذ کا تعلق ہے تو وہی ذات بابرکات ساری سچائیوں اور صداقتوں کا مخزن بھی ہے کہ سچائیوں کو تو لے ڈالا اور کھر لے ڈالا اس سے زیادہ کون ہے سچائی سچائی ہی اسی سے ہوئی ہے اور جو کچھ وہ فرمادے اور جو کچھ وہ کہے وہی حق و صداقت ہے۔

① قوله الحق وله الملك۔ (پاک الانعام ۷۳)

ترجمہ: قول سچا ہے تو اس کا اور ملک ہے تو اس کا۔

② ومن اصدق من الله قيلاً۔ (پاک النسا ۱۱۲)

ترجمہ: اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچے قول والا؟

③ ومن اصدق من الله حديثاً۔ (پاک النسا ۸۷)

ترجمہ: اور کون ہے اللہ سے زیادہ سچی بات والا۔

تائید و تصرف کا حقیقی سرچشمہ

اور اسی لیے تائید و تصرف کا بھی حقیقی سرچشمہ ہے اور اسی کا ہر کلمہ و کلام میں تائید و تصرف ہے کہ اس سے زیادہ پاک باطن لطیف و ستم اور بے نوٹ کون ہو سکتا ہے؟ اسی لیے اس کا ایک ایک حرف تائید و تصرف کا سرچشمہ ہے جس سے پتھروں کے کیچے بھی شق ہو جائیں اور انسان تو انسان متمدن جنات بھی لام ہو جائیں اگر خستہ سُن لیں۔

وَلَا لَنَا هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى جِلِّ لِرَأْيِهِ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔ (پاک المائدہ ۲۱)

ترجمہ: اگر ہم انار دیتے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو دیکھتا کہ وہ لہر جاتا ہے اللہ کے ڈر سے۔

انا سمعنا قرآنًا عجبا یهدی الی الموشد فامتابہ۔ (سورہ النہج ۲)

ترجمہ: (جنت لے کہا) ہم نے ایسا عجیب قرآن سنا جو بزرگی کی راہ دکھلاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔

کلام خداوندی سے بڑھ کر کوئی کلام نہیں

اور ظاہر ہے کہ جب خدائے متکلم کلامی کلمات کے بارے ہی معیاروں میں عقل و خرد، علم و خبر، منصب و مقام، ہمدن و مصفا اور تاثیر و تصرف کا سرچشمہ ہے تو کلام خداوندی سے بڑھ کر کسی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ پس اس سے بڑھ کر نہ کسی کلام میں عقل و خرد اور دانائی ہو سکتی ہے نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں علم و خبر کے ذخیرے ہو سکتے ہیں نہ اس سے بڑھ کر کسی کے کلام میں منصب و مقام کی بندیاں پائی جاسکتی ہیں۔ نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں صدق و مصفا اور حق صداقت ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ کسی کے کلام میں تاثیر و تصرف ممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا ہی کلام ہر حال کے متفقہ کے مطابق اور ہر قسم کی پیچیدگی اور چیتانیت سے پاک، مبرا اور منفرد بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہی انتہائی سلامت، انتہائی فصاحت و بلاغت اور انتہائی شیرینی و حلوت کا مجموعہ بھی ہو سکتا ہے تو وہ کلام جو ان ساری کلامی خوبیوں کا مجموعہ ہونے کے سبب سے بے مثل و مثال اور ممکن النظر ہے وہی قرآن کریم ہے جو حکمت والے خدا کا کلام ہے۔ اسی کا ناماد ہوا بول ہے۔ اس کا پڑھا ہوا قرآن ہے اور اسی کی اندرونی صفات کمال کا پاک منظر ہے جس میں اس کی پاکیاں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اس کی خوبیاں چمکتی ہوئی صاف دکھائی دیتی ہیں۔

قرآن کریم میں کلام کے یہ پانچوں معیار

پس قرآن کو پڑھ تو یہ پانچوں معیار اس میں مندرجہ سے ملتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں چنانچہ وہ محض نقل و خبر یا احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ عقل و حکمت اور فرزانگیوں کا بہتا ہوا سمندر بھی ہے اس کا

کوئی حکم نہیں جس میں حکمت نہ ہو، کوئی نقل نہیں جس میں عقل نہ ہو اور کوئی ہدایت نہیں جس میں فلسفہ نہ ہو۔ اس لیے اس میں تدبیر اور تفکر کا امر کیا گیا کہ بغیر غور و فکر کے اس عقلی حقائق و اشکات پہنچ سکتے اور عقلی حقائق اس میں تھے تو غور و فکر کا بھی حکم دیا گیا۔ اس لیے وہ کلام ہی نہیں حکمت بھی ہے جو عقل و خرد کا بچوڑ ہے۔

① ذٰلِكَ مَتَّاعٌ الْيَوْمِ مِنَ الْحِكْمَةِ. (پہلی اسرائیل ۲۹)

ترجمہ (یہ قرآن) ان حکمت کی باتوں میں سے جس کی ہم نے اے پیغمبرؐ تمہاری طرف ہی کی ہے۔

② كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرُوا أَلَاءَ الْإِلَهِابِ۔ (پ)

ترجمہ کتاب برکت والی جسے ہم نے تمہاری طرف اے پیغمبرؐ اتارا تاکہ لوگ اس کی ہمتوں میں تدبیر سے کام لیں اور عقل والے اس سے (مُجھولا ہوا سبق) یاد کریں۔

③ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي النُّعْلٰی۔ (پہلے ۵۴)

ترجمہ بلاشبہ قرآن کی (ان تعلیمات میں) البتہ بڑی نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے

④ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ۔

ترجمہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم کے لیے۔

⑤ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

ترجمہ اس قرآن سے وہی نصیحت پکڑ سکتے ہیں جو گہری عقل والے ہیں۔

قرآن مجملہ دو اتر حیات میں ہدایت بخشتا ہے

پھر اس قرآن کے علم و بشر کا یہ عالم ہے کہ زندگی اور موت کا کوئی شعبہ نہیں جس کے بارے میں فوری ہدایتوں کے بے شمار ذخیرے اس میں موجود نہ ہوں۔ اور علم جامع پر مشتمل اخبار و احکام نہ بتلائے گئے ہوں۔

① تَبٰیٰنَا لَکَیْلَ یَنْفِیْ وَوَهْدٰی وَرَحْمَۃً وَبَشْرٰی لِّلْمُسْلِمِیْنَ۔ (پہلی اخلاص ۸۹)

ترجمہ (یہ قرآن) کھلا ہوا مکمل بیان ہے ہر شے کے لیے اور ہدایت و رحمت اور

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔

② وهو الذی انزل علیکم الکتاب مفصلاً. (پہ: الانعام ۱۱۴)

ترجمہ: وہ (اللہ) وہ ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب (قرآن) نازل کی۔
پھر یہی قرآن سب مناصب و مقامات رفیعہ والے خالق و مالک اور ملک و مقتدر کا کلام ہے۔ تو اس کی رفعت و بلندی اور لحاظ منصب و مقام غفلت بھی انتہائی ہے اور اس کی یہ دلیل کافی ہے کہ وہ اس رفیع المنزلت کا نازل کردہ کلام ہے۔

① تنزيل ما متن خلق الارض والسموات العلی (پہ: الطہ ۲)

ترجمہ: یہ قرآن نازل کردہ ہے اس کی طرف سے جس کے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔

② تنزيل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم. (پہ: الاحقاف ۲)

ترجمہ: یہ قرآن نازل کردہ ہے اللہ عزت والے حکمت والے کی طرف سے۔

③ دانه لتنزیل دب العالمین. (پہ: الشعراء ۱۹۲)

ترجمہ: اور یہ قرآن نازل کردہ ہے جہان کے پالنے والے کی طرف سے۔

④ تنزل الذی نزل الفرقان علی عبده لیكون للعلین نذیران الذی لہ

ملك السموات والارض. (پہ: الفرقان ۲۴)

ترجمہ: برکت والی ہے وہ ذات جس نے فرقان (قرآن) اپنے بندے پر اتارا
تاکہ وہ (پاک بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جہانوں کا ڈرانے والا ہو جس کا ملک ہے
فلک آسمان و زمین کا۔
اور اسی لیے اسے عظیم کہا گیا۔

⑤ ولقد اتیناک سبعاً من المثانی والقرآن العظیم. (پہ: الحجر ۸۷)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں عطا کی بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں اور قرآن عظیم
اور بڑائی والا ہے۔

قرآن پاک ابدی سچائیوں کا حامل ہے۔

جس سے واضح ہے کہ یہ کتاب مبین سارے ہی مناصب جلیلہ کے ائمہ سے مملو اور مجرور ہے پھر یہ قرآن چونکہ انتہائی سچے کلام ہے اس لیے یہ کلام بھی بے انتہا سچا حق و صداقت میں بے نظیر اور صدق و صفائے بے مثال ہے۔

① ليعلمون انه منزل من ربك بالحق . (پ: الانعام ۱۱۴)

ترجمہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) تمہارا گویا ہے تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔

② انا انزلنا اليك الكتاب بالحق . (پ: النساء ۱۰۵)

ترجمہ ہم نے تم پر نازل کی کتاب حق و صداقت کے ساتھ۔

③ وبالحق انزلناه وبالحق نزل . (پ: بنی اسرائیل ۱۰۵)

ترجمہ اور حق (و صداقت) سے ہم نے اسے اتارا اور حق و صداقت ہی وہ اُتر رہا ہے۔

④ نزل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه . (پ: آل عمران ۳)

ترجمہ تمہاری تم پر کتاب (قرآن) حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے تمہارے سامنے (والی سچائیوں کی)۔

⑤ بل جاء بالحق وصدق المرسلين . (پ: صافات ۲۷)

ترجمہ بلکہ (یہ قرآن) حق کے ساتھ آیا اور اس نے (پچھلے سب) رسولوں کی تصدیق کی۔

چنانچہ اس غیر معمولی سچائی کی وجہ سے یہ کلام ہر قسم کے تضاد و تناقض سے پاک اور تضاد بالوں سے بے بہا ہے کہ سچائیوں میں کبھی تضاد نہیں ہو سکتا۔

ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيرا . (پ: النساء ۸۲)

ترجمہ اور اگر کہیں (یہ قرآن) غیر اللہ کے پاس سے اتنا تو اس میں بہت سارے اختلافات ہوتے۔

ظاہر ہے کہ ایسے کلام سے بڑھ کر مؤثر اور اعجازی طور پر دلوں پر اثر جانے والا اور کرن کلام ہو سکتا ہے؟ اس لیے اسے مؤثر ہی نہیں عین ناشر و تصرف کہا جائے گا۔ جیسا کہ سطور بالا میں آیات خداوندی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی کلام فصاحت و بلاغت میں بے مثال اور اسلوب بیان میں بے نظیر بلکہ ناممکن النظر ہو گا جس کی مثال لانے سے ہر بندہ بشر عاجز رہ جائے گا۔ کیوں کہ فصاحت و بلاغت اور سلاست کلام تابع ہے۔ باطن کی قوت و عزت یعنی جمال باطنی اور مقصدیات احوال علم و معرفت کے تابع ہے۔

قرآن کریم کی شانِ اعجاز

تو کون ہے جو اس سے زیادہ مقصد کے احوال کا جاننے والا ہو؟ اور اس لیے اس کے کلام کا ایک ایک گوشہ فصاحت و بلاغت کی حدِ اعجاز پر بھی پہنچا ہوا ہونا چاہیے جس کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز رہ جائے۔

قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاقُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاقُوْنِ

بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ (پچھلے بنی اسرائیل ۸۸)

ترجمہ۔ فرما دیجئے (اے پیغمبر) کہ اگر جن اور انسان سب کے سب بھی اس پر ایک کر لیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں گے تو اس کا مثل نہیں لاسکتے اگرچہ بعض بعض کے مددگار ہو جائیں گے۔

غلامدیر کہ یہ قرآن حکیم کلامی معجزہ ہے جس کی بلاغت بیانی کے سامنے باوجود کھلے کھلے چیلنجوں کے دنیا نے سپردِ ال دی اور اس کی مثال لانے سے تھک کر رہ گئی جس سے اس کلام کی ہر خوبی بے مثال اور ناممکن النظر ثابت ہوتی ہے۔ بالخصوص فصاحت و بلاغت کا جواب لانا ناخیر ممکن واضح ہو جاتا ہے۔

پھر صفاتِ خداوندی کے معیار سے بھی اگر غور کیا جائے تب بھی یہ کلام بلاغت نظامِ فصاحت و بلاغت کا معجزہ ہی ثابت ہو گا کیونکہ صفاتِ الہیہ میں سے جن جن صفات میں سے انسان کو قصہ طے ہے ان میں سے ہر ایک صفت میں ایک حدِ اعجاز نکلتی ہے جہاں پہنچ کر انسان عاجز رہ جاتا ہے

وہ چھوٹی سے چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ ایک سورت نہ سہی اس جیسی ایک بات، ایک آیت اور ایک عمل ہی بنائے۔ لیکن اس چینج پر بھی اگر کوئی کچھ نہ لاسکے تو بلاشبہ یہ اسی کی دلیل ہوگا کہ یہ اللہ کا کلام ہے جس کے اسلوب بیان اور جامعیت و ہدایت، منصب و مقام، تاثیر و تصرف اور دانائی و حکمت کی نظیر بنانا ناممکن نہیں۔ اس لیے قرآن حکیم نے منکرین قرآن سے چینج کا جواب نہ پا کر دھمکی آمیز لہجہ میں انہیں ڈرایا کہ۔

فَان لَّمْ تَعْمَلُوا وَلَنْ تَعْمَلُوا فَاَتَقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ
اَعَدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ (پ البقرہ ۲۴)

ترجمہ۔ پس اگر تم نہ کرکو (یعنی اس کے کل یا جز کا مثل نہ لاسکو) اور نہ کرنا نہ لاسکو گے تو پھر اس آگ (عذاب جہنم) سے ڈرو جس کا ایندھن (مجرم) انسان اور پتھر ہوں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے۔

قرآن کریم کے مختلف وجوہ اعجاز

ہر حال قرآن کریم ترکیب الفاظ، اسلوب بیان، جامعیت معانی اور استیفاء ہدایت وغیرہ ہر لحاظ سے معجزہ ہے۔ اور جن بشر مل کر بھی اس کی نظیر لاسے سے عاجز ہیں جس کی وجہ وہی ہے کہ وہ کلام خداوندی ہے۔ سو جیسا تمکیم ہے ویسا ہی اس کا کلام بھی ہے جیسے ذات کی نظیر یا مثل محال ہے ایسے ہی اس کی صفات اور ان میں سے صفت بکلام کی نظیر بھی ناممکن اور محال ہے۔ اس لیے جس پہلو سے بھی اسے دیکھا جائے اس کی کلامی حیثیت ہرگز نہ بے مثال بے مثال اور ناممکن النظیر ثابت ہوتی ہے جو کلام الہی کے شایہ شان ہے۔

اس عظیم کلام کے تحمل کے لیے بڑا حوصلہ چاہیے

اب ظاہر ہے کہ اتنے بلند پایہ جامع عقل و غرہ، جامع علم و خبر، جامع منصب و مقام، جامع تاثیر و تصرف، جامع صدق و صفا، اور ادب سے بے مثل و بے مثال اور معجزہ کلام کے مضمومات اور حقائق کو کھولنا اور اس کے مفہوم و مراد کو تشخیص کے ساتھ نمایاں کرنا جسے تعبیر کہتے ہیں، ہر ایک کا حوصلہ

مہبط وحی کی شان و عظمت

یہ کام اس کا ہو سکتا ہے جو خود اس کلام کو مکمل سے نئے اس کا حقیقی مخاطب ہو اور ساتھ ہی خود ان تمام صفات اور شئون و احوال کا جامع بھی ہو جو شئون و احوال اس کلام الہی میں سمائی ہوئی ہیں بالفاظ دیگر قرآن کا ایک ایک گوشہ اس کی ذات کے ایک ایک گوشہ میں ذوق و عمل بن کر سمایا ہوا ہو۔ حتیٰ کہ اس کی طبیعت ہی قرآنی ہو جس سے قرآن نے بایں جامعیت و اعجاز اس کے قلب پاک کو اپنا مورد اور ظرف منتخب کیا ہو۔ موطا ہر ہے کہ وہ ذات قدسی صفات سوائے ذات بابرکات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری نہیں ہو سکتی جن پر قرآن اتنا بہ جن کی زبان میں اتنا اور جن کے اخلاق و کمالات اور جن کی فطری استعداد کو اس کا ظرف بننے کے لیے ازل سے پنا گیا۔ اس لیے قرآن کو قرآنی ذوق سے یا جس حد تک آپ سمجھ سکتے تھے طبعاً دنیا میں کوئی بھی اتنا نہیں سمجھ سکتا تھا۔ بالخصوص جب کہ آپ کو سمجھانے والا بھی براہ راست وہی تھا جو اس قرآن کو آپ پر اتارنے والا خود صاحب کلام تھا یعنی وہ مت اقدس و اطہر باری سبحانہ و تعالیٰ۔

وانہ لتذلیل رب العلمین۔ نزل بہ الروح الامین۔ علی قلبک لتکون من المذذین۔ بلسان عربی مبین۔ (پہلے الشعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

ترجمہ۔ اور بلاشبہ (یہ قرآن) نازل کر دہ ہے رب العالمین کا — جسے لے کر اترے روح الامین آپ کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) قلب پر تاکہ آپ ہوں (عذاب الہی سے) ڈرنے والوں میں۔ واضح عربی زبان میں۔

اس لیے قرآن حکیم کی اصل تفسیر تو اذلال و افعال و احوال نبوی ہی ہو سکتے ہیں جن کو حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی قرآن کی اولین تفسیر ہے جس کو دوسرے نفلوں میں خدا کی تفسیر کہنا چاہیے اور جس کو قرآن نے بیان سے ذکر کیا ہے۔

شہد ان علینا بیانہ۔ (پہلے القیامہ ۱۹)

ترجمہ۔ پھر ہم ہی پر اس کا بیان ہے۔

ظاہر ہے کہ اس اصول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کلام خداوندی اور اس کی تفسیر (حدیث نبوی) کے مقاصد و سرحدات کو اپنے ذوق صافی سے سمجھنے والے پھر وہ حضرات ہو سکتے ہیں جن کی تربیت براہ راست بارگاہ رسالت سے ہوئی ہو اور جن کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ شہادت دی کہ :-

① اولئک هم الواشدون . (پک الحجرات ۷)

ترجمہ: یہ لوگ (صحابہ) ہی بزرگ لوگ ہیں۔

② اولئک الذین امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ . (پک الحجرات ۲)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے تقویٰ (اور پرہیزگاری) کو اللہ نے جانچ لیا ہے۔

③ فاعلموا قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم (پک النبی ۱۸)

ترجمہ: سو اللہ نے جان لیا جو (پارہ سائی اور علم و معرفت الہی و معجزہ) ان کے دلوں میں ہے تو اس نے ان پر سکون و اطمینان اتارا۔

④ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ . (پک التوبہ ۱۰۰)

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

کے مقدس خطابات و القابات دے کر من حیث الطبقۃ ان کی تقدیس و تطہیر کی ہے۔ پہلی طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وجمعین کا ہے جن نے براہ راست بارگاہ نبوت سے استفادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو ہر کردیدار جمال اور مشاہدہ کمال سے مشرف ہوا۔ پھر اس نے پیغمبر سے نہ صرف قرآن ہی لیا بلکہ قرآنی ذوق بھی حاصل کیا۔ ظاہر ہے کہ ذوق نبوت کو جس حد تک یہ طبقہ سمجھ سکتا تھا اور کوئی طبقہ اس مقام پر قدر شا نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے امت کا کوئی طبقہ بھی قرآن فہمی میں اس دور خیر کے ان مقدس افراد سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ ان سے کسی حالت میں مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

راستخیزان فی العلم کون ہیں ؟

پھر اسی مذکورہ اصول پر صحابہ کے بعد تفسیر کلام الہی کا خداداد اور خدمت گزار وہ طبقہ ہو سکتا ہے

جس نے کابرمین کا برخلاف من سلف قرآن اور اس کے مذاق کو سلسلہ بہ سلسلہ اور سند بہ سند ان صالحین سے حاصل کیا اور تواریث کے ساتھ ان کی محبت و محبت اور ملازمت میں وہ کہ تزکیہ بہ تزکیہ قرآن قرآنی دین اور قرآنی مذاق کو اپنے اندر سمویا اور اپنی عمریں ان کے سمجھنے سمجھانے میں صرف کر دیں جس سے قرآن کے یہ علوم شریفہ ان کے حق میں علوم طبعیہ بن گئے اور وہ راہنیں فی اعلم کہلائے بظاہر ہے کہ ہر قرن میں ایسے لوگوں کا وجود ضروری تھا جب کہ قرآن حکیم دوامی کتاب ہے جو کسی ایک دور کے ساتھ مخصوص نہیں اس کی اور اس کی تفسیرات بھی تا قیام قیامت مسلسل ہیں جو کسی ایک دور پر ختم نہیں ہو سکتیں چنانچہ ایسے لوگوں کے ہر دور میں ہوتے رہنے اور امت کو نبوت کی میراث پہنچا پہنچا کر ایسے سنت نبوی کے رنگوں سے رنگتے رہنے کی خبریں دی گئی ہیں جو علم اور عمل دونوں راستوں سے امت میں آتے رہیں گے عمل کے لحاظ سے ارشاد نبویؐ جیسے حضرت ابو سعید الخدریؓ نے نقل کیا ہے اس طرح وارد ہے :-

من اكل طيباً و عمل في سنة و امن الناس بواقفه دخل الجنة فقال رجل يا رسول الله ان هذا اليوم الكثير في الناس قال سيكون في قرون بعدى
ترجمہ جس نے حلال کھایا اور عمل کیا سنت کے مطابق اور لوگ اس کی ایذا سے محفوظ رہے تو وہ جنت میں داخل ہوا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آج تو ایسے بہت ہیں فرمایا بعد کے زمانوں میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

جس سے واضح ہے کہ عمل بالقرآن جو عمل باسنت ہے کبھی منقطع نہ ہوگا۔ پھر علم کے لحاظ سے بھی ایسے مبصر افراد کے پیدا ہوتے رہنے کی خبر دی گئی ہے

يحصل هذا العلم من كل خلف صدوله ينفون عنه تحريف الغالين و ائصال
المبطلين و تأويل الجاهلين بك

ترجمہ تحمل کرتے رہیں گے اس علم کا (سلف سے) نیک خلف جو دین سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو دفع کرتے رہیں گے اور باطل پرستوں کی دروغ بافیوں کو دور کرتے رہیں گے اور جاہلوں کی رنگیز تادیلات کو کھول کر ان کا پردہ چاک کرتے رہیں گے

نسخ فی القرآن

الحمد لله وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ لعالمہ

علم قرآن میں نسخ و منسوخ کی بحث ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ قرآن کریم کا مفسر وہی ہو سکتا ہے جو اس معجز پر پورا عبور رکھتا ہو۔ نسخ و منسوخ کو جاننے بغیر جو شخص قرآن کی تفسیر کرے گا اس کا قدم کبھی صحابہؓ کے قدم پر نہ چل سکے گا۔ احادیث میں بھی نسخ و منسوخ کی بحث بہت اہمیت رکھتی ہے اور ائمہ کے حدیث میں اختلافات زیادہ اسی محور کے گرد گھومتے ہیں۔

قرآن کریم میں نسخ کی بحث میں جاملے سے پہلے ہمیں کچھ مطلق نسخ پر گفتگو کرنی ہوگی۔ اہل کتاب مطلق حکم الہی میں نسخ کے قائل نہیں۔ عیسائی قرین شریعت موسیٰ کو پرانا عہد کہنے کے باوجود اسے اپنے نئے عہد 'testament' سے چٹائے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں کتاب مقدس اس پورے مجموعے کا نام ہے اہل اسلام سے ان کا ایک اضافی موضوع یہ بھی ہے کہ آیا حکم خداوندی میں تبدیلی ہو سکتی ہے یا نہ؟ ان کا اس میں جواب انکار کا ہوتا ہے اور اہل اسلام کو ان کے سامنے پہلے مسئلہ نسخ رکھنا پڑتا ہے۔

نسخ کیا ہے؟

جو لوگ حکم الہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ اس پہلے سے سوچتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم دے اور پھر اسے ایک مدت کے بعد واپس لے لے۔ کیا اسے پہلے پتہ نہ تھا کہ یہ حکم بعض لوگوں کے حسب حال نہ ہوگا اور اسے ایک دن واپس لینا پڑے گا۔ علم الہی میں کیا اس طرح کا تغیر و تبدل جگہ پاسکتا ہے؟

ہم کہتے ہیں اس نسخ کی وجہ علم الہی میں تغیر و تبدل نہیں، لوگوں کے حالات میں تغیر و تبدل ہے۔ قوموں کے حالات تبدیلی وقت سے بدلتے رہتے ہیں۔ بدلے حالات میں ان کے مناسب حال جو نیا حکم آئے وہ ان احکام کو جو پہلے حالات کے مناسب تھے بدل دیتا ہے ایسا ہونا خالق کے علم میں

تغیر کے باعث نہیں، مخلوق کے حال میں تغیر کے باعث ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ پہلا حکم کچھ عرصے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ جب وہ مدت انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آگیا، علماء اصول نے نسخ کے معنی انتہا امر حکم کسی حکم کی مدت کے انتہا کو پہنچنے کے لیے ہیں۔ جب وہ مدت اپنی انتہا کو پہنچی تو نیا حکم آگیا۔

نسخ کے دو مفہوم

- فقہاء کی اصطلاح میں نسخ کا اطلاق دو طرح سے ہوتا ہے۔
- ① کسی پہلے حکم کو کسی نئے حکم کی بنا پر سرے سے ختم کرنا۔
 - ② کسی پہلے عام حکم کو کسی دوسری نص کے تحت خاص کر دینا یا کسی مطلق حکم کو کسی اور نص کے تحت مقید کر دینا۔

لفظ نسخ کے ان دو طرح کے اطلاقات کے باعث منسوخ آیات یا منسوخ احکام کی گنتی میں خاصا اختلاف ہو گیا۔ گو ہر اطلاق اپنی جگہ حق اور درست ٹھہرے۔ اس اشتباہ سے بچنے کے لیے نسخ کی اس دوسری قسم کو بعض علماء نے تخصیص العام یا تقیید مطلق کا نام دیا ہے۔

کسی حکم کے سرے سے ختم ہونے کی مثالیں

- ① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات امت میں پانچ نمازیں قائم کرنے کا حکم ملا۔ اگلے دن حضرت جبریل آئے اور انہوں نے نماز کے اوقات اور کس کی اوقات بھی بتلائی۔ اُن میں قبلہ بیت المقدس تھا جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نمازیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے ہی پڑھتے تھے۔

پھر حکم آیا کہ نماز میں رُخ کعبہ کی طرف کریں اور پہلا حکم سرے سے بدل گیا اس میں اتنی مہلت بھی دہلی کہ وہ نماز جو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے شروع کی گئی تھی اسے مکمل کر لیا جائے۔ اتنا بھی نہیں آپ بجاالت نماز ہی اُدھر پھر گئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا اُدھر منہ کر کے نماز پڑھنا غلط تھا بلکہ فرمایا ہر جہت

خدا کے لیے ہے۔ مشرق و مغرب دونوں خدا کے ہیں جسے چاہے ہمیشہ رہنے والی راہ کی ہدایت
بجٹے۔ مسلمان پہلے جس قبیلے پر تھے اسے اب دوسرے قبیلے سے بدلا گیا۔ اس نسخ پر اعتراض کرنا
کسی عقلمند کا کام نہیں خدا جو چاہے حکم دے۔ مگر بیوقوفوں کو نسخ سمجھ میں آجائے یہ بڑا مشکل
مسئلہ ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبَلِهِمُ الْمَثَبَ الْأَنْتَىٰ كَانُوا عَلَيْهَا قُلُ اللَّهُ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (پ البقرہ ۱۳۲)
ترجمہ۔ بے وقوف کہیں گے مسلمانوں کو کس چیز نے اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر
وہ پہلے تھے آپ کہہ دیں مشرق اور مغرب دونوں خدا کے لیے ہیں وہ جسے
چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

② قرآن کریم میں حکم تھا کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آئے تو وہ والدین اور اقربین
کے لیے وصیت کرے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ أَنْ تَرَكُوا خَيْرًا لِّوَصِيَّةٍ لِلْوَالِدَيْنِ
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْعُرْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ۔ (پ البقرہ ۱۸)

ترجمہ۔ تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آجائے
تو وہ وصیت کرے اگر وہ مال چھوڑ رہا ہے والدین کے لیے اور دوسرے
اقربین کے لیے جانے بچانے طریقے سے۔ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے جب ہیئت
میراث اُتری جس کے وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیئے تو اب والدین اور اقربین کے لیے حکم
وصیت جاتا رہا۔ وہ آیت جس نے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے ہیں وہ نسخ ہو گئی اور یہ آیت
وصیت منسوخ ہو گئی۔ اس آیت وصیت کی نسخ آیت یہ ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرُمُ لِلْحَقِّ الْأُنثَىٰ۔ (پ النساء ۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حق دو لڑکیوں
کے برابر ہو۔

اب اس حکم کے ہوتے ہوئے فوت ہونے والے کے لیے وصیت کرنے کا کیا موقع رہا۔
 (۳) پہلے حکم تھا کہ کفار اپنے سے دس گنا بھی ہوں تو اپنے میں صبر کی صفت پیدا کر کے ان سے
 لڑ جاؤ۔ ایسے میں دوسو پر غالب آئیں گے۔ یہ بشارت بھی سنائی۔

یا ایہا النبی عرض المؤمنین علی القتال۔ ان یکن منکم عشرون صابرون
 یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفامن الذین کفروا
 بانہم قوم لا ینفقون۔ (پٹ الانفال ۶۵)

ترجمہ۔ اے نبی شوق دلاؤ لوگوں کو جہاد کا۔ اگر ہوں تم میں سے بیس مرد صبر کرنے
 والے وہ غالب آئیں گے دوسو پر اور اگر ہوئے تم سو تو غائب آئیں گے
 ہزار کافروں پر اس لیے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرمائی اور پہلے مخاطب کو بدل دیا اور کہا۔
 الا ان خفت اللہ عنکم و علم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرة
 یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع
 الصابین۔ (پٹ الانفال ۶۶)

ترجمہ۔ اب اللہ تعالیٰ نے بوجھ لپکا کر دیا ہے تم پر اور اس نے جانا کہ تم میں سستی ہے
 سو اگر ہوں تم میں سے سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب آئیں گے دوسو
 پر اگر حکم سے اور اللہ بے شک صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

الا ان خفت اللہ عنکم کے الفاظ پہلے اطلاق کے منسوخ ہونے پر صریح دلالت کرتے ہیں۔
 یہ سوال کہ اب پہلا حکم قرآن پاک میں موجود کیوں ہے سو اس میں بھی ایک حکمت ہے ذرا
 اس پر غور کریں۔

قانون کا اپنا ایک ارتقار ہے جو فطرت اور حالات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پہلے سلمان
 بہت کم تھے ان کا تعلق اتنا اونچا رکھنا ضروری تھا کہ اپنے سے دس گنا زیادہ سے بھی لڑنا پڑے
 تو لڑ جائیں لیکن جب ان میں قرار آنے لگا اور تعداد بڑھنے لگی تو اب اسباب و وسائل کو ساتھ لیتا
 اور حالات کا جائزہ لیتا بھی ان کے لیے ضروری ہو گیا تو مومن کی تربیت میں اس اصول کو زیادہ دیر

تک نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سو ارتقاء کا تقاضا تھا کہ اب کارکردگی میں کچھ نرمی کی جائے۔
اب دھڑل آیتوں کا ساتھ ہونا بتاتا ہے کہ اسلام میں تمدن اور فطرت انسانی کو کس طرح
ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے قرآن کریم میں اگر کچھ انبیاء کے واقعات مذکور ہو سکتے ہیں تو اس امت
کے پہلے دور کے حالات اور واقعات کا ذکر کیوں نہیں ہو سکتا؟ مسلم معاشرہ کس طرح ارتقاء کو پہنچا
ہے یہ اس کی ایک تاریخ بھی ہے۔

⑤ احادیث میں بھی اس طرح بعض احکام کے منسوخ ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ انحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزورها۔

ترجمہ میں ہمیں پہلے قبروں پر جانے سے روکتا تھا اب یہ بھی نہیں رہی۔ تم
جاسکتے ہو۔

یہ چار مثالیں پہلے حکم کے ہٹا اٹھ جانے کی ہیں تین قرآن قرآن کریم سے ہیں اور ایک حدیث
سے ہے۔ اب ہم نسخ کے دوسرے اطلاق کی بھی چند مثالیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔

کسی حکم کے عموم کا نسخ

① قرآن میں حکم دیا گیا:-

والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء۔ (پ البقرہ ۲۳۰)
ترجمہ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے لیے انتظار کریں تین پیریز کی
عدت۔

یہ حکم ظاہر ان طلاق شدہ عورتوں کو بھی شامل ہے جو ابھی خاوندوں کے پاس نہیں
اور ان کو بھی شامل ہے جو بولی ہیں اور حاملہ ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔
تین ماہ نہیں۔ لیکن یہ اہمیت اپنے عموم سے سب کو شامل ہے۔ سو جب تک ان دو طرح کی مطلقات
کا حکم علیحدہ موجود نہ ہو یہ حکم سب طرح کی مطلقات کو شامل سمجھا جائے گا۔

پھر یہ حکم نازل ہوا :-

وَإِذَا انْكِحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ
مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا. (پاک احزاب ۴۹)

ترجمہ: جب تم عورتوں سے نکاح کرو اور پھر ان کو بہانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان کے ذمہ کوئی عدت نہیں ہے تم شمار میں لاؤ۔
اس آیت نے ازدواج مدخلہ بہا کو اس پہلے عموم سے نکال دیا یہ اصل حکم کا نسخہ نہیں اس کے عموم کا نسخہ ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :-

وَأَدْلَاتِ الْأَسْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ
يُسْرًا. (پاک الطلاق ۶)

ترجمہ: اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے ان کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جن میں اور جو کوئی
ڈرتا ہے اللہ سے وہ کر دے گا اس کے کام کو آسان۔

سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حکم نکاح والی عورتوں کے بارے میں ہے وہ طلاق کی
صورت میں بچہ جننے تک عدت گزاریں گی۔

سورۃ الاحزاب اور سورۃ الطلاق کی ان آیات نے سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیات کا عموم
باقی نہ رہنے دیا بعض علماء اسے بھی نسخ سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب ایک اور مثال لیجئے :-

② جو لوگ کسی پاکہ امین عورت پر زنا کی تہمت لگائیں ان کی سزا قرآن پاک میں اتنی دُرے
ٹھہرائی گئی ہے :-

وَالَّذِينَ يَمُونُ الْمُعَصَّاتِ ثُمَّ لَعْنًا يَدْرَعُ شَهَادَةُ جُلْدِهِمْ ثَمَانِينَ
جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (پاک النور ۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو نکاح میں آئی عورتوں پر تہمت لگائیں اور (اس پر) چار گواہ
دلا سکیں تو انہیں اتنی کوڑے (قذف کی حد) لگاؤ اور پھر آئندہ ان کی گواہی

کہیں قبول نہ کرو وہ اللہ کے ہاں خاسق ہو چکے۔

یہ حکم ہر تہمت لگانے والے کے لیے عام تھا وہ کسی اور نکاح والی عورت پر الزام لگانے یا اپنی بیوی پر تہمت لگانے۔ مگر قرآن پاک کی اگلی آیت نے اس تہمت لگانے والے کو جو اپنی بیوی پر تہمت لگاتا ہے اس آیت کے عموم سے نکال دیا اور اس کی ایک اور صورت بھی نکل آئی اب یہ حکم اس سببے حکم کے عموم کا نسخ ہو گا۔

وَالَّذِينَ يَمِينُونَ اِذْ وَاٰهُمْ لَوْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ
اَرْبَعٌ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ
اِنَّهُ كَانَ مِنَ الْكَٰذِبِيْنَ۔ (پہلا النور ۶۶ء)

ترجمہ۔ اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر (زنائی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس اپنے
سوا کوئی گواہ نہ ہو تو ان میں سے ایک کی گواہی کہ وہ سچا ہے (چار دفعہ دینے سے)
چار شہادتیں شمار ہوں گی اور پانچویں دفعہ وہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر
اللہ کی لعنت آئے۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن میں دیئے گئے بعض عموم قرآن کی دوسری آیات سے منسوخ بھی ہوئے
ہیں۔ اب ایک اور مثال لیجئے۔

④ مسلمانوں کو جن چیزوں کے کھانے سے منع کیا گیا اس فہرست میں مطلق خرن کا بھی ذکر ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَنَازِيرِ وَمَا اَهْلُ الْكِتَابِ يَكْفُرُونَ بِهِ... الْمَائِدَةُ
(پہلا المائدہ ۳۰ء)

ترجمہ۔ تم پر حرام، خون، لحم خنزیر اور وہ (حلال) جس پر اللہ کے سوا کوئی نام پکارا
گیا تم پر یہ سب حرام ٹھہرائے گئے ہیں۔

قرآن کریم میں یہی حکم دوسرے مقام پر آیا اور خرن کے ساتھ بہتے ہوئے کی قید لگادی اب
اس سے مطلق خرن کے حرام ہونے کا حکم اُٹھ گیا۔

قُلْ لَا اَجِدُ فِيمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مَحْرُومًا عَلٰی طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ
دَمًا مَّسْفُوحًا اَوْ لَحْمَ خَنَازِيْرٍ فَاِنَّهٗ رَجَسٌ۔ (پہلا الانعام ۱۴۵ء)

ترجمہ آپ کہہ دیں میں اس وحی میں جو مجھ پر آئی ہے کسی چیز کو کسی کھانے والے پر حرام نہیں پایا مگر یہ کہ وہ چیز مُردار نبی یا خون جو جہتہا ہو یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا وہ ناجائز ذبیحہ جس پر پکارا گیا اللہ کے سوا کوئی اور نام۔
 مہتاہو اخون زولقینا حرام رہا لیکن مجھے ہوئے خون کا کیا حکم ہے؟ یہ بڑی کے اوپر جمانظر آئے۔ پھر کلیجی اور تلی (کبد اور طحال) بھی تو مجھے خون میں ان کی آگے تفصیل ہے اور ان کے اپنے احکام ہیں۔

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک آیت میں مطلق خون کو حرام بتلایا اور دوسری میں اس میں قید آگئی جس سے پہلا اطلاق جاتا رہا یہ بھی ایک طرح کا نسخ ہے۔

نسخ کی دوسری قسم میں دواہم باتیں

① تفصیل عام یا تقیید مطلق سے عموم یا اطلاق میں جو چھوٹ ملی اسے نسخ کہنا چاہیے۔ یا اسے صرف ان اصطلاحوں سے ذکر کیا جائے اس میں علماء کے اپنے اپنے عقائدات میں جنہوں نے اسے نسخ کہا ان کے ہاں منسوخ آیات کی تعداد کہیں بڑی ہو گئی اور جو اسے نسخ نہیں کہتے ان کے ہاں منسوخ آیات بہت کم رہیں گے۔ سو منسوخ آیات کی گنتی میں اختلاف ان مختلف پیرایوں کے باعث ہوا نفس مسئلہ میں سب کے سب متفق رہے ہیں۔

② سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں تفصیل عام اور تقیید مطلق واقع ہے لیکن اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ۔

① ان آیات کے نزول میں مقدم اور مؤخر کون سی آیت ہے۔

② ان دونوں میں مؤخر آیت پہلی آیت سے کتنا بعد نازل ہوئی اور

③ دوسری آیت کے نازل ہونے سے پہلے پہلی آیت کا فقہی حکم اب کیا ہے؟

جامعہ مصر کے شیخ الفقه علامہ محمد خنصری بیگ نے یہاں ایک نہایت مفید نوٹ دیا ہے۔
 دین و شریعت کے مکمل ہو جانے کے بعد عام اور ان آیتوں کی حیثیت ایک ہی
 نص کی ہو جاتی ہے جن میں کوئی اشتہار پایا جاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اب اللہ

تعالیٰ نے اس بات کی کہیں نشاندہی نہیں فرمائی کہ ان میں سے کون سی اہیت
 پہلے نازل ہوئی اور کون سی بعد میں۔ اور علماء نے بھی یہ بات جاننا کوئی
 مقرر نہیں سمجھا۔ کیونکہ مآل کا یہ دونوں آیتیں ایک ہی اہیت کے حکم میں ہیں۔
 نسخ کی پہلی قسم کہ کوئی حکم سرے سے اٹھ جائے قرآن پاک میں موجود ہے یا نہیں۔ اور
 اگر ہے تو وہ آیتیں کتنی ہیں اور کیا ان میں بھی کوئی دور کا ایسا پہلو باقی رہا ہے جس کی وجہ سے وہ
 قرآن پاک میں باقی رکھی ہیں ان پر ہم انشاء اللہ آگے چل کر بحث کریں گے یہاں صرف مفہوم
 نسخ بیان کرتا تھا جس کے لیے ہم نسخ کی دونوں قسموں سے کچھ کچھ باتیں طلبہ کے سامنے پیش
 کر دی ہیں۔

ہم پہلے وضاحت سے کہہ آئے ہیں کہ نسخ میں خالق کے حکم میں تغیر کا کوئی پہلو نہیں مخلوق
 کے حال میں تغیر کے باعث کوئی حکم اٹھتا ہے اور کوئی نیا حکم آتا ہے اور تکمیل شریعت کے دوران
 ان احکام کی بہت وسعتیں ہیں۔

نسخ میں عیسائیوں کا اختلاف

اہل اسلام اصولاً احکام الہی میں نسخ کے قائل ہیں، قرآن کریم اپنے بعض احکام یا اپنی
 بعض آیات کو منسوخ کرتا ہے یا نہیں یہ مسلمانوں کا اپنے اندر کا اختلاف ہے تاہم اس پر سب
 اہل اسلام متفق ہیں کہ قرآن پاک نے اپنے سے پہلی کتابوں کو منسوخ کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بنی فہرغ
 انسان کی ہدایت کے لیے مختلف وقتوں میں مختلف احکام اتارتے رہے ہیں اور اس کا احکام کو بدلنا
 لوگوں کے بدلے احکام کی وجہ ہوتا رہا ہے۔

اہل کتاب اصولاً احکام الہی میں نسخ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں خدا اپنے کسی حکم کو بدلے
 اس سے وہم ہوتا ہے کہ حکم الہی میں تغیر ہوا اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

ہم اس نسخ پر پہلے اپنی اندرونی شہادتیں پیش کرتے ہیں اور پھر ہم نئے عہد نامے
 سے پُرانے عہد نامے کے بعض احکام کا نسخ بھی بتوائیں گے۔ والذوق بیدہ اللہ تعالیٰ۔

حضرت عیسیٰ کی آمد سے بعض احکامِ تورات کا نسخ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے شریعتِ تورات پر ہی آدھی تھی حضرت موسیٰ کے بعد انہی اے سب نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے اس وقت تک تورات میں اُردہ ہدایت موجود تھا۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيْهَا هُدًى وَنُورٌ يَّحْكُمُ بَهَا الْبَاقُونَ۔ (پک المائدہ ۴۴)

ترجمہ بے شک ہم نے تورات اُتاری اس میں ہدایت تھی اور روشنی بھی (آئینہ آنے والے) نبی اس کے مطابق فیصلہ دیتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو آپ نے فرمایا۔

وَمَعَكُمْ قُلُمًا يَدْعُو مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا تَحِلُّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ۔ (پک آل عمران ۵۰)

ترجمہ اور میں تصدیق کرتا ہوں تورات کی جو میرے سامنے ہے اور میں حلال کرتا ہوں بعض ان چیزوں کو جو تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں۔

یہ ایک پیغمبر کی بات ہے سو یہاں تحلیل باذنِ الہی مراد ہے اور تحریم بھی وہی جو پہلے خدا کی طرف سے تھی۔ اللہ رب العزت کا حق ہے جسے کچھ حالات کے مناسب حرام کیا گیا تھا اب ان نئے حالات میں اسے حلال کرے یہ فریضہ بھی اب اسی کی طرف سے ہے۔

نئے عہد نامے سے پرانے عہد کے بعض احکام کا نسخ

مقبول باب پنجم میں روایت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

تم مَن بچے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔

یہ دوسری بات (کسی دوسری عورت کو بد نظری سے دیکھنا) شریعتِ تورات میں حرام نہ تھی

نئے عہد نامے میں اسے حرام ٹھہرایا گیا۔ کیا یہ نسخ نہیں؟

پھر متی یہ بھی روایت کرتا ہے کہ آپ نے کہا۔
یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن
میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب
سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی سے بیاہ
کرے وہ زنا کرتا ہے۔

اس سے صاف واضح ہے کہ اپنے حالات کے تحت بیوی کو طلاق دینے کی اجازت تھی
اب اسے صرف زنا سے خاص کرنا کیا اس عہد کو توڑنا نہیں جس کی اب تائید کی جا رہی ہے۔
اور نتیجہ :-

پھر تم سن چکے ہو کہ ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ جب تو قسم نہ کھانا..... لیکن میں تم سے
کہتا ہوں کہ تم شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔
تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ..... اپنے دشمن سے عداوت رکھ لیکن میں تم سے
کہتا ہوں اپنے دشمن سے محبت رکھ۔

اب نئے عہد نامے کے حاطین کو تو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آسمانی کتابوں میں کسی قسم کے
سنج کا بھی اقرار نہ کریں۔

بنی نوع انسان کے تہذیبی ارتقار سے قانون میں تدریج ضروری ہے

قانون حالات کے ساتھ ساتھ مرتب ہوتے ہیں۔ حالات کے بدلنے سے قانون میں تدریج
آتی ہے۔ تو میں میں تہذیبی ارتقا ایک فطری عمل ہے۔ پھر اس کے مطابق قانون میں تبدیلی ایک
اصولی تقاضا ہے۔ اہل اسلام اسے ہی سنچ کہتے ہیں اور میسائیوں کا اس سے اختلاف فالوین فطرت
سے ایک انحراف ہے۔ رہا ان کا یہ اعتراف کہ اس سے علم الہی میں تبدیلی کا گمان پیدا ہوتا ہے ہم اس
کے جواب میں یہ کہیں گے کہ محض گمان کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔

ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔

لہذا عہد نامہ انجیل متی باب دوم

نسخ میں ہرگز علم الہی میں کسی تبدیلی کا گمان نہیں۔ عیسائیوں کو اثنا عشر لوں کے عقیدہ بداء سے یہ وہم ہوا ہے، ہمارے نزدیک نسخ تخصیص اور بداء میں فرق ہے۔ یہ بداء ہے جس میں علم کا ایک نیا پہلو ظہور کرتا ہے، نسخ میں صرف پہلے حکم کی مدت پوری ہوتی ہے۔

نسخ - تخصیص اور بداء

نسخ اور تخصیص میں کوئی عیب کا پہلو نہیں۔ خدا کا کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہوا اور اس وقت کے منتہی ہونے پر وہ حکم باقی نہ رہا، اس سے علم الہی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اسی طرح کسی حکم الہی میں کوئی بات پہلے سے مراد الہی نہ تھی لیکن اسے واضح نہ کیا گیا تھا اب اس کا بیان ہو گیا اور اس حکم میں تخصیص آگئی۔ یہ دونوں باتیں نسخ ہو یا تخصیص کسی پہلو سے شران الہی کے خلاف نہیں۔

ہاں بداء ایک دوسری بات ہے اس میں دوسری بات کا پہلی بات سے ایک برابر کا محکوم ہے اس سے دوسری بات سرے سے سامنے نہیں آتی جب تک پہلی بات کی غلطی سامنے نہ آ جائے۔ نسخ میں پہلی بات کے غلط ہونے کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ سو بداء شران الہی کے بحر خلاف ہے خدا کی کسی بات کو غلط کہنے کی (وہ پہلی ہو یا پچھلی) کوئی مومن جرأت نہیں کر سکتا۔

مآثر نظام الدین اپنے رسالہ علم الہدیٰ فی تحقیق البداء میں بداء کے یہ معنی لکھتا ہے۔

يقال بداءه اذا ظهر له رأي مخالف للرأي الاول

ترجمہ جب کوئی دوسری رائے پہلی رائے کے خلاف سامنے آئے تو اسے بداء کہتے ہیں یعنی یوں ظاہر ہوا۔

یعنی حقیقت یوں نکلی پہلے والی بات صحیح نہ تھی۔

مآثر نظام الدین لکھتا ہے کہ شیخ الطائفہ محمد بن حسن البجھرالطوسی اور شیخ البدائع کراچکی کا یہی مذہب ہے۔ طوسی نے عقدہ میں اور کراچکی نے کنز الفوائد میں بداء کے یہ معنی لکھے ہیں۔ خدا کے لیے بداء تجویز کیا جائے تو اس میں بے شک علم الہی میں تغیر کا ایک گھٹا ایسا ہوتا ہے لیکن نسخ اور تخصیص میں یہ بات نہیں ہے۔

ملہ علم الہدیٰ فی تحقیق البداء ص

اشنا عشریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق کے بعد خدا نے ان کے بیٹے اسماعیل کو امام بنایا لیکن جب والد کی زندگی میں فوت ہو گیا تو پھر خدا نے امام جعفر صادق کے دوسرے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین بنایا۔ ایسا کیوں ہوا؟ خدا کو بدلا ہوا تھا۔
حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس سرخی کے تحت لکھتے ہیں:-

بدار اور نسخ میں اشتباہ کا ازالہ

نسخ حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہو جائے مثلاً رمضان میں روزے رکھنے کا حکم ہے جب عید آتی تو وہ زمانہ آخر ہوا اور اظہار کا زمانہ آگیا یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی..... بدار کی صورت یہ ہے کہ رمضان کے مثلاً روزے رکھنے کا حکم دیا اور کوئی نقصان اس میں معلوم نہ ہوتا تھا اس لیے یوں نہ ٹھہرایا کہ یہ حکم فلاں وقت تک ہے گا پھر یکا یک یہ سو بھی کہ مصیبت وقت اس کے خلاف میں ہے اس لیے اس کو بدل دیا۔ ملے

بدار فی العلم ہر بانی الارادہ بات ایک ہے۔ بدار فی الارادہ کو بھی بدار فی العلم لازم ہے یہ عقیدہ صرف ایک فرقے کے ہاں مجمع علیہ ہے جمہور اہل اسلام نسخ و تنقیص کے قائل ہیں مگر بدار کے قائل نہیں کہ خدا نے امام جعفر صادق کے بعد پہلے اسماعیل کو امام مقرر کیا ہو اور پھر اس کی وفات کے بعد امام موسیٰ کاظم کو امام ٹھہرایا۔ اب اسماعیل کی امامت کے قائل اسماعیلی کہلاتے ہیں اور موسیٰ کاظم کی امامت کے قائلین کو اثنا عشری کہتے ہیں۔ اسماعیلی امام حاضر کے قائل ہیں اور اثنا عشری امام غائب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اثنا عشری کہتے ہیں کہ اسماعیل کو امام مقرر کر کے خدا کو بدلا ہو گیا تھا۔ ماذن اللہ ان کے ہاں عقیدہ بدار خدا کی شان کے خلاف نہیں۔

عقیدہ بدار کا تاریخی پس منظر

ائمہ اہلبیت میں سے یہ عقیدہ کسی کا نہ تھا اس کا اصل موجد مختار ثقفی ہے۔ مختار ثقفی ایک

جہو نامی بڑت ہوا ہے۔ وہ آئندہ ہونے والے بہت سے احمد بنو نے کاشعبدہ باز تھا اور انہیں ہی وہ اپنے معجزات بتلاتا تھا اگر اس کی وہ بات واقع کے مطابق اُترتی تو اس کی بات چل جاتی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کہتا خدا نے اب اس کا ارادہ بدل لیا ہے اسے بد ہوا ہے اس لیے اب اس نے پہلے کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ حلقہ اسلام میں عقیدہ بد اس کی ایجاد ہے۔ اثناعشری علماء نے خواہ مخواہ اسے اہل بیت کی طرف منسوب کر دیا اور اب کتابوں میں یہ عقیدہ انہی کے نام سے چل رہا ہے۔

یہود کا انکار نسخ

یہود کے انکار نسخ کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ نسخ اور بد میں فرق نہ کر سکے۔ بد کے غلط نتائج سے بچنے کے لیے انہوں نے نسخ کا بھی انکار کر دیا۔ عیسائیوں کے انکار نسخ کی وجہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت مسیح کے بعد کسی نبی کے آنے کے قائل نہ تھے اور خود ان کے پاس اپنی کوئی شریعت نہ تھی سوا انہیں بطور تاریخ پرانے مہینہ نامے کو ساتھ رکھنا ضروری تھا لیکن یہود اس کے اسی لیے قائل نہ ہو سکے کہ وہ نسخ اور بد میں فرق نہ کر سکے تھے۔

لبنان کے مشہور فاضل ڈاکٹر صبحی صالح اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں:-

نسخ اور بد کے مابین فرق اور امتیاز

محققین نسخ یہ بھول گئے یا انہوں نے دانستہ اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نیا حکم دے کر پرانے حکم کو منسوخ کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کو کوئی ایسی بات سوجھی جو اسے پہلے معلوم نہ تھی..... حکم و مصالح لوگوں کے بدلتے رہتے رہتے ہیں اور مخصوص ظروف و احوال کے پیش نظر ان میں تبدیلی آجایا کرتی ہے..... اس کے پیش نظر نسخ اور بد باہم مشتبہ نہیں رہ سکتے۔ صلہ

ڈاکٹر صاحب موصوف پہلے صاف نقطوں میں بتلا چکے ہیں۔
 نسخ فوائد مصاحح پر مبنی ہے اور عقیدہ ہدای کی اساس قبح و فساد پر رکھی
 گئی ہے۔

نسخ فی الاحکام اور نسخ فی الاخبار

نسخ فی الاحکام تو سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی حکم کسی خاص وقت تک کے لیے ہو اور جب وہ
 وقت اٹکے تو وہ وقت اٹھ جائے لیکن نسخ فی الاخبار کسی طرح سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ پھر خبریں
 بھی دو طرح کی ہوتی ہیں ایک وہ جو ماضی اور حال کی ہوں اور دوسری وہ جن کا تعلق مستقبل سے ہو اللہ
 کی دی ہوئی خبریں خلاف واقع نہیں آتیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ نے ۱۸۸۸ء میں خبر دی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم زندہ ہیں اور مرزا غلام احمد نے
 اسی طرح اس عقیدے کو بیان کر دیا۔ پھر مرزا غلام احمد نے میں کہا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔
 اور وہ اب فوت نہیں ہوئے بلکہ قرآن پاک میں ان کی وفات واقعہ مذکور ہے۔ قادیانی مبلغ یہاں
 نسخ کی بحث چلاتے ہیں اور کہتے ہیں جس طرح آنحضرتؐ نمازیں پہلے بیت المقدس کا رخ کرتے رہے
 اسی طرح مرزا غلام احمد حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے رہے۔

ہم کہتے ہیں نسخ احکام میں ہوتا ہے اخبار میں نہیں ہوتا۔ یہاں یا پہلی بات غلط ہے یا کچھلی
 بات۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مرزا غلام احمد کی یہ دونوں باتیں صحیح ہوں۔ ہاں حضرت عیسیٰ نے ۱۸۸۸ء کے
 بعد کسی وقت وفات پائی ہو تو البتہ دونوں باتیں اپنے اپنے وقت میں صحیح ہو سکتی ہیں اور یہ نسخ فی الاخبار
 نہیں ہوگا۔

مرزا غلام احمد نے پہلے جب حضرت عیسیٰ کے زندہ ہونے کی خبر دی اس وقت بھی وہ بقول
 خرد طہم ربانی اور مامورینہ دانی تھا۔ پھر اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ حضرت عیسیٰ پر وفات آپ علی ہے اور
 یہ بات قرآن کریم کی میں آیات سے ثابت ہے۔ اب قادیانی مبلغین کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا پہلا
 عقیدہ منسوخ ہو چکا ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں کا پہلا قبلہ منسوخ ہوا اور اب بیت اللہ

کی طرف متحرک کے نماز پڑھتے ہیں تو یہ بات ہرگز صحیح نہیں۔ یہ اس لیے کہ نسخ فی الاحکام تو حق ہے ہم یہ نسخ فی الاخبار کیسے مان لیں، حکم وقت بدلنے پر بدل جاتا ہے لیکن خدا کی دی ہوئی خبریں خصوصاً جو ماضی سے متعلق ہوں کبھی نہیں بدلتیں۔ اگر ایسا ہو تو اس کا نام کھٹلے لفظوں میں جھوٹ ہوگا۔
اعاذنا اللہ منہ۔

کتاب مقدس میں نسخ کے شواہد

ہم اہل کتاب سے عرض کرتے ہیں بہن بھائی کا نکاح عہد آدم میں درست تھا جن سے اس کے بے شمار مرد و عورت پیدا ہوئے۔ پھر آگے صرف اخیانی بہن بھائیوں میں نکاح رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ حضرت ابراہیم کی ملائی بہن تھی (تورات سفر تکوین باب ۲۰) کیا پھر یہ نکاح جائز رہا؟

شرعیات تورات میں بہن بھائیوں کا آپس میں نکاح حرام ہے (تورات سفر اہل بلب ۱۸) کیا یہ نسخ نہیں؟

کن کن جانوروں کا کھانا حلال ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے لیے تمام جانور جو زمین پر چلتے ہیں حلال تھے (سفر تکوین باب ۹) مگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں کئی جانور حرام ہو گئے، خنزیر کی ذروت بھی سفر اہل بلب کے باب میں مذکور ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے وقت میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں خود ان کے نکاح میں ان کے ماموں کی دو بیٹیاں لیا اور راحیل تھیں۔ (سفر تکوین باب ۲۹)

موجودہ عیسائیت پولوس Paul سے چلی ہے اس نے جو احکام بدلے ہم اسے نسخ منہیں تحریف دین میں لائے ہیں تاہم پادریوں کو حق ہے کہ وہ اس کا کوئی اور نام رکھیں

① فقہ کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں ایک ابدی حکم تھا (سفر اخبار باب ۱۲) خود حضرت مسیح کا غنہ ہوا (انجیل لوقا باب ۲) لیکن پولوس نے اس حکم کو بالکل روک دیا اس نے جو غلطیوں کو کھٹا اس کے پانچویں باب میں یہ منع مذکور ہے اور عیسائی قومیں اب تک اس نسخ پر عمل پیرا ہیں وہ غنہ نہیں ہوتیں۔

① شریعتِ تورات میں بہت سے جانور حرام تھے پولوس نے ان سب حلال کر دیا طیطوس کو اس نے لکھا کہ پاکوں کو سب چیزیں پاک ہیں بابِ اول کو دیکھ لیجئے۔

② تورات کی رو سے ہفتہ کے دن کی تعلیم واجب تھی جو اس روز چھٹی نہ کرے گردن زدنی سمجھا جاتا تھا (سفر نکوین باب ۲ سفر خروج باب ۲۰) پولوس نے اہلِ رومنہ اور طیطوس کو جو خط لکھا ان میں اس نے اس حکم کو بالکل منسوخ کر دیا۔

③ حضرت عیسیٰ کے حواریوں نے شریعتِ تورات کے چار احکام حرمت باقی رکھے۔ ۱۔ ذبیحہ ضم۔ ۲۔ دم منسوخ۔ ۳۔ مختلفہ۔ ۴۔ زنا (حواریوں کے اعمال باب ۱۵) پولوس نے پہلے تین منسوخ کر دیئے اور زنا پر بھی کوئی سزا معین نہ رکھی۔ گویا کل شریعت ہی گئی۔ شریعت پر عمل کرنے کو پولوس نے لعنت کا نام دیا اور مذاہب کی دنیا میں ایک نئی فکر ایک نئی لائن اُٹھ گئی کہ تم خونِ مسیح کے وسیلہ سے جنت میں داخل ہو گے۔

شریعت کی راہ سے نہیں کیا یہ خدا تک پہنچنے کی پہلی راہ میں ایک کھلی تبدیلی تھی۔ ۹۔ مذاہب کے اس غلط تصور میں عیسائی کہاں تک بچکے اسے مارٹن لوتھر کی دباں سے سینئے۔ خوب دلیری سے گناہ کرو اور ایک دن میں ہزار دفعہ حرام کاری اور خونِ کرو گویا ایمان رکھو تمہارے لیے ایسی نجات یقینی ہے جس طرح کہ مسیح کے لیے۔

پادری حضرات بعض اوقات لاجواب ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ پولوس کی تبدیلیوں سے نسخ کی راہ نہیں کھلتی وہ پیغمبر تو نہیں تھا جم کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے خود بھی تو اپنا زاد راہ سفر میں ساتھ رکھنے کا حکم بدلا تھا تو قاتل آپ سے بلا سند متصل روایت کرتا ہے۔

کچھ اسباب سفر ساتھ نہ لو (باب ۹) اور پھر کہا اسباب سفر ساتھ لے لو (باب ۲۲) پھر اہل اسلام احکامِ الٰہی میں نسخ سے محکوم نہیں۔ نئے دور کے نئے نئے احکام بھی خدا کی شان کے خلاف نہیں ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پہلا حکم غلط تھا۔ نہیں وہ حکم جتنے وقت کے لیے تھا اب زمانہ اسے عبور کر گیا ہے نسخ انتہا اسرا حکم کو کہتے ہیں کہ وہ حکم اپنی مدت کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔

۱۔ پولوس کا خط اہل غلامیہ کے نام باب ۱۔ سرۃ الصدق ۲۔ مصنفہ پادری میڈیلے مطبوعہ ۱۸۵۱ء کو الزمہ مقدسہ تفسیر حقانی

اسلامی احکام میں سختی نہیں

وہ روحانی سختیاں جن سے موت کے قدموں کی آہٹ منہایت قریب سے سنائی دینے لگے اور وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مزقے جو نفس کشی تک جا پہنچیں، اسلام نے لایکلف اللہ نفساً الاّ بمعہا کہہ کر ان سب کی راہ بند کر دی۔ فطرت انسانی کا احترام کیا اور لوگوں کو دنیا میں رہ کر خدا کے تابع رہنے کے آداب سکھائے۔

① روزہ جو تزکیہ نفس اور اپنے ناجائز دلی جذبات کو تابع رکھنے کی بہترین تربیت ہے اس کے بارے میں صاف کہہ دیا کہ اگر طاقت نہ ہو تو چند مسائل کو کھانا کھلوا دیا کریں۔ سفر کی ضرورت سامنے ہو تو روزہ دوسرے دنوں سے بدل کر رکھ لیں اس میں پہلے عام حکم کی تیغ نہیں، روزہ کی فطرت انسانی سے رحم لانا تطبیق ہے۔

② اسلام میں پہلے رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانے کی ممانعت تھی قرآن کریم میں اس حکم کی منسوخی کا بیان ہوا۔ پہلا حکم قرآن کریم میں صرف کذا کتب علی الذین من قبلک کی تاریخ میں لپٹا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اتنے حصے کو منسوخ کر دیا اور اب رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا جائز ٹھہرا۔ ارشاد ہوا:-

احل لکھ لیلۃ الصیام الرضا الی شائکھ من لباس لکھ وانتم لباس طن۔

(صحیح البخاری ۱۸۷)

ترجمہ حلال ہوا تم پر روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے بے حجاب ہونا وہ پر شک ہیں مہاروی اور تم پر شک ہوا ان کی۔

حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:-

حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ غم شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے۔

اس میں کذا کتب علی الذین من قبلک کے اطلاق کو منسوخ کیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں نسخ کے اندرونی دلائل

ما ننسخ من آية او ننسخها نأت بخير منها او مثلها المرعظمان الله على كل
شئ وقدير (پہلے البقرہ ۱۲۹)

ترجمہ: جو منسوخ کر دیتے ہیں ہم کوئی آیت یا مٹلا دیتے ہیں اسے تو صحیح دیتے ہیں
اس سے بہتر یا اس جیسی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔
حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:-

یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوئی ہیں۔ اگر یہ کتاب اللہ کی
طرف سے ہوئی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو
پہلے سے نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن
حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اب
دوسرا حکم مناسب ہے۔

نوٹ: مشیت سے مراد قدرت میں مشیت نہیں۔ مشیت کسی بھی پہلو سے ہو سکتی ہے
اور ایک آیت سے کئی آیات بھی منسوخ ہو سکتی ہیں۔

② واذا بدلنا آية مكان آية والله اعلم بما ينزل قالوا انما انت مفتون

(پہلے النحل ۱۶)

ترجمہ: اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ خوب جانتا ہے
وہ کیا آتا رہا ہے تو کہنے لگتے ہیں تو خود بات گھڑتا ہے۔

یہ بات نہیں مگر اکثر لوگ ان میں خبر نہیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں:-

پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں۔ موقع بہ موقع آیات نازل ہوتی تھیں ان
میں بعض وقتی احکام بھی آئے تھے۔ پھر وہ سرے وقت حالات تبدیل ہونے پر

دوسرا حکم اہم تھا بخلاف ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہتھیاروں کے رکھنے کا حکم
 تھا ایک زبان پر اجازت دی گئی۔ ابتداء میں حکم تھا قتل القلیل الا قلیلاً نصفہ
 تھوڑی مدت کے بعد کہ میں یہ آیات نازل ہوئیں علم ان لن تحصوہ
 قتال علیکم فاقروا واملئو من القرآن۔ کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے
 کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے معاذ اللہ پہلے بے خبری سے
 ایک بات کا حکم دیا تھا پھر خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام
 آپ خود بتاتے ہیں ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ
 دوسرے دن کچھ اس طرح کے شبہات و دساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں
 کے دلوں میں اتار کر اس کا جواب دیتے ہیں کہ مہربان یہ اعتراض محض جہالت
 سے ہے ہم کو اگر نسخ کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے
 نسخ کا مطلب صوف اس قدر ہے کہ ایک میعاد کی تکمیل کی میعاد پورا ہونے پر
 دوسرا حکم بھیجا جائے ۛ

② اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا آپ ہمارا پڑھایا قرآن میں سے بھولیں
 گئے جس حصے کا نسخ ارادہ الہی میں ہو گا ورنہ ہمارا پڑھایا آپ کبھی نہ بھولیں گے۔
 سنقرک فلا تنسی الا ما شاد اللہ۔ (نہ الا علی ۷۶)

ترجمہ البتہ ہم پڑھائیں سچہ کو ایسا کہ پھر تو نہ بھولے گا مگر وہی جسے چاہے اللہ
 حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں :-
 تم کو آہستہ آہستہ کامل قرآن پڑھا دیں گے اور ایسا یاد کرادیں گے کہ اس کا
 کوئی حصہ بھولنے نہ پاؤ گے بجز ان آیتوں کے جن کا بھلا دینا ہی مقصود ہو گا
 کہ وہ بھی ایک قسم نسخ کی ہے ۛ

یہاں نسخ کی بات قرأت سے متعلق کی گئی ہے قرأت قرآن پڑھنے کا نام ہے اور اس میں
 نسخ واقع ہونے کی خبر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ جن آیات کی یاد آپ کے حافظہ سے اٹھالیں سمجھیں کہ
 ۛ فوہ قرآن صلا ۛ ایضاً ص ۷۷

وہ آیات منوعہ التلاوة ہو گئیں۔

④ پہلے دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں، لیا اور راحیل دو حقیقی بہنیں تھیں دو لڑکیاں حضرت یسوعب کے مامل لابن کی بیٹیاں تھیں اور دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں قرأت میں ہے ۔

لابن نے کہا بھالے ملک میں یہ دستور نہیں کہ چھوٹی کو چوٹی سے پہلے بیاہ دیوں اس کے ساتھ ایک ہفتہ پورا کر ... ہم بے بھی تجھ کو دیں گے
(کتاب پیدائش پ ۲۹)

پھر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ جواز منسوخ کر دیا گیا۔ قرأت میں ہے ۔
اور تو کسی عورت کو اس کی بہن سمیت جو دوست کرنا کہ اس کی بھی بربکی ظاہر کرے پہلی کے جیتے جی کہ یہ اس کا جلا نا ہے۔

(کتاب احبار باب ۱۸ آیت ۱۵)

قرآن کریم میں بھی جمع بین الاختین کو منع کیا گیا۔ شریعت محمدی میں اسے اتنی وصعت دی گئی کہ بھوپھی اور بھتیجی یا خالہ اور بھانجی بھی ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کی سکتیں۔ قرآن کریم میں یہاں حرمت کے دوسرے رشتے بیان فرمائے۔ وہاں یہ بھی فرمایا ۔

وان تجمعو اربع الاختین الا ما قد سلف۔ (سک ۲۴)

ترجمہ۔ اور حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کر دو مگر یہ کہ جو پہلے ہوتا رہا۔

یہ الا ما قد سلف میں بتا دیا گیا کہ قدیم الاہام میں اگر ایسا ہوتا رہا ہے تو وہ منع میں نہیں تھا لیکن اب کے بعد دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

⑤ اسلام میں پہلے مظلومیت میں دنیا ہی دینا تھا ۔

اذن للذین یقاتلون باعدہم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرہم لبقدر۔ (کج ۲۹)

ترجمہ۔ اذن دے دیا گیا ہے ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں (لڑنے کا) اس لیے کہ ان پر ظلم کیا جاتا رہا اور بے شک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

یہ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ اس سے پہلے ظالموں سے لڑنے کی اجازت نہ تھی لیکن اب وہ پہلا حکم کہہ رہے ہیں اور ظلم سہتے رہو مفرج ہو گیا۔

⑥ پہلے دور میں مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے مفرج چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا قبلہ (کعبہ ابراہیمی) مسجد حرام ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (پ البقرہ ۱۴۴)

ترجمہ بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار تیرے چہرے کا اٹھنا آسمان کی طرف براۓتہ

ہم پھیر دیں گے تجھے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں۔ سو پھیر لیجئے اپنا رخ

مسجد حرام کی طرف اور جس طرف بھی مسلمانو قم ہو اگر وہ اپنا رخ (نمازیں) اسی

طرف کیا کرو۔

یہ قول کے تعین میں دو جہات کیوں رکھیں؟ پہلے سے ہی مسلمانوں کو کعبہ ابراہیمی پر کیوں نہ لگادیا؟ یہ اس لیے کہ قبلہ اس رسول کی اتباع میں اپنایا جائے۔ بیت المقدس پر لگے لوگ اب محض اس رسول کی پیروی میں مسجد حرام پر لگیں جس کے دل میں بیت المقدس بسا ہوا ہو۔ اب وہ کب اس رسول کی پیروی میں مسجد حرام پر آئے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:-

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعَ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ

عَلَى عَقْبَيْهِ (پ البقرہ ۱۴۴)

ترجمہ اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر کہ تو پہلے تھا مگر اس لیے کہ (بافل)

معلوم کریں کون تابعداری کرتا ہے اس رسول کی (بمقابلہ اس کے) جو پھر جاتا ہے

اپنی ایڑیوں پر اور بے شک یہ بڑا بھاری سر ملے ہے مگر ان پر جنہیں اللہ تعالیٰ

ہدایت پر لگا چکے۔

④ حضرت شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:-

اجتہاد میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لیے ایک ماہ کا کل پے درپے

روزے رکھنا ان کو مہایت شاق تھا تو ان کے لیے سہولت فرمادی گئی کہ اگرچہ

تم کو کوئی قدر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر طاقت نہ ہونے کے سبب روزہ
تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو چاہو روئے کا بدلہ دو
ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ۔
فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایامہ أخر و علی الذیست
یطبقونہ ذیۃ طعام مسکین۔ (پ البقرہ ۱۸۴)

ترجمہ: سو جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر پر جائے تو اس پر روزوں کی گنتی ہے دوسرے
دلوں سے۔ اور جن کو طاقت ہے روزہ کی رو دے سکتے ہیں (روزہ کے عوض)
ایک مسکین کا کھانا (دو وقت کا)

اس آیت میں روزہ چھوڑنے اور اس کا فدیہ دینے کی عام اجازت دی گئی تھی اسے بعد
میں منسوخ کر دیا گیا اب جو بھی اس ہینہ کو پائے روزہ رکھنا اس کے ذمہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فمن شہد منکم الشہر فلیصمه ومن کان مریضاً او علی سفر فعدۃ من
ایامہ أخر۔ (پ البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ: سو جو کوئی پائے تم میں سے اس ہینہ کو تو اس کے روزے ضرور رکھے اور جو
کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس پر گنتی ہے دوسرے دلوں سے۔

پہلے جو تین باتیں کہی گئی تھیں ان میں سے پہلی اجازت منسوخ ہو گئی اور دوسری دو
بدستور باقی رکھی گئیں اب اس آیت نے روزہ کی طاقت رکھنے والے کو روزے کا فدیہ دینے کی
اجازت منسوخ کر دی۔

⑧ پہلے یہ عورت کو ایک سال تک اپنے مرحوم خاوند کے گھر میں رہنے کا حق تھا اس کے
بارے میں قرآن کریم میں اس طرح کہا گیا تھا:-

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ لا ذوا جہم متاعاً الی الحول
غیر اخراج۔ (پ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور چھڑیں عورتیں تو وہ وصیت

کہ جائیں اپنی بیویوں کے حق میں خرچہ ایک سال تک کا بغیر نکالنے کے گھر سے۔
 اس آیت کی رو سے ان بیوہ عورتوں کا ایک سال کا خرچہ گھر والوں کے ذمہ ہوا اور یہ بھی کہ ان
 کو گھر سے نہ نکالیں (وہ خود چلی جائیں تو اور بات ہے)
 جب آیت میراث اُتری اور شریعت نے خود سارے وارثوں کے حصے مقرر کر دیئے تو اب
 مرنے والے کے ذمہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کرنا نہ رہا۔
 حضرت شیخ ابوالہندہؒ لکھتے ہیں:-
 جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا، ادھر عورت کی حدت
 چار بیٹھنے دس دن ٹھہرا دی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔

سنخ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

علوم اسلامی میں نتائج و منسوخ کی بحث ایک بہت لطیف اور پیچیدہ موضوع ہے اس کی تعریف
 اور قیود میں علماء نے بڑی نو شکافیاں دکھائی ہیں اور حق یہ ہے کہ اصولاً اس کا کوئی انکار نہیں کر سکا یہ
 قرآن کریم میں واقع ہے اور اپنی ذات میں یہ کوئی غیب نہیں۔

① سنخ کے لغت میں معنی دائل کر ڈالے اور دہر کرنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:-

فینسخ الله ما يلقى الشيطان . (دخان: ۵۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اس بات کو مٹا دیتے ہیں جو شیطان دل میں ڈالتا ہے۔

فسنعت الشمس الخلق سورج نے سامنے کو دائل کر دیا۔

فسنعت الشيب الشباب بڑھا پے نے جوانی کو دائل کر دیا۔

فسنعت الريح اثا القوم ہوائے قوم کے نشان مٹا دیئے۔

② سنخ بمعنی نقل کرنا عربی میں کہتے ہیں:-

فسنعت الكتاب میں نے کتاب نقل کر لی۔

کتاب کو نسخہ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل کی ایک نقل ہے۔

قرآن کریم میں ہے:-

ماکانہ تستنسخ ماکنہ تعملون (پہ جاۓ ۲۵)

جو جو ہم ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے جو تم عمل کرتے رہے تھے۔

③ نسخ تخریل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ علم وراثت میں تناسخ موارث ایک اصطلاح

ہے اس کی رو سے وراثت ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہو جاتی ہے۔

④ نسخ بمعنی تبدیل

قرآن کریم نے جس طرح ما ننسخ من آیۃ او ننسها (پہ بقرہ ۱۰۹) میں ایک آیت

کا دوسری سے نسخ میں آنا بیان کیا ہے دوسرے مقام پر اسے لفظ تبدیل سے

بھی ذکر کیا ہے۔

واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ (پہ النحل ۱۰۱)

ترجمہ۔ اور جب ہم بدل دیں کسی آیت کو کسی دوسری آیت کے بدلے۔

ان دونوں آیتوں میں لفظ آیت وارد ہے۔ لفظ آیت نشان اور دلالت کے معنی میں بھی

آتا ہے۔

وفي كل شيء له آية تدل على انه واحد

ترجمہ۔ اور اظہر تعالیٰ کا ہر چیز میں ایک نشان ہے جو پتہ دے رہا ہے کہ ذاتی

ایک ذات ہے وحدہ لا شریک ہے

لفظ آیت جب کسی پیغمبر کی طرف نسبت ہو کر آئے جیسے وان یرد کل آیۃ لایؤمنوا بها

(پہ الانعام) واذا جاء حقہم آیۃ (پہ الانعام) واذا راؤا آیۃ یتستخفون (پہ الصافات)

تو اس سے مراد معجزہ اور نشان کے ہیں لیکن قرآن کریم کی نسبت جب یہ لفظ وارد ہو تو اس سے قرآن کریم

کی آیات مراد ہوتی ہیں حکم فہمی میں بھی آیت سے قرآنی آیت ہی مراد لی جاتی ہے۔

نسخ کی جامع اصطلاحی تعریف

کسی حکم شرعی سے کسی پیغمبر دینی حکم کا اٹھ جانا تاریخ میں نسخ کہلاتا ہے نسخ وہ امر ہے جو

کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے

نوٹ: ہم نے یہاں حکم شرعی کے الفاظ استعمال کیے ہیں قرآن کریم کا لفظ تخصیص سے منہیں لکھا کیونکہ نسخ جس طرح قرآن کریم میں ہے اس طرح احادیث میں بھی ہے اور پھر علماء کا ایک گروہ نسخ القرآن بالسنۃ کا بھی قائل ہے ہم نے ان تمام اختلافات کو لپیٹتے ہوئے نسخ کی جامع اصطلاح تعریف لکھ دی ہے۔

نسخ السنۃ بالنسخۃ

① آنحضرتؐ کا حکم تھا کہ قبروں پر نہ جایا کر و پھر آپؐ نے اجازت دے دی کہ چونکہ ان سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے پیچھے روکنے میں حکمت یہ تھی کہ قبروں پر نہ خوانی آہ و فقاہاد اور شرک کی رسمیں راہ نہ پاسکیں جب امت میں کچھ پھٹکی ہوئی آپؐ نے ایک اور بہتری کی خاطر اس کی اجازت دے دی۔
عن یزیدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نہایتکم عن زیارۃ القبور فزددھا۔

ترجمہ: حضرت یزیدؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تمہیں زیارت قبر سے روکا کرتا تھا اب اجازت ہے تم قبروں پر زیارت کے لیے جا سکتے ہو۔
اس پر امام نوویؒ لکھتے ہیں:-

ہذا من الاحادیث التي تجمع المانع والمنسوخ وهو صريح في نسخ نهی الرجال عن زیارۃ تھا۔

ترجمہ: یہ ان احادیث میں سے ہے جن میں مانع اور منسوخ دونوں جمع ہیں اس بات میں صریح ہے کہ موقوفہ کا زیارت کے لیے قبروں کی طرف نہ جانے کا حکم اب منسوخ ہو چکا۔

② پیچھے آنحضرتؐ نمازیں میں مسجدین بھی رفیعین کرتے تھے حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے اندر چار مقامات پر رفیعین کرتے ہوئے پایا ہے۔

رفع ید یه فی صلوٰۃ اذ ارفع رکع واذ ارفع رأسه من الركوع واذ اسجد واذ ارفع رأسه من السجود۔

ترجمہ: آنحضرت نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اور جب رکوع کیا اور ۲ بیٹ رکوع سے سر اٹھایا اور ۴۔ جب سجدہ کیا اور ۴۔ جب سجدہ سے اپنا سر اٹھاتے تھے آپ ہاتھ اپنے کانوں کی گودوں تک اٹھاتے تھے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ کے وقت اور سجدہ سے اٹھتے وقت کا رفقیدین کو ناچوڑ دیا تھا حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

یرفع ید یه اذا افتتح الصلوٰۃ واذ ارفع رکع واذ ارفع وکان لا یفعل ذلک فی السجود۔

ترجمہ: آپ ہاتھ اٹھاتے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے اٹھتے اور سجدوں میں آپ رفقیدین نہ کرتے تھے۔

اس دوسری روایت پر امام نسائی نے حرک رفقیدین کا باب باندھا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ نمازیں پیچھے رفقیدین کو ناچاڑتھا بعد میں یہ منسوخ ہوا۔

نماز اذکار اور حرکات کا ایک مجموعہ ہے اسلام کی تدریجی حکمت رہی کہ اذکار زیادہ ہوں اور حرکات کم ہوتی جائیں سورفقیدین منسوخ ہوا یہ جو رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت کا رفقیدین ہے اس پر امام نسائی نے سنن جلد ۱ ص ۱۷ پر ترک ذلک کا باب باندھا ہے اس سے احادیث میں ناخ و منسوخ کی بحث چلتی ہے۔ اسلام میں احکام میں نسخ واقع ہے (وہ قرآن کریم میں ہوں یا احادیث میں) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت نے فرمایا۔

فوضوا مما متت النار۔

ترجمہ: جس چیز کو آگ نے پھیرا اس سے (اس کے کھانے سے) دھڑکو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے گوشت تناول فرمایا اور وضو نہ کیا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔

شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل غبڑا و لحماً ثم قام الى الصلوة
ولم يتوضأ ۛ

ترجمہ میں حضور کے پاس موجود تھا آپ نے روٹی اور گوشت کھایا پھر آپ نماز
کے لیے کھٹے اور (تازہ) وضو نہ کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں :-

كان اخرا الامر من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما تمت
النار ۛ

ترجمہ ۲ حضرت سے جو چیز آخری درجہ میں منقول ہے وہ یہ ہے کہ پکی چیز سے
وضو لازم نہیں آتا۔

امام ترمذی ۛ کہتے ہیں :-

هذا اخر الامر من رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان هذا الحديث تامخ
للحديث الاول حديث الوضوء مما تمت النار ۛ

ترجمہ ۳ حضرت سے منقول ہونے والی باتوں میں یہ آخری ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث کی
تاسخ ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم ہے۔

(۲) پہلے انسانی کلام سے نماز نہ ٹوٹتی تھی اب آپ نے اس سے منع کر دیا۔ حضرت نید بن
ارقم (۶۶ ھ) کہتے ہیں :-

كان الرجل يكلم صاحبه في الصلوة بالحاجة على عهد رسول الله صلى الله
صلى الله عليه وسلم حتى نزلت هذه الآية حافظوا على الصلوات والصلوة
الوسطى وقوموا لله قانتين فامروا باسكوت ۛ

ترجمہ ۴ حضور کے زمانے میں ایک شخص نماز میں اپنے ساتھی سے بات کر لیتا تھا
پھر یہ بات اُتری کہ نمازوں کی اور خاص طور پر درمیانی نماز کی مخالفت کرو یہیں حکم دیا
گیا کہ نماز میں خاموشی اختیار کریں۔

یہ نسخ ائمہ ہائے سنت کی چند مثالیں ہیں۔ اگر دو متعارض حدیثیں ملیں اور تقدیم و تاخیر معلوم نہ ہو تو پھر صحابہؓ کے عمل سے پتہ چلے گا کہ منسوخ کون سی چیز ہے اور ناسخ کون سی ہے۔ امام ابو داؤد (۵۱/۵۲) فرماتے ہیں:-

اذا تنازع الجہان عن رسول اللہ ﷺ فطوالی ما عمل بہ اصحابہ من جددہ بلہ
ترجمہ جب آنحضرتؐ سے دو حدیثیں پہنچیں جو آپس میں ٹکرا رہی ہوں تو دیکھا جائے
گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ کا عمل کس پر تھا۔
حضورؐ کے عمل سے صرف وہی حدیث منسوخ ہو سکے گی جو آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ تھی جو بات
آپ کی وحی غیر متلو پر مبنی نہ ہو آپ اسے اپنے اجتہاد سے منسوخ نہیں کرتے۔ ہاں وحی غیر متلو پہلی وحی
غیر متلو کو منسوخ کر سکتی ہے اور اجتہاد پہلے اجتہاد کو منسوخ کر سکتا ہے۔
واعفایہ خدمن امر رسول اللہ ﷺ بالآخر فالآخر لہ
ترجمہ۔ سوائے اس کے نہیں کہ آنحضرتؐ کے آخری عمل کو ہی بطور شرطیت لیا جائے گا
پھر اس کے بعد جو آخری ہو اسے لیا جائے گا۔

نسخ القرآن بالحدیث

جہور علماء اس کے قائل نہیں وہ اس کے لیے دلائل قاطعہ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں حضرت جابرؓ
کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:-

کلامی لا ینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضاً
ترجمہ میرا کام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ
کر سکتا ہے اور کلام اللہ میں ناسخ و منسوخ دونوں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے ناسخ و منسوخ قرآن اور حدیث دونوں میں تقسیم کیے گئے ہیں:-

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احادیثنا ینسخ بعضها
بعضاً کمنسخ القرآن

بعض علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں مثلاً

① قرآن کریم کا حکم ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (پہلا اعراف ۲۰۴)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کی طرف کان دھرو اور چپ رہو۔ ہو سکتا ہے تم پر رحم کی گھڑی آپہنچی ہو۔

یہ حکم عام ہے اور نماز کو بھی شامل ہے یہ حضرات ایک حدیث سے اس کے عدم کو ٹوٹے ہیں اس حکم سے سورہ فاتحہ کو مستثنیٰ کرتے ہیں کہ امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ ہونے کی بجائے اپنی سورہ فاتحہ پڑھ سکتے ہو اس سلسلہ میں حضرت کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے آپ نے فرمایا تم میرے پیچھے سورہ فاتحہ کے سوا کوئی حصہ قرآن نہ پڑھو۔ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو یہ حدیث نسخ القرآن بالحدیث کی ایک مثال ہوگی۔

ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شریعت امام کو تو کہے کہ تو بلند آواز سے فاتحہ پڑھ اور مقتدی کہے کہ تم نے سنا نہیں تم اپنی فاتحہ پڑھو۔ اگر مقتدیوں نے اسے نہیں سنا تو وہ بے عقل اونچا کیوں بول رہا ہے اور پھر سارے اپنی اپنی فاتحہ پڑھیں اب یہ سارے امام کی آئین پر آئین کیسے کہہ رہے ہیں یہ ایک غور طلب بات ہے۔

نسخ القرآن بالقرآن

نسخ و منسوخ کی اس بحث میں اصل موضوع بحث نسخ القرآن بالقرآن ہے معتزلہ اس کے قائل نہیں سب بے پیچھے محمد بن بحر ابو مسلم مصنف ابی (۳۴۴ھ) نے اس کا انکار کیا لیکن کہتے ہیں اس نے بھی انکار نہیں کیا اس نے نسخ کی بجائے اسے تخصیص کا نام دیا ہے وہ کہتا ہے کہ پہلے حکم عام میں وہ حصہ ملو الہی تھا ہی نہیں جسے دوسرے مقام پر ہم اس حکم سے خارج دیکھتے ہیں اس دوسرے مقام نے پہلے حکم کی وضاحت کی ہے اس کے کسی حصے کو منسوخ نہیں کیا۔ لیکن علماء اہل السنۃ نسخ اور تخصیص میں فرق کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں عام اصل میں اپنے سب افراد کو شامل ہوتا ہے اور یہی اس کے حقیقی معنی ہیں

جب وہ بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہوتا تو وہاں اس کا قرینہ ہوتا ہے عام اگر اپنے بعض افراد کے ساتھ مخصوص ہوتا یہ صرف بطریق مجاز ہوگا۔

جو چیز منسوخ ہوتی ہے وہ بھی پہلے اپنے اصل معنی (موضوع جس کے لیے بنی ہو) میں قائم ہوتی ہے اور اس کا یہ عام حکم ایک خاص حکم تک قائم رہتا ہے اس کو اب ایک نسخہ ہی بے کار کرکٹا ہے جس کی بنیاد اس حکمت الہیہ پر ہوتی ہے جو صرف اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہو۔
منع و تخصیص میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ نسخہ اخبار میں نہیں ہو سکتا البتہ ان میں تخصیص ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ خدایہ کبر دے۔

اَنَا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نَظْفِهِ امْتِشَاحٍ (پٹ المائدہ ۱)

اور دوسری جگہ کہہ دے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صرف ماں تھی ان کا باپ کوئی نہ تھا۔ اسی لیے انہیں عیسیٰ بن مریم کہتے ہیں اس دوسرے موضوع سے پہلے جسے میں جو تخصیص ہوگی وہ ایک جبر میں تخصیص ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ دوسرا موضوع پہلے ہی اس عموم میں شامل نہ تھا حضرت عیسیٰ ان میں داخل نہ تھے جنہیں قرآن کریم لفظ امتشاح سے پیدا مانا ہے۔ یہ تخصیص ہمیں دوسرے قرائن سے معلوم ہو سکتی ہے۔

تخصیص لانے کی مختلف راہیں

یہ تخصیص کبھی عام فطرت اور جس دو دانش سے بھی محسوس کی جاسکتی ہے مثلاً کہتے ہیں چوری چوری ہے خواہ تنکے ہی کی ہو۔ اب قرآن کریم کا حکم کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو مطلق چور پر نہیں اس کے کسی خاص معنی پر بلکہ جملے کا کہ جس خاص درجے کا چور ہے فطرت کا تقاضا ہے کہ مواخذہ اس کی اس حد سے شروع ہو۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّاقِةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا۔ (پٹ المائدہ ۲۸)

ترجمہ۔ اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت سر کاٹ دو ان کے ہاتھ سزا میں اس کی جوائنہوں نے کیا۔

اس میں چوری کی کوئی حد مقرر نہیں کی، جس پر بھی چوری کا لفظ آئے گا وہ یہ سزا پائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم کی تخصیص ان نفلوں میں کر دی ..

لا قطع الا بربیع دینار۔

ترجمہ: چوتھائی دینار کی مالیت کی چوری پر یہ منرا ہے اس سے کم پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

یہ قرآن پاک کی آیت کا نسخ نہیں عام کی تخصیص ہے اس باب کی کوئی تخصیص بہر حال ضروری

تھی اور اس کا جو حصہ تخصیص میں آیا وہ پہلے بھی حکم کے معنی مراد میں داخل تھا فہری تقاضوں اور عقلی ضرورت کے سہارے کوئی تخصیص تو کی جاسکتی ہے لیکن کسی شرعی حکم کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔

منسوخ آیات کی تعداد میں اختلاف

تخصیص اور نسخ کے اس غیر مختلط اختلاط کے باعث علماء میں منسوخ آیات کی تعداد میں خاصا اختلاف ہو گیا۔ بعض جگہ نسخ کی گنجائش ہے نہ تخصیص کا کوئی پہلو۔ خداسی مناسبت سے لوگوں نے نسخ کا دعویٰ کر دیا مثلاً قرآن کریم میں لوگوں کا ایک نصف لکھا ہے و معادز قہا ہم ینفقون (پہ بھتو) اور حکم بھی دیا ہے و انفقوا معاً در قہا کھ (پہ الرعد ۱۳) اس کا حکم زکوٰۃ سے نہ کوئی نکواؤ ہے نہ کوئی خلاف۔ زکوٰۃ تب ہے کہ تمہارے جمع شدہ مال پر ایک سال گزرے اور انفاق کی صفت مومنوں میں کسی حال اور وقت سے متعین نہیں۔ یہ مومن کی عام صفت ہوتی چاہیے اور وہ مومنوں کا فرضی نصاب ہے فرض میں اب یہ کہنا کہ اس حکم زکوٰۃ سے وہ حکم انفاق منسوخ ہو گیا یہ بھی ہے کہ لفظ نسخ کو کسی ادنیٰ مناسبت سے ہم ہر جا اور بے جا موقع پر لے آئیں۔ عبدالرحمن بن محمد اللہ شقی (ہ) نے منسوخ آیات کی فہرست بہت لمبی دی ہے

قاضی ابوبکر بن العربی نے یہاں نوٹس لیا اور فرماتے ہیں لوگ اکثر آیات کو بونہی نسخ میں لے آئے ہیں۔ لکھ دیکھم دلی دین (تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا) کو آیات جہاد سے منسوخ کر دیتے ہیں۔

علامہ سیوطی الاتقان میں لکھتے ہیں کہ ۴۴ سورتوں میں نہ کوئی ناسخ آیت ہے نہ منسوخ اور ۱۵ سورتوں میں ناسخ و منسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں۔ ۲۰ سورتوں میں کچھ آیات ناسخ ہیں ان میں کوئی منسوخ نہیں اور ۴۴ سورتیں ایسی ہیں ناسخ آیتیں تو موجود ہیں مگر ان میں منسوخ آیت کوئی نہیں

یہ کل ۱۲ امور تھیں ہیں۔

امام سیوطی نے ان پر غور ذکر کر کے اپنے استغناء سے بتلایا ہے کہ قرآن کریم میں صرف ۲۱ آیات منسوخ ہیں۔ بعد میں ہونے والے علمائے متعقین نے اس عدد سے بھی اتفاق نہیں کیا اور منسوخ آیات کی گنتی اور کم کی ہے۔ بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی محدث دہلوی پانچ آیات کے نسخ تک پہنچے ہیں اور پھر مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک ہیئت تک آگئے۔

ناسخ و منسوخ کے اختلافات کا ایک منظر

علماء میں ناسخ و منسوخ کی کس طرح بحثیں چلی ہیں اس کی ایک جھلک بیان ذیل میں دیکھئے۔

① الدرب العزت فرماتے ہیں۔

ولا تزدوا ذرة و ذرا اخری۔ (سجۃ الاسراء ۱۵)

ترجمہ۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔

ولیحملن اثقالہم واثقالاً مع اثقالہم۔ (سجۃ العنکبوت ۱۳)

ترجمہ اور البتہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے اور بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ

اور البتہ ان سے پوچھ ہیگی قیامت کے دن۔

یہ وہ دوسروں کا بوجھ ہے جو انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا بھٹے پر اپنے مریدوں

کو عام کہتے ہیں کہ ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے یہ تو اٹھائیں گے ہی مگر ان اصل مجرمین سے ان کے

گناہ نہ اٹھیں گے وہ بھی اپنے ان پیروں کے ساتھ سزا پائیں گے۔

یہ صورت اس آیت سے ملتی ہے۔

لیجعلوا اوزادہم كاملة یوماً لقیمة ومن اوزاد الذین یضلوہم۔

(سجۃ النحل ۱۵)

ترجمہ تاکہ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن اور ان کے بھی

جن کو وہ بسبب علم نہ ہونے کے گمراہ کرتے ہیں خبردار برا بوجھ ہے وہ برا اٹھائے ہیں۔

کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا بائیں طور کہ وہ بوجھ اس سے اٹھ جائے وہاں ان کی سزا کے ساتھ وہ لوگ بھی سزا یافتہ ہوں گے جو انہیں گمراہ کرتے رہے ان کا بوجھ جو ان پر آئے گا وہ بھی تو انہوں نے خود کمایا سہرا ہے اور ان کے اعمال میں شمار ہے۔

(۲) آپ مکہ میں تھے کہ آپ نے فرمایا:-

قل ما كنت بدماعن الرسل وما ادرى ما يفعل بي ولا بكم ان اتبع الا ما يوحى الي وما انا الا نذير مبين۔ (پہلا فرقان ۹)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میں کوئی نیا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا میرے اور تمہارے ساتھ کیا ہو گا میں تو اسی پر مقرر ہوں جو مجھے حکم دیتا ہے میرا کام ڈر سنا دینا ہے کھول کر۔

اس وقت تک آپ کو اپنے دور ان کے انجام کی پوری تفصیل نہ بتائی گئی تھیں یہاں تک کہ پھر آپ کو مدینہ میں سورۃ الفتح میں آپ کو اپنے اپنے اسس مشن کے انجام کی خبر دے دی گئی۔ اس کے ان مختلف جملوں پر غور کریں کیا اس میں مسلمانوں اور کافروں دونوں کا انجام نہ بتلادیا گیا؟

انفتحنا لك فتحةً مبيدًا۔

وعدكم الله مغناهم كثيرة تاخذونها۔

لندخلن المسجد الحرام۔

ليظهروه على الذين كلفه

يعجب الزداع ليغيب بهما الكفار۔

وعد الله الذين آمنوا وعلوا الصلوات منهم مفتقر واجزا عظيمًا۔ (پہلا فتح)

یہ چار اقتباس مسلمانوں کو ان کے انجام خیر کی خبر دے رہے ہیں اور کل سورت کا مضمون اس

سے بھی وسیع ہے۔

(۱) ہم نے فیصلہ کر دیا آپ کے لیے فتح حسین کا

(۲) وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جو تم لوگ۔

(۳) تم ضرور داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں

۴) آپ اس لیے ہیں کہ اپنے دین کو غالب کر دیں سب پر

۵) اسلام کا پورا اپنے مال پر کھڑا کھیتی والوں کو اچھا لگ رہا ہے اور کافر اس سے بے بیار ہے ہیں اور آخرت کے لیے بھی ایمان والوں سے وعدہ ہے مغفرت اور اجر عظیم کا

علامہ ابن السلاّم (ہ) اپنی کتاب المناہج والمسنوخ میں لکھتے ہیں کہ پہلی آیت (سورہ اتھاف کی نویں آیت) کو سورۃ الفتح لے منسوخ کر دیا ہے لیکن آیت مذکورہ کے صرف دوسرے حصے (ما یفعل فی دلائکم) کو پہلا حصہ محکم ہے (قل ما کنتم بدعا من الوسل) اس سے پتہ چلا کہ منسوخ کا منہوم اتنا عام ہو چکا تھا کہ بعض آیات کے صرف بعض حصوں کو منسوخ سمجھا گیا اور اس میں ایسے مضامین بھی تھے جو آخر تک محکم رہے اور میں بعض اوقات علماء آیت کے ایک حصے کے منسوخ پر بھی آیت کو منسوخ آیات کی ذہرت میں لے آئے ہیں۔

کو میں رہتے ہوئے آپ کو صبر و تحمل کا حکم تھا کافروں سے قتال جائز نہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

ثم یحرم لهذه الامة قتال الکفار فی اول الامر ولم یکن حینئذ هنالك جند ولا خلافة شر لما هاجر النبی وتاب المسلمون وظهرت الخلافة وتمکنوا من مجاهدة اعداء الله انزل الله تعالیٰ له

ترجمہ شروع میں اس امت کے لیے کافروں سے لڑنا جائز نہ تھا اور اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی لشکر بھی نہ تھا اور نہ خلافت نہ تھی پھر جب آپ نے ہجرت کی اور آپ کی سلطنت قائم ہو گئی اور مسلمان اللہ کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی کے لائق ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کر دیا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدير۔ (پاک صحیح ۴۹)

ترجمہ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں کہ ان پر ظلم ہوا ہے (اب وہ مقابلہ کریں) اچھا اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والے ہیں۔

یہ الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ پیسے انہیں نہ ملنے کا حکم تھا اب نئے ظروف و احوال میں مظلوم رہنے کی اجازت نہیں۔ اب متا بلے میں اٹھنے اور خدا کے بندوں سے ظلم روکنے کے لیے انہیں لڑنے کا حکم (اذن) دیا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم میں نسخ کی کھلی دلیل ہے۔ ہم اسے پیسے بھی بھلا ذکر کرتے ہیں۔

پہلی شرائع میں مال غنیمت مجاہدین کے لیے جائز تھا اس امت کے لیے غنیمتیں حلال کر دیں۔
وعدكم الله مغنم كثره فاخذونها۔ (آیت الفتح ۲۰)

ترجمہ۔ وعدہ کیا اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم انہیں لو گے۔
۲۔ حضرت علیؓ اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ تم مال غنیمت کے حق دار ٹھہرو گے سو یہ ضرور ہو گا کہ پیسے جو صبر کرنے اور زب کر رہنے کا حکم تھا وہ اب منسوخ ہو گیا۔

فصلت علی الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لي الفنائم۔

ترجمہ۔ مجھے دوسرے انبیاء پرچہ چیزوں میں فضیلت دی گئی مجھے جوامع الکلم دیئے گئے عرب سے میری مدد کی گئی اور فنائم میرے لیے حلال ٹھہرائے گئے۔

علماء نے مندرجہ ذیل دو آیتوں کو بھی نسخ کے ضمن میں پیش کیا ہے۔ ہم ان کا حاصل پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

والذين يثوبون منكم ويذرون اذوا جاب تربص بانفسهم اربعة اشهر و
عشرا فاذا بلغن اجلهن فلاجناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف
والله بما تعملون خبير۔ (آیت البقرہ ۲۳۴)

ترجمہ۔ اور جو لوگ تم میں سر جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو چلے جائے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن۔ اور جب پورا کر لیں وہ اپنی عدت تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں کوئی فیصلہ قاعدے کے مطابق اور اللہ کو بہتاد سب کاموں کی خبر ہے۔

اگر وہ عدت گزارنے پر نہ نکلیں اور نکاح نہ کریں تو کم از کم سال تک تم انہیں اپنے گھر پر رکھو اور ان کے اخراجات کا بند رچہ وصیت تکفل کرو۔

وَالَّذِينَ يَتُونُوكُمْ مِّنْكُمْ وَيَذَرُونَ الزَّوْجَ وَهَيْتَ لَّا زَوْجًا وَهَيْتَ لَّا زَوْجًا مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ
اِخْرَاجِ خَانَ خَرْجِنَ فَلَاحِجًا عَلَيْكُمْ فَيَعَاظِلُنَ فِي انْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ
وَاللّٰهُ هٰذَا بِرَحْمَتِهِ ۝ (رَبِّ الْبَقَرَةِ ۲۴۰)

ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وصیت کر جائیں
ایک سال تک کے خرچہ کی اور انہیں نکال دینے والے وہ خود (عدت گزار کر) نکل
جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ کریں وہ اپنے حق میں فیصلہ کا حصہ کے مطابق اور اللہ
تعالیٰ غالب ہے حکمت والا۔

یہاں بحث نسخ کی دو جہتیں ہیں :-

① دو آیتوں میں دو مختلف عدتیں: ایک میں چار ماہ اور دس دن اور دوسری میں ایک سال۔ یہ
در اصل عدتوں کا تعارض نہیں عدت وہی چار ماہ اور دس دن ہیں۔ عدت کے دنوں کے
علامہ کچھ اور خرچہ بھی بیوہ کو اپنے خاوند کے مال سے ملنا چاہیئے۔ اس کے لیے حکم ہوا کہ ایک
سال تک انہیں گھر سے کوئی نہ نکالے اور اپنے اعزہ کو وصیت کر جائے کہ وہ انہیں خرچہ دیتے
رہیں۔ اگر عدت ایک سال مراد ہوتی تو اس کے بعد یہ نہ ہوتا کہ اگر وہ اس پہلے گھر سے نکلیں
تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ سر یہاں وصیت بیوہ کے لیے خاوند کے مال میں اس کا حصہ ہے پہلی
آیت میں حکم مردوں کے لیے ہے اور دوسری میں مردوں کے لیے اور ان میں کوئی تعارض
نہیں ہے۔

② نسخ کی دوسری بحث ان آیتوں میں پہلیں کی نہیں بلکہ حکم وصیت کا محمولہ آیت میراث سے ہے
جب آیت میراث نے بیوہ کو خاوند کے ترکہ سے چوتھائی یا ثمن (اٹھواں حصہ) دے دیا تو اب
اس کے لیے ایک سال تک کے خرچہ کی وصیت ضروری نہ رہی تو اس جہت سے یہ سال تک
کے لیے وصیت کرنے کا حکم منسوخ سمجھا جائے گا۔ تاہم عدت کے بعد اس کا کہن کالج کرنے
کا حق قائم رہے گا۔

اب قرآن پاک میں اس منسوخ آیت کا ہونا خاوند کے مال میں بیوہ کے حق کی ارتقائی تاریخ معلوم کرنے کے لیے بہت مفید ہے۔ آیت میراث سے پہلے اسلام نے کس طرح بیواؤں کے فطری حق کا احترام کیا اور انہیں انسانی بنیادوں پر پوری سہولت دی کہ بعد انقضائے عدت وہ جہاں چاہیں دوسرا نکاح کر سکتی ہیں۔

قرآن کریم کی آیت وصیت

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان تترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين
بالمعروف حقا على المتقين فمن بدله بعد ما سمعه فانما ثمة على الذين
يبدلونه ان الله مبيع عليهم (پ البقرہ ۲۲)

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا جب تم پر موت کا وقت آئے اگر کچھ مال چھوڑ جائے تو وصیت کرنا ہے والدین کے لیے اور دوسرے اقربین کے لیے یہ حق ہے دوسرے والوں پر جو جس نے اس وصیت کو بعد اس کے کہ اس نے سن لی یعنی بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان پر ہو گا جو اسے بدلتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں سننے والے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرنے والے کے لیے وصیت کرنا فرض ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس حکم کا تقاضا جاہلیت کی اس رسم کو توڑنا تھا جس کی رو سے مرنے والے کا سارا مال اس کی بیوی اور اولاد لے جاتی تھی والدین اور دیگر اقربا کسی جہت سے بھی اس میں حصہ نہ رکھتے تھے۔ ہام نے والدین اور اقربا کا فطری حق مانا اور مرنے والے کو وصیت کا مکلف کیا تاکہ اس کے ترک سے معاشرے میں کوئی فساد نہ اُبھرے۔

جب آیت میراث اُتری اور سب وارثوں کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیے تو اب یہ وصیت غرض نہ رہی۔ اب اس کا درجہ صرف استحباب کا رہا اور اس میں بھی وصیت وارث کے بارے میں نہ ہو سکے گی۔ آیت میراث کی رو سے جسے حصہ نہ ملتا ہو اس کے بارے میں وصیت ہو سکتی ہے اور مرنے والا اپنے مال میں ایک تہائی سے زیادہ کے بارے میں اس کے لیے بھی

وصیت کرنے کا مجاز نہیں۔

آیت میراث جس میں سب وارثوں کے حصے طے کر دیئے ہیں سورۃ نساء میں موجود ہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَدْوَابِكُمْ لِلَّذِينَ لَهُنَّ الْأَرْثُ (نساء ۱۱)

ترجمہ اللہ تعالیٰ وصیت کرتے ہیں تمہیں اپنی اولاد کے بارے میں ارث کے کا حصہ

ارث کی سے دو گنا ہے۔

آیت وصیت پر عمل کرنے کی باقی صورتیں

آیت میراث نے آیت وصیت کے جس حصے کو منسوخ نہیں کہا اس میں غیر مسلم والدین آسکتے ہیں جن کا سنبھالنے والا کوئی نہ ہو۔ آیت میراث میں سب حصے مملکتوں کے لیے ہیں کوئی کافر مسلمانوں کا وارث نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم قرابت داروں کو کچھ دینا چاہے تو اسے وصیت کے ذیل میں لاکر دے۔ سو آیت وصیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی۔ کوئی ایک جہت پھر بھی لائق عمل رہی۔ اس تفصیل کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت بھی من کل الوجوہ منسوخ نہ ہوئی اور جن علماء نے قرآن کریم میں بعض آیات کے بعض حصوں پر حکم نسخ لگایا ہے ان میں بھی ان کی تلاوت کو منسوخ نہیں کہا۔ ان کے پڑھنے میں بھی اتنا ہی ثواب ہے جتنا دوسری آیات کی تلاوت پر۔

منسوخ التلاوت آیات کا حکم

البتہ کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہوئی وہ قرآن پاک میں موجود بھی نہیں مگر ان کا حکم باقی ہے اور وہ حکم بھی شریعت میں تو اتر کا حکم رکھتا ہے ان آیات کو منسوخ التلاوت باقی الحکم کہتے ہیں۔

ان آیات کے حکم کو باقی رکھنے میں ایک اور اصول نکھر کر سامنے آتا ہے جسے بعض علماء نے پہلی کتابوں کے بعض احکام کو باقی رکھنے کے بارے میں اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی شائع کے وہ احکام جنہیں ہماری شریعت نے منسوخ نہیں کیا اب بھی باقی سمجھے جائیں بشرطیکہ ہماری ان احکام پر اطلاع کسی یقینی واسطے سے ہو ہمارے اپنے پیغمبر کے واسطے سے ہو۔ اہل کتاب کی ان دستاویزات

سے نہ ہر جو عام انسانی ہاتھوں تحریف لفظی کا شکار ہو سکیں۔ ان احکام کو شریعت تسلیم کرنے میں واسطہ علم معصوم بننا چاہیے۔ واللہ اعلم وعلیہ اتم واحکم۔

ناسخ و منسوخ اور وحی غیر متکود دونوں میں رہا

شریعت اپنی تکمیل میں ناسخ و منسوخ کے بہت سے مباحث سے گزری ہے ہم نے اس مضمون میں بہت سی آیات اور احادیث آپ کے سامنے رکھ دی ہیں جن میں صریح طور پر یہ دونوں خاصے مذکور ہیں بعض لوگ اسے غلط تفران کے خلاف سمجھتے ہیں کہ اس میں ناسخ و منسوخ کی بحث چلے۔ اگر اس بات کو کچھ بھی وزن دیا جائے تو پھر یہ مباحث حدیث میں بھی غلط رسالت کے خلاف دکھائی دیں گے جس طرح وحی منکوح غلط ابدی ہے وحی غیر متکود غلط بھی اپنی جگہ ابدی ہے اہل حق غلط تفران اور غلط رسالت میں سے کسی کو بھی مجروح ہونے نہیں دیتے اگر تفران میں ناسخ آنے سے غلط تفران مجروح ہوتی ہے تو حدیث میں ناسخ آنے سے غلط رسالت کیوں مجروح نہ ہوگی۔

۱۔ حضرت کے اپنے آخری وقت میں امت کو دونوں کی یکساں نصیحت فرمائی ہے۔

توکت ذیکم اسرین لن تفضلوا ما تمسکتو بھا۔

ترجمہ میں تم میں دو چیزیں چھڑے جا رہی ہیں جب تک تم ان سے سہارا لو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

اسکی رو سے قرآن کریم اپنے آخری پیرایہ میں اور آپ کی سنت اپنے آخری نکھار میں اپنی ابدیت میں دو برابر کے ماخذ علم ہیں۔ اب نہ اس تفران سے اور نہ آپ کی سنت سے کسی اعتبار سے کسی حکم کے منسوخ ہونے کا کوئی احتمال ہے۔ ناسخ و منسوخ کے گمراہ مباحث سے غلط تفران اور غلط رسالت میں سے کسی پر حرج نہیں آتا۔

جس طرح شریعت میں ابدال و باد تک کسی کمی کا کوئی احتمال نہیں اس میں کسی اضافے کی بھی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جس طرح پادریوں کی کونسل ہر دس سال بعد بائبل میں کمی بیشی کرتی ہے اسلام میں اب کتاب و سنت میں کمی کی اور زیادتی کا کوئی احتمال نہیں کتاب و سنت کی تاریخ میں ناسخ و منسوخ کے مباحث ہرگز ان کی غلط میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کے مجددین

نستقران کریم میں برابر نسخ کا اقرار کیا ہے اور اسے کتب و سنت کی عظمت کے سزا کی بھی نہیں سمجھا۔
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی ضمنی اصطلاحات پر عبور پاتے ہوئے قرآن کریم
کی منسوخ آیات میں بہت کمی کی ہے۔ تاہم وہ پانچ آیتیں جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
کے ہاں منسوخ الحکم میں یہ ہیں:-

① کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیۃ للوالدین والاقربین۔

(پ البقرہ ۱۸۰)

ترجمہ۔ تم میں سے جب کسی پر موت کا وقت آئے گا تو اس پر لکھ دیا گیا ہے کہ اگر مال
چھوڑے تو وصیت کسے والدین اور اقربین کے لیے معروف طریق سے

یہ آیت منسوخ ہے آیت میراث سے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین
(پ النساء ۱۱) جس میں وارثوں کے حصے خود خدا نے مقرر کر دیئے ہیں حدیث لا وصیۃ لوارث کہ جو شرفا
وارث ہے اس کے لیے وصیت نہیں ہے اسی نسخ کو بیان کرتی ہے۔

② والذین یتوفون منکم ویذرون اولعبا وصیۃ لاوزار تھم متاعا الی الخول

عزیر اخراج۔ (پ البقرہ ۲۴۰)

ترجمہ۔ اور جو گم تم میں وفات پائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں
اپنی بیویوں کے لیے ایک سال کے خرچے کا اور یہ کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں۔

یہ آیت بھی میراث سے منسوخ ہے عورت اپنا حصہ لینے کے بعد (وہ جو محتاج ہو یا اٹھلاں)
اب سال تک کا نان و نفقہ اپنے شوہر کے گھر سے لینے کی حقدار نہیں رہی رہائش تو وہ بھی شوہر والوں
کے ذمہ نہ رہی۔

③ ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا القامن الذین کفروا (پ الانفال ۶۵) اپنے

بعد والی آیت ان یکن منکم الف یغلبوا الغن یاذن سے منسوخ ہوئی۔

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

”میں کہتا ہوں نبیؐ شک منسوخ ہے“ ملے

④ اذاما حیتہ الرسول فقد مواہین یدی بنواکم صدقہ ذلک خیر لکم واطہر.

(پہلے الجادلہ ۱۴)

ترجمہ جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی بات کرو تو اپنے مشرکہ کرنے سے پہلے
کچھ صدقہ دے لیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور زیادہ پاک۔

یہ آیت اپنے اگلے حصے سے منسوخ ٹھہری خان لہ عقد و افان اللہ غفور رحیمو اگر تمہارے
پاس یہ مال نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس پر بھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں :-
”یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔ یہ قول ٹھیک ہے۔“

⑤ قد اللیل الا قلیلاً (پہلے المنزل)

ترجمہ اب ہفتہ روزے سے حصہ کے بغیر رات قیام میں رہ کر ہیں۔

یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہوا۔ واللہ یقدر اللیل والیلا علم ان لن یحصیہ
فتاب علیکم۔ اب اس میں تاکید کا نسخ کر کے استقباب غیر مؤکدہ کو باقی رکھا گیا ہے۔

علامہ محال الدین سیوطی نے جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ بتلائی ہیں وہ
شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کردہ ہیں اور میں اس میں ہوتی ہیں۔

ان کے بارے میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

خیر کو ان میں اکثر کی نسبت کلام ہے..... میں کہتا ہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ آیتوں میں
آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے۔

ان پانچ آیتوں میں سے چار کے بارے میں مولانا عبداللہ سندھی نے کچھ مزید تفصیل فرمائی ہے اور
پہلی آیت میں نسخ کو تسلیم کیا ہے پھر اس میں بھی یہ راہ نکالی ہے کہ اگر کسی کے والدین اور اقربا میں غیر مسلم ہوں
اور وہ مسلمانوں کی وراثت نہ پاسکتے ہوں تو ان کے لیے وصیت کر کے اب بھی اس آیت پر عمل ہو سکتا ہے
اور اس پہلو سے بھی منسوخ نہیں رہتی یہ کلام الہی کا اعجاز ہے کہ ہم اسے کثرت کہیں منسوخ نہیں
پاسکتے یہ کلام اپنی شان اعجاز میں خود بولتا ہے

تاثير القرآن

المحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :

قرآن کریم اپنے اندر ایک عجیب شانِ تاثير رکھتا ہے۔ یہ تاثير اپنے ظاہری اثرات بھی رکھتی ہے اور باطنی اثرات بھی۔ اس کی تلاوت اور سماعت خشیتِ الہی اور خوفِ خدا کی دولت بخشتے ہیں کیا کھان اور کیا غیر مسلم جو بھی اسے سن لیں اشرق قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ قرآن کریم ایک عجیب انداز میں کثرۃ کی فکر دلوں میں اتارتا ہے اور جو بھی اسے سن لے اپنے دل میں ایک عجیب کیفیت محسوس کرتا ہے۔ خود قرآن میں اس کے نفسیاتی اثرات کا یہ تذکرہ ہے :-

تَقشَعْرَمَنۡہٗ جُلُودُ الَّذِیۡنَ یُحۡشِنُوۡنَ رَبِّہُمۡ ثُمَّ تَلِیۡنَ جُلُودُہُمۡ وَقُلُوبُہُمۡ

الۡیٰ ذٰلِکَ الرَّسۡۡۡۡۡۡ (سُورۃ الزمر ۲۱)

ترجمہ۔ بال کھڑے ہو جاتے ہیں اس سے کھال پر اُن لوگوں کے جو خدا سے ڈرتے ہیں پھر نرم پڑ جاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔
شیخ الاسلام لکھتے ہیں :-

اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے یہ حال اقربائے کاملین کا ہوا اگر کبھی معفاء و ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات احوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کی عجیب شانِ تاثير کے سینکڑوں عجیب واقعات ہیں۔ یہاں ہم اس صبح کے ان اثرات کی چند حکایات لکھتے ہیں :-

پہلی حکایت

ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کی مشرکین نے وہاں شاہِ حبشہ کے دربار تک اپنی باتیں پیچھائیں اور اسے اسلام کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا۔ سببِ شیشی

ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمانی خبروں پر سخت پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں اس سچو میں جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ ایک جماعت لٹن سٹوڈ کی طرف سے گزری دہاں حضور پر نور اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ قرآن کی آواز ان جنوں نے سنی اور وہ ان کو بہت عجیب موشر اور دلکش معلوم ہوئی اس کی عظمت اور ہیبت ان کے دلوں پر چھا گئی اور وہ قرآن کی آواز پر فریضہ ہو کر اسی وقت ایمان لے آئے۔ اور اپنی قوم سے جا کر یہ سارا ماجرا بیان کیا۔

انا سمعنا قرآنًا عجیبًا یدھی الی الرشید فالمتابہ (پہلے آج)

ترجمہ ہم نے سنا ہے عجیب کلام جو نیک راہ سمجھانا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔

قرآن کی عجیب قوت تاثیر۔ یثریا بیانی اور حسن اسلوب نے ان کے لیے اسی وقت ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ آئے تھے جس کے لیے مگر اللہ تعالیٰ نے ایمان سے مالا مال کر دیا کس کی تاثیر تھی؟ قرآن کریم کی۔

جو توحفی حکایت

مقام علی قوشچی ماوراء النہر کے ایک بہت بڑے عالم تھے ایک دفعہ وہ روم گئے اور وہاں کے ایک یہودی عالم سے صداقت اسلام پر گفتگو کی۔ ایک مہینے کے قریب ہر دو میں گفتگو جاری رہی مگر وہ یہودی قاتل نہ ہوا۔ ایک دفعہ وہ یہودی گفتگو کے لیے تلاجی کے پاس آ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا اور تلاجی قرآن پڑھ رہے تھے انہیں یہودی کے آنے کی کوئی خبر نہ تھی۔ وہ یہودی ٹھہر گیا اور بڑی توجہ سے قرآن سنتا رہا اس کے بعد وہ تلاجی کے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے مسلمان بنالو۔ تلاجی نے تعجب سے پوچھا کہ میری ایک ماہ کی گفتگو تم پر اثر نہ کر سکی اسخذا کون سی چیز ہے جس نے تجھے متاثر کر دیا ہے۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ میں نے عمر بھر سچے سچ کوئی بڑا کام نہیں دیکھا مگر اس کے باوجود آج صبح جب تم قرآن پڑھتے تھے میں تجھے سے آسٹن رہا تھا تو اس شیرے دل پر ایک عجیب اثر کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ کلام الہی ہے اور میں مسلمان ہو گیا۔

یہ اس واقعہ کا قاضی نور الدین شوشری دہلوی اگر وہ اپنے تفسیر میں اور علامہ رحمۃ اللہ کیراؤنی نے الزلۃ الشکوکی میں نقل کیا ہے۔

پانچویں حکایت

حضرت جبریل مہتمم کہتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے ایک دن پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا جب میں نے یہ آیات نہیں تو میرا دل میرے اختیار میں نہ رہا۔ قرآن کی یہ عجیب و غریب تاثیر میرے ایمان لانے کا سبب ہو گئی۔ وہ آیات مبارکہ یہ تھیں :-

ام خلقوا من غیر شیء و ام ہم الخالقون ام خلقوا السموات والارض
بل لا یوقنون ام عندہم خزائن ربکم ام ہم المصیطرون۔ (پک طور ۲۵)
ترجمہ کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی بنائے والے کیا انہوں نے
ہی اسمان اور زمین بنائے ہیں کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے کیا ان کے پاس
ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی ان کا پہرہ بنے والے۔

چھٹی حکایت

حضرت عمرؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے کفر کی ایک بڑی طاقت تھے حضورؐ کی مسلسل دعا تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذہن پر غلبہ دے۔ آپؐ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلے۔ رستے میں کسی نے بتایا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر نہ مہرباری بہن اور بہنوئی دونوں سلیمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ اس غصے میں اپنی بہن کے گھر گئے وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں بھائی کو دیکھ کر انہوں نے جلدی سے وہ اوراق کہیں رکھ دیئے۔ آپؐ نے کہا پڑھو تم کیا پڑھ رہی تھی۔ بہن نے اوراق کھولے اور سورۃ طہ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی :-

طہ ما نزلنا علیک القرآن لتنتفیٰ الا تذکرۃ لمن یحییٰ قذریۃ لمن خلق
الارض والسموات العلیٰ۔ (پک طہ)

ترجمہ طہ ہم نے قرآن آپؐ پر اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ سختیاں دیکھیں مگر یہ نصیحت ہے اس کے لیے جو (مُذَلِّس) ڈرتا ہو۔ اتارا ہوا ہے اس کا جس نے زمین بنائی اور اسمان کو اپنے بنائے۔

حضرت عمرؓ پر ان آیات کا ایسا اثر ہوا کہ تاریخ ایک نئے موڑ پر آگئی، حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوشکار کرنے لگے تھے خود نکلا ہو گئے۔ مراد رسولؐ جس کے لیے آپؐ مدت سے دعائیں کر رہے تھے اب آپؐ کے قدموں میں تھی۔ آپؐ کا اسلام لا نافرآن کی عجب شان تاثیر کا ایک بڑا نشان ہے۔

ساتویں حکایت

حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں کہ میں اسلام کے بارے میں متروکہ و متداول اسے قبول کر لے کے لیے آمادہ نہ ہوا تھا یہاں تک کہ سورہ شغل کی یہ آیت نازل ہوئی۔۔

ان الله يامر بالعدل والاحسان وابتاء ذى القربىٰ وبنهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون۔ (پہلا نخل ۹۰)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں عدل و احسان کا۔ اہل قرابت کو دینے کا اور روکتے ہیں بے حیائی سے۔ بُرائی سے اور سرکشی سے۔ نصیحت کرنے میں تاکہ تم یاد رکھو۔

یہ آیات ملتے ہی اسلام میرے دل میں اُتر گیا اور میں حضورؐ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو گیا پھر میں نے اس آیت کو ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھا اس نے سن کر کہا اے میرے بھتیجے! پھر پڑھ میں نے پھر پڑھی اس نے کہا:

والله ان له لخالوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لمشموران اسفله لمغذوق وما هو بقول البشر وان يعلوا ولا يعلوا۔

ترجمہ: بخدا یہ کلام بڑا میٹھا ہے اور بے شک اس پر تازگی ہے اس کا اوپر کا حصہ پھلدار ہے اور نیچلا سیراب کرنے والا ہے اور نہیں یہ کسی انسان کا کلام یہ غالب ہو کر رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔

عرب کا مشہور حکیم اکثم بن عسیفؓ بھی اس آیت کی وضاحت اور بلاغت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا تھا یہ آیت باوجود کمال اخفاد کے عقائد و اعمال اور اخلاق دین کی ہر نوع کو شامل ہے۔ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے گو یا کوئی عقیدہ غلط، نیت، عمل، معاملہ اچھا یا بُرا ایسا نہیں جو سزا و سنیٰ اس کے تحت میں داخل نہ ہو گیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ قرآن میں اگر کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت تبتیاناً مکمل شے کا ثبوت دینے کے لیے کافی ہوتی۔

اٹھویں حکایت

ابو عبد اللہ لغوی کہتا ہے کہ ایک اعرابی نے ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔
فاصدع بما توأمرو۔ (پہلا اسحٰج ۹۴) تو سنا دے کھڑے ہو کر جو تجھ کو حکم ہوا ہے۔
وہ یہ آیت سنتے ہی سجدے میں گر گیا جب اس سے پوچھا کہ تم نے سجدہ کسے کیا اس نے کہا: "اس کلام کی فصاحت کو"

قدر زور زدگار بداند قدر جو ہر جو ہری
حقیقت شناس لوگ اس کی حقیقتوں پر مطلع ہوئے اہل دانش اس کے معنی و مطالب سے
متاثر ہوئے اور اہل ادب و عربیت نے اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے گھٹنے ٹیکے۔ خدا کو سجدہ انہوں
نے بعد میں کیا۔ پہلے وہ اس کلام کے آگے سجدہ رہ رہے ہوئے۔

نویں حکایت

عتبہ بن ربیعہ ایک حن قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس نے حضورؐ کو ایک گوشے میں تنہا بیٹھے پایا۔ عتبہ نے اپنی قوم کو کہا کہ میں ابھی اس شخص کے پاس جاتا ہوں اور اسے مال و دولت کا لالچ دے کر اسے اس نئی تحریک سے روکتا ہوں۔ وہ حضرت کے پاس آیا اور مال و دولت کی پیشکش کی۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے میں جو کچھ کہوں وہ سنو۔ اس کے بعد اپنی کہنا۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورہ عم سجدہ (پہلا) کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ سنتے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہو گیا اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ اپنے کام میں مشغول رہیں اور کسی سے نہ ڈریں۔ مگر انہوں نے کہ بلادی کے تعلق نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق نہ دی، تاہم اس نے اپنی قوم کو آکر کہا:۔

بجڑ میں نے وہ کلام سنا کہ دلیا کبھی نہ سنا تھا بجڑا وہ شعر نہیں اور نہ کہانت ہے۔ اے گرد و قریش! تم اس کو اس کے کام سے نہ روکو۔ بجڑ اس کلام کو بڑی شان ہوگی اور تم جانتے ہو کہ وہ جو کچھ بہتارے بارے میں کہتا ہے جھوٹ نہیں کہتا اور جو دعائرتا ہے وہ رد نہیں ہوتی۔ اب خوف یہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نہ آجائے۔

یہ بات وہ اپنی صاف سے کہہ رہا ہے سو یہ کوئی جانبدارانہ شہادت نہیں ہے۔

دسویں حکایت

ابن مقفع جو اپنے وقت کا ایک بڑا بلند پایہ ادیب گزرا ہے اس نے دعویٰ کیا کہ قرآن بے شک فصاحت اور بلاغت کی انتہا پر ہے لیکن میں بھی اس طرز کا کلام لکھ سکتا ہوں اس نے اپنی کافی عمر اسی خیال غام میں ضائع کی اور اپنے خیال میں کچھ اس طرز پر لکھا بھی۔ ایک روز اُسے ایک مکتب کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک لڑکا سورۃ ہود کی یہ آیت مبارکہ پڑھ رہا تھا۔

وقیل یا ارض ابلعی ویا سماء اقلعی وخیض الماء و قنطری الامم وامتوت
علی الجودی وقیل جدد اللقوم الظالمین۔ (پہ ہود ۴۲)

ترجمہ۔ اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان ختم جا اور کھاد یا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی جو دی پہاڑ پر جا ٹھہری۔ اور حکم ہوا اور ری ہے ظالم قوم کے لیے۔

ابن مقفع نے ہی حیرت زدہ اور مدہوش ہو گیا اور گھر آکر اپنے سب کچھ کو مٹا دیا اور قسم کھا کر کہا کہ اس کلام کا کوئی معارفہ نہیں کر سکتا اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں — من شیخ رحمۃ اللہ قدس سرہ۔ اس آیت کی وجہ فصاحت میں سے بعض وجوہ علامہ زعفرانی نے کشاف میں اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خوب بیان کیے ہیں۔

پھر جب یہ کام ہو چکا اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اترنے کا حکم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے

اپنی طرف سے عام سلامتی کی خبر دی کہ اب ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئے گی تو اس موقع پر قرآن کا یہ بیان دیکھئے ۔

قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ
وَامْرَأُكَ فِي مَتَابِعِ مَعَالِمٍ يَّعْتَمِدُ مَعَٰذِبٍ (پطہ ہود ۴۸)

ترجمہ حکم ہوا اے نوح! اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف اور برکتوں کے ساتھ۔ تجھ پر اور ان قوموں پر جو تیرے ساتھ رہیں اور ایسی قومیں بھی ہوں گی جنہیں ہم کچھ وقت تک متاع دیں گے پھر انہیں پہنچے گا ہماری طرف سے عذاب دردناک۔

ان عربی الفاظ کو پڑھیے اور الفاظ کی شکوہ اور صولت پر غور کیجئے۔ اول تو ان کا پڑھنا بھی غامی بہت سے ہوتا ہے اور پڑھ بھی لے لو پڑھنے والے ان الفاظ میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔

۲۔ آنحضرتؐ پر قرآن کا اثر

قرآن کریم باوجودیکہ حضورؐ پر اترا لیکن آپؐ پر بھی اس کے ایسے اثرات ہوتے تھے کہ آپؐ کبھی بے اختیار ہو جاتے اور اسے بار بار پڑھ کر ایک عجیب کیف محسوس فرماتے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ایک رات آنحضرتؐ نماز کے لیے اُٹھے اور آپؐ نے ایک ہی آیت پر صبح کر دی۔ آپؐ اسے بار بار پڑھتے تھے اور اسی طرح صبح ہوتی چلی گئی۔ وہ آیت یہ تھی ۔
ان تعذبہم فاعوذ بعبادک وان تغفرلہم فاناک انت العزیز الحکیم۔

(پطہ الانعام ۱۱۸)

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ انہوں نے عرض کی کہ حضرت آپؐ مجھ سے کیا سنیں گے یہ تو آپؐ پر نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسے دوسرے سے سنا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورت نثار پڑھنی شروع کی جب اس آیت پر پہنچے۔ فَکَلِیْفٌ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اٰمَةٍ بِشَہِیْدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ہٰؤُلَاءِ شَہِیْدٌ تو حضور اکرمؐ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھا ہوں

کہ آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔

یہ قرآن پاک کے نفسیاتی اور طبی اثرات کا بیان تھا یہ چند حکایتیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ درندہ تاثیر قرآن کے اتنے واقعات اور عجائب و معجزات ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ان کی گنجائش نہیں۔

ان کے علاوہ قرآن کریم کے کچھ ایسے باطنی آثار بھی محسوس کیے گئے ہیں، معلوم ہوا کہ یکلام بہت جلدی امراض کی طرح بہت سے بدنی امراض کے لیے بھی عجیب نسخہ شفا ہے۔

وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ (شعب بنی اسرائیل ۸۲)

ترجمہ۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں وہ جس سے کئی روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے لیے۔

قرآن کریم کا نسخہ شفا ہونا ناگوار اصالتہً روحانی بیماریوں کے لیے ہے لیکن ضمنی طور پر اس کے آثار بدنی صحت کا بھی بار مہاسبب ہوئے ہیں۔ ایسے اثرات قرآن پاک کے عجیب اسرار ہیں۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں:-

قرآن کی آیات سے جو جدرینج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ اخلاقی وسمیہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے بلکہ بے اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ روح المعانی اور زاد المعاد وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان کیا گیا ہے۔

- تاثیر القرآن کی اس فصل کو ہم علاج بالقرآن کے نام سے ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔ یہاں ہم صرف اس کے چند آثار اعمال القرآن کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ مستقل مضمون انشاء اللہ العزیز دوسری جلد میں آئے گا۔

اہمال القرآن

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات کسی عرب قبیلہ کے پاس سے گزرتے، اتفاق سے قبیلے کے سردار کو سانپ لے ڈس لیا، قبیلہ والوں نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی اس کا دم جانتا ہے اس پر ایک صحابی نے صورتِ فاسخہ پڑھ کر دم کیا اور اپنا احباب دہنِ زخم پر لگایا اسے شفا ہو گئی۔ پھر انہوں نے یہ سارا واقعہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور حضورؐ کی اجازت سے بکریوں کی صورت میں اس کا ہدیہ بھی قبول فرمایا۔
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا :-

اِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِثْلَهُ فَلْيَنْفُثْ حِينَ يَسْتَقِظُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَيَتَعَوَّذُ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ ۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی بُرا خواب دیکھے تو جاگتے وقت تین دفعہ دم کر لے اور اس کے شر سے پناہ مانگے اس صورت میں وہ خواب اُسے ضرر نہیں دیگا۔
 حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ اپنے اوپر قرآن کی سورتیں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر دم کر لیا کرتے تھے ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک عورت کو جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دم کر رہی تھی فرمایا :-
 اَرْتَقِيهَا بِكِتَابِ اللَّهِ ۔
 ترجمہ: اسے قرآن کے ساتھ دم کر دے۔

محدث جلیل علامہ مینی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ جو دم اسمائے الہی اور اس کی صفات کے بغیر ہوں وہ مکر وہ ہیں، دم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کے ساتھ ہونا چاہیے۔ دم کی قطعیت کا یقین بھی مکروہ ہے جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہیں اس میں تاخیر نہیں آسکتی جن

۱۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۵۵ ۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۸۵۵ ۳۔ موطا امام مالک ص

احادیث میں دم نہ کرنے کی مدح کی گئی ہے ان میں وہی دم مراد ہیں جو کتاب اللہ کے بغیر ہوں اور ان کی تاثیر قطعی یقین کی جائے۔ دم کی وجہ سے غلامی علاج میں سستی نہ آنی چاہیے۔
قرآن پاک کی آیات اور سورتوں کے اسرار شفا انہی لوگوں پر کھلتے ہیں جو انہیں ان کے مخصوص طریق سے اس کے مناسب اوقات میں عمل کے لیے پڑھتے ہیں۔ ان اعمال کی کچھ شرائط ہوتی ہیں جو تجربہ کاروں سے ہی معلوم ہو سکتی ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اعمال قرآنی کے نام سے ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے جس کے نامیل پر لکھا ہے
فیہ شفاء للناس۔

پیش نظر ہے کہ آیات قرآن سے یہ اصول شفا قرآن پاک کی برکات میں سے ہے لیکن یہ برکت قرآن پاک کے مقاصد اور حقوق میں سے نہیں۔ قرآن کریم کا پیغام معاش و معاد کی اصلاح و فلاح دارین ہے۔ قرآن کریم کے جن حقوق کے بارے میں ہم سے آخرت میں سوال ہوگا یہ تبرک اور روحانی تاثیرات ان کا جزو نہیں۔ علامہ اقبال نے اس ذہن کی یوں نشاندہی کی تھی کہ
بایاتش تراکارے جزایں نیست کہ از لیلین او آساں میری

اس میں شک نہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نزع کے وقت سورت لیلین کی تلاوت کی جائے۔ علامہ اقبال یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ان خاص مواقع کی تلاوت نزول قرآن کا نبیؐ کی موضوع نہیں محض برکت اور تبرک ہے۔ قرآن پاک کے حقوق جن کے بارے میں سلمان آخرت میں مسئول ہوں گے۔ وہ یہ ہیں :-

①۔ قرآن کریم کی تصدیق

لے دل سے ارشاد الہی یقین کرنا اور زبان سے اس کا اقرار

②۔ قرآن کریم کا ادب و احترام

اسے رکھنے، کھنے، چھلنے، پڑھنے اور دیکھنے میں اس کی تعظیم و تکریم اور اکرام و

اجال۔

③۔ قرآن کریم میں مذکور تدبیر

کتاب ہدایت میں غور اور فکر کر کے زندگی کی راہیں دریافت کرنا۔

④ قرآن کریم کے احکام پر عمل

عمل بالقرآن سے اپنے اخلاق و معاشرے کی اصلاح اور آخرت کی فلاح حاصل کرنا۔

⑤ قرآن کریم کی تبلیغ و تبیین

اسے آگے پہنچانا اور اس کی مرادات کو کھولنا۔

قرآن کریم کے ارشادات اور رسالت مآب کی تعلیمات میں کہیں یہ منقول نہیں کہ یہ اعمال و تاثیرات بھی قرآن کریم کے مقاصد میں شامل ہیں۔ ہاں اخبار امت نے عملاً ان کے بہت سے ثمرات دیکھے ہیں اور قرآن کی ان روحانی تاثیرات سے انکار ممکن نہیں۔ ہاں قرآن کریم کے مقاصد اور میں وہی قرآن پاک کے حقوق ہیں جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اور ان کی تعمیل نے ہی قرآن کریم کو ایک انقباض آفرین کتاب ثابت کیا تھا۔

اگلی جلد میں ہم مغرب کے چند غیر مسلم مستشرقین کی آراء پیش کریں گے جو ان کے نقطہ نظر سے قرآن کریم کی عظمت و جامعیت کا اقرار واضح ہے۔

سہ وملیحة شہدت لہا ضراتہا

والفضل ما شہدت بہ الاعداء

تم المجلد الاول ویلوه الشافی ان شاء اللہ العزیز واولہ ایک قرآن

مكتبة
مجمع
الخطوط
الهوائية
بمصر